تحفۂ صد سالہ

۳۰

فضلائے جامعہ

تعارف و خدمات

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک

مرتب

مفتی عبد القیوم راجکوٹی

ناشر

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب : فضلائے جامعہ قسط اول
مرتب : مفتی عبدالقیوم راجکوٹی
معین مفتی دارالافتاء جامعہ ڈابھیل
باہتمام : حضرت مولانا احمد بزرگ مدظلہ
مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل
کمپیوٹر سیٹنگ : مفتی طیب مولانا موسی بھڑکودروی
فاضل جامعہ ڈابھیل
صفحات : ٢٦١
سن طباعت : ١٤٢٦ھ م ٢٠٠٥ء بموقع صدسالہ

ملنے کے پتے

١
جامعہ اسلامیہ
تعلیم الدین ڈابھیل سملک
نوساری ، گجرات ، ٣٩٦٤١٥

٢
مکتبۂ انور
مفتی عبدالقیوم راجکوٹی
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

ارشاد گرامی

حضرت مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ ومجاز شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ
مہتمم سابق جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

وہ مدرسہ بہت خوش نصیب ہے جو اپنی زندگی میں ایک عالم بھی ایسا پیدا کردے، جو بفحوائے حدیث نبوی "ہزار عابد پر فائق ہو"، درحقیقت یہ ایک نہیں بلکہ ہزار نفوس سے زیادہ بیش قیمت ہے، اسی ایک عالم کی تلاش میں مدرسہ اپنی سعی صرف کرتا ہے اور ایک مدرسہ کی تمام زندگی میں بھی ایک ایسا عالم پیدا ہوجانا اس مدرسہ کے قیام کی قیمت ہے

(روئداد جامعہ)

انتساب

عجالۂ نافعہ بنام اساطین جامعہ، مراد امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ان کے رفقاء، جن کے ورود مسعود سے سملک وڈابھیل کے زمین وآسمان ہی بدل گئے اور سرزمین گجرات میں ایک مرتبہ پھر علم پروردور کی یاد تازہ ہوگئی، مدرسہ تعلیم الدین ’’جامعہ اسلامیہ‘‘ کے قالب میں تبدیل ہوگیا اور یہ گلستان علم رشک بغداد بن گیا، وادیٔ لولاب کو سلام، جس نے ایسے محدث بے بدل کو جنم دیا۔ اور کشمیر جنت نظیر پر رحمت، جس کے خمیر سے ایسی پاک باز اور باکمال ہستی اٹھی۔

لم تر العیون مثله ولم یر هو مثل نفسه

عبدالقیوم راجکوٹی
یکے از خدام گلشن انوری

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	کلمات بابرکت : حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم	۱۷
	پیش لفظ: حضرت مفتی عباس صاحب بسم اللہ مدظلہم	۱۹
	عرض مرتب : از مرتب کتاب	۲۱
۱	محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ	۲۸
	نسب اور خاندان	۲۹
	مولانا کے والد ماجد	۲۹
	ولادت اور پرورش	۲۹
	تعلیم	۳۰
	دارالعلوم دیوبند میں	۳۰
	پشاور میں قیام	۳۱
	مولانا کا قادیانیوں سے ایک معرکہ	۳۱
	جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور حضرت بنوریؒ کی خدمات	۳۲
	جامع ترمذی کی تقسیم بذریعہ ووٹ	۳۴
	مولانا کا مصر کا سفر	۳۵
	مولانا کی پاکستان میں تشریف آوری	۳۵

کراچی میں قیام اور حضرت بنوریؒ کا صبر و استقامت ۳۶
طلباء کی دعا کی قبولیت اور نیوٹاؤن میں قیام ۳۷
مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تأسیس اور مولانا کے صبر و استقامت کا امتحان ... ۳۸
خواب یوسف شرمندۂ تعبیر ہوا ۳۸
مدرسہ اور اس کے شعبہ جات ۳۹
حضرت بنوریؒ کی تصنیفی خدمات ۴۱
عجیب لطیفہ ۴۲
باطل فرقوں کا تعاقب ۵۰
فتنۂ قادیان ۵۰
مشرقی فتنہ ۵۶
پرویزی فتنہ ۵۷
ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ ۵۹
فتنۂ مودودیت ۶۰
عباسی فتنہ ۶۰
تحریک ختم نبوت کے قافلہ سالار ۶۱
تاریخ ساز فیصلہ ۶۴
تحریک کی کامیابی پر اکابر کی طرف سے مبارک بادی اور مبشرات ۶۵
مقرر صاحب کو لگام دیجئے ۶۹

علامہ طنطاوی کی گرفت ۶۹
حضرت بنوری کی کاوی میں آمد اور سورۂ کہف جہراً پڑھنے پر نکیر ۷۰
وفات (مہمان لینے آگئے ہیں) ۷۱
۲ **مولانا حمید الدین فیض آبادیؒ** ۷۱
ابتدائی تعلیم ۷۲
تعلیم کی تکمیل ۷۲
مکتوب مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ ۷۲
منصب تدریس ۷۳
صف اول میں جماعت کا اہتمام ۷۳
کلکتہ میدان میں عیدین کی نماز ۷۳
تبلیغی سرگرمیاں ۷۴
مدرسہ عالیہ کلکتہ میں طلباء کی اسٹرائک ۷۴
اہل حدیث سے مناظرہ ۷۴
طریقۂ درس ۷۵
دارالعلوم میں مسلم شریف کا کامیاب درس ۷۵
ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر تقرر ۷۶
مدرسہ نور العلوم بہرائچ ۷۶
مدرسہ عالیہ کلکتہ۔ درس حدیث کے لئے فرش کا اہتمام ۷۷
جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے لئے شیخ الحدیث کے عہدہ کی پیشکش ۷۷

علامہ کشمیریؒ سے خصوصی تلمذ ۷۸
رمضان المبارک کا اہتمام ۷۸
حادثۂ جانکاہ ۷۸
مولانا کی خواہش کی تکمیل من جانب اللہ ۷۹
۳ مولانا ابراہیم سنجالویؒ (افریقہ میں خدمات) ۷۹
۴ مولانا اسماعیل گارڈی ڈابھیلیؒ (افریقی) ۸۰
گارڈی نے علم کی میخ گاڑ دی ۸۰
تعلیم ۸۰
مکتوب مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ بنام مولانا احمد بزرگؒ (مولانا اسماعیل گارڈی کی تعلیم کے متعلق) ۸۱
ڈابھیل جامعہ کے اختلاف کا اطمینان بخش اختتام ۸۳
مولانا گارڈی کا خط بنام مولانا سید ازہر قیصر صاحب حضرت علامہ کشمیریؒ کی اہلیہ محترمہ کی وفات پر تعزیتی مضمون پر مشتمل ۸۴
۵ مولانا عبدالحی لاجپوریؒ ۹۰
تعلیم ۹۰
خدمت خلق بحیثیت طبیب حاذق ۹۱
حق گوئی اور جذبۂ تبلیغ ۹۱
مرض الموت و وفات ۹۲

۶ مولانا محمد ابراہیم صوفی ڈابھیلیؒ ۹۳
کنزالدقائق کا درس شاگرد کے حوالہ کر دیا ۹۴
درس کا نرالا انداز اور سختی ۹۵
اس کو تو عربی اول ہی سپرد کرتے تو اچھا تھا ۹۸
۷ مولانا عبدالمجید لائل پوریؒ (نابینا) ۹۸
حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد ۹۹
حضرت شاہ صاحبؒ کے مرحباً کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے ۱۰۰
انعام از حضرت شاہ صاحب ۱۰۱
۸ مولانا عبدالقدیر کیمل پوریؒ ۱۰۲
علاقہ چھچھ پاکستان کا بخارا اور سمرقند ۱۰۳
الباقیات الصالحات ۱۰۴
قاری سعید الرحمٰن راولپنڈی کی تحریر ۱۰۵
علمی شان کے لئے اتنا ہی کافی ہے ۱۰۵
علمی قابلیت کے لئے شاہ صاحب کا بیان ۱۰۷
۹ مولانا اسماعیل کارالاجپوریؒ ۱۰۷
تعلیم و فراغت ۱۰۸
اساتذہ ۱۰۸
تدریسی خدمات ۱۰۸

۱۰ مولانا عبدالحفیظ لاجپوریؒ ۱۰۹

تعلیم وفراغت ۱۰۹

سفر رنگون وخدمت ۱۰۹

۱۱ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں کیمل پوریؒ ۱۱۰

ابتدائی تعلیم ۱۱۱

علوم وفنون کی تکمیل ۱۱۱

قرآنی علوم ومعارف کا حصول ۱۱۲

علم حدیث کا اشتیاق اور علامہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضری ۱۱۲

تدریس کا آغاز ۱۱۵

راولپنڈی میں آمد ۱۱۶

دارالعلوم تعلیم القرآن کا قیام ۱۱۷

فتنوں کا تعاقب ۱۱۸

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ ۱۱۸

مشینی ذبیحہ ۱۲۰

غلاف کعبہ کی نمائش ۱۲۰

تحریک ختم نبوت ۱۲۱

علمی وجاہت ۱۲۲

تصانیف ۱۲۳

کتب خانہ ۱۲۴

دارالعلوم تعلیم القرآن کے شعبہ جات ۱۲۴

سانحۂ ارتحال ۱۲۵

۱۲ مولانا شفیع احمد بہاریؒ ۱۲۵

خدمات ۱۲۶

تصنیفات ۱۲۷

۱۳ مولانا محمد خلیل انگویؒ ۱۲۸

۱۴ مولانا عبدالحی غفرانؒ ۱۲۹

۱۵ مولانا محمد یوسف اکھوڑویؒ (کامل پوری) ۱۳۰

تصانیف ۱۳۱

۱۶ مولانا عبدالوحید فتحپوریؒ ۱۳۱

تعلیم ۱۳۱

مولانا وجیہ الدین خانصاحبؒ ۱۳۲

علامہ عثمانیؒ کی خواب میں زیارت ۱۳۴

جامعہ ڈابھیل میں آمد ۱۳۵

العبد یدبر واللہ یقدر ۱۳۵

حضرت شاہ صاحبؒ کی وسعت علمی کا ایک واقعہ ۱۳۶

درس بخاری کی تقریر ۱۳۷

سالانہ جلسہ اور کامیابی پر اساتذہ کی دعائیں ۱۳۹
مکتوب گرامی علامہ عثمانیؒ ''بندہ تم کو ان طلباء میں سمجھتا ہے جن پر مدرسہ فخر کرسکتا ہے'' ۱۳۹
سند حدیث از قلم علامہ عثمانیؒ ۱۴۰
مکتوب گرامی علامہ عثمانیؒ ''تم سے کچھ اور کام لینا ہے'' ۱۴۱
درس قرآن ۱۴۳
۱۷ مولانا جمال الدین مالیگانویؒ ۱۴۳
تدریسی خدمات ۱۴۷
اپنی زندگی کا نا قابل فراموش واقعہ ۱۵۳
صحافتی زندگی اور اس کا آغاز ۱۵۵
دعوت وارشاد کے متعلق ۱۵۶
سیاست سے تعلق ۱۵۷
مشغلۂ شعر وسخن جو انتخاب ہوں ۱۵۸
مرثیہ بر وفات حسرت آیات علامہ کشمیریؒ ۱۵۹
۱۸ مولانا (مفتی) زین العابدین لائل پوریؒ ۱۶۰
خدمات ۱۶۱
ہاتھ پر بلا ٹلی گردن بچی ۱۶۳
۱۹ مولانا دوست محمد قریشیؒ ۱۶۴

تصانیف ۱۶۵
۲۰ مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ ۱۶۶
ولادت وتعلیم ۱۶۶
اساتذہ ۱۶۶
خدمات دینیہ ۱۶۷
ملی سماجی خدمات ۱۶۸
سپاس نامہ از طلبۂ سملک اسکول مسلم ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ ۱۷۰
اصلاح المسلمین بڑودہ کا تعارف وخدمات ۱۷۲
شورائے دار العلوم کی رکنیت اور جذبۂ ہمدردی ۱۷۶
مکتوب گرامی حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ ۱۷۶
اجلاس صد سالہ کے موقعہ پر قوم کے نام ایک پیغام ۱۷۸
علالت ووفات ۱۷۸
مدرسہ آیا کہ نہیں ۱۷۸
۲۱ مولانا لطف اللہ جالندھریؒ ۱۷۹
دینی وملی خدمات ۱۷۹
۲۲ مولانا عبد الرزاق کوکنیؒ ۱۸۱
نام ونسب ۱۸۱
تعلیم ۱۸۱

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں آمد ۱۸۲
وعظ واصلاح ۱۸۲
انجمن اسلام کا مشفق استاذ ۱۸۲
مولانا حسین احمد مدنیؒ سے اصلاحی تعلق ۱۸۳
انجمن اسلام سے علیحدگی ۱۸۳
ماہمی درگاہ مسجد کی امامت ۱۸۴
اہل تلوجہ اور مولانا ۱۸۴
بیت اللہ کی زیارت ۱۸۴
مرض اور اس کا علاج ۱۸۵
اہل تلوجہ کی عقیدت مندی اور مدرسہ کا وفد ۱۸۵
مدرسہ حسینیہ اور اس کا اہتمام ۱۸۵
اہتمام سے استعفاء اور مدرسہ کی سرپرستی ۱۸۶
آخری ایام اور قیام میندری ۱۸۶
وفات وحسن خاتمہ ۱۸۷
نماز جنازہ اور تدفین ۱۸۷
اخلاق واوصاف ۱۸۷
تحریر وادب ۱۸۷
تقریر وتاثیر ۱۸۸
تصنیف ۱۸۸

تبلیغی سرگرمیوں سے تعلق ۱۸۹
عبادت وریاضت ۱۸۹
ایک سعادت ۱۹۰
مولانا محمد سعید بزرگؒ کے نام مکتوب کا اقتباس ۱۹۰
۲۳ **مولانا عبدالصمد ایرائیؒ** ۱۹۰
ولادت ۱۹۰
تعلیم ۱۹۱
بیٹا تو فائز المرام ہے ۱۹۱
جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ۱۹۲
مولانا بزرگؒ کی پیشین گوئی ۱۹۳
بیت الخلاء کی صفائی پر رذائل کی صفائی کی دعا ۱۹۳
شیخ الحدیث کی مسند پر حضور ﷺ جلوہ افروز ۱۹۴
سلوک وبیعت اور جنوبی ہند میں عظیم خدمات ۱۹۵
فرق باطلہ کے خلاف انتہائی جدوجہد ۱۹۶
ردشیعیت ۱۹۷
ردقادیانیت اور جیل کی سزا ۱۹۸
محرف قرآن کے خلاف جدوجہد ۲۰۰
آپ کی تصانیف ۲۰۱
غیروں میں اسلام کی دعوت، تین سو پنڈت نے اسلام قبول کیا ۲۰۱

سوامی داعی کا واقعہ ۲۰۳
وفات ۲۰۴
۲۴ مولانا علی یوسف کاویؒ ۲۰۴
ایک ولی کامل کی وفات ۲۰۵
دعوت وتبلیغ کا ریز روبینک ۲۰۹
حضرت مولانا کا مجھے عصری تعلیم سے دینی تعلیم کی طرف لانا ۲۱۰
مولانا کے متعلق بندہ کا تأثر ۲۱۱
مجتہدانہ طریقۂ تعلیم ۲۱۱
کاوی کا دارالندوہ ۲۱۲
چند امتیازی اوصاف ۲۱۳
تبلیغ جماعت کے ساتھ گہرہ تعلق ۲۱۵
دارالعلوم کنتھاریہ کے لئے آمادہ ہونا ۲۱۶
ٹھوس علمی استعداد ۲۱۷
بے نفسی اور اپنی ذات کا خفا ۲۱۸
طلباء پر شفقت اور ان کی خدمت ۲۱۸
وسعت ظرفی، تحمل و بردباری ۲۱۹
آخری ملاقات ۲۲۰
وصال ۲۲۰

۲۵ مولانا عبدالغنی کاویؒ ۲۲۲
تعلیم ۲۲۲
اساتذہ ۲۲۳
خدمات ۲۲۳
خصائل ۲۲۴
ایک واقعہ ''ہم موت سے نہیں گھبراتے'' ۲۲۵
سانحۂ ارتحال ۲۲۶
۲۶ ابوالفضل مولانا آدم طالعپوریؒ ۲۲۷
طریقۂ درس ۲۲۸
باباصاحب کے انتقال کے بعد بھی ہونٹ ہل رہے تھے ۲۳۰
اب وقت آچکا ہے ۲۳۰
نکتہ ۲۳۱
وفات ۲۳۲
۲۷ مولانا عبدالحی بسم اللہؒ ۲۳۲
اساتذہ۔ تدریسی خدمات۔ جامعہ ڈابھیل کے منصب اہتمام پر ۲۳۳
فضائل وکمالات۔ عربی وار دو سے گہرا ربط ۲۳۴
مجلس خدام الدین اور مولانا۔ اسفار ۲۳۵
مڈگاسکر میں دینی خدمات ۲۳۸

فلاح دارین میں خدمات ۲۳۸
مکتوب گرامی بنام بھائی میاں ۲۴۰
اخلاق وعادات ۲۴۱
سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خواب میں زیارت ۲۴۲
مکتوب گرامی بنام مولانا دریابادی (بڑوں کی ''ڈے'' منانے کے مضمون پر مشتمل) ۲۴۳
مکتوب گرامی ''سرورا'' نامی کتاب پر ۲۴۴
مکتوب گرامی چندۂ جامعہ کی بابت ۲۴۴
۲۸ مولانا محمد مالک کاندھلویؒ ۲۴۶
ولادت وتعلیم ۲۴۶
درس وتدریس ۲۴۶
تصانیف ۲۴۸
ایک ادارہ کا قیام ۲۴۹
وفات ۲۵۰
۲۹ مولانا سید ابرار احمد دھولیویؒ ۲۵۰
ولادت ۲۵۰
یتیمی کا شرف ۲۵۰
جامعہ ڈابھیل میں قیام واساتذہ ۲۵۱
فراغت کے بعد ۲۵۲

تدریس جامعہ ڈابھیل ۲۵۳
دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں تشریف آوری ۲۵۴
منصب شیخ الحدیث پر ۲۵۵
کل زمانۂ تدریس ۲۵۶
وعظ وخطابت ۲۵۷
۳۰ مولانا رشید احمد موٹا ڈابھیلی ۲۵۸
امامت وتدریس ۲۵۸
مراجع ومصادر ۲۶۰

کلمات بابرکت

از: حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک امسال اپنے قیام کے سو سال مکمل کر رہا ہے جیسا کہ اس موقع پر دستور ہے اس سعادت پر مسرت و شادمانی کے اظہار کے طور پر جشن صد سالہ کے نام سے بڑا اہتمام کیا جاتا لیکن جب سے میں یہاں خدمت انجام دے رہا ہوں یہ چیز میں برابر دیکھ رہا ہوں کہ جامعہ کی طرف سے اس نوع کی چیزوں کا اہتمام نہیں کیا جاتا، شاید جن اہل اللہ اکابر علماء نے یہاں پر خدمات انجام دیں، ان کی توجہات و برکات کا یہ اثر ہو کہ اس طرح کی نمود و نمائش سے غیر اختیاری طور پر یہاں والوں کو محفوظ رکھا گیا حالانکہ اسی سال ایک سفر کے دوران جس میں مہتمم جامعہ حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب زید مجدہم بھی قافلہ کے رکن رکین تھے، ایک صاحب کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے یہ بتلایا کہ معلوم ہوا ہے کہ امسال جامعہ صد سالہ جشن منعقد کرنے والا ہے اس پر حضرت مہتمم صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، تو میں نے عرض کیا کہ صد سالہ کے نام سے کوئی فضول خرچی اگرچہ نہ کی جائے لیکن کم سے کم جامعہ کی خدمات جو مختلف شعبوں سے متعلق ہیں ان کو اجاگر ضرور کیا جائے، اور ابھی سالانہ اجلاس کو چند ماہ کی دیر ہے مدرسین میں سے کچھ حضرات کو اس نوع کی کچھ ذمہ داریاں حوالہ کر دی جائیں تاکہ مختصر شکل ہی میں سہی جامعہ کی خدمات کا کچھ نقشہ لوگوں کے سامنے پیش ہو، لیکن اس پر بھی ان کی مہر سکوت نہیں ٹوٹی، خیر یہ بات آئی گئی ہوگئی، اب جب کہ سالانہ اجلاس کے انعقاد میں تقریباً مہینہ بھر رہ گیا، حضرت مہتمم صاحب نے عزیز مکرم مولانا مفتی عبد القیوم صاحب زیدت مکارمہم کو حکم دیا کہ وہ جامعہ کے فضلاء میں سے چند کی خدمات کو مختصر طور پر تحریر میں جمع کریں چنانچہ عزیز موصوف نے بڑی عجلت میں جامعہ کے تیس فضلاء (جو اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں) کی خدمات کو تحریری شکل میں جمع کیا، وہ تحریر انہوں نے مجھے بھی بتلائی، بحمد للہ تھوڑے وقت میں انہوں نے اچھی خاصی معلومات اور بہت عمدہ مواد قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اس طرح یہ عجالۂ نافعہ آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس مبارک سعی کو حسن قبول عطا فرما کر آئندہ بھی اس سلسلہ کو دراز کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مقصد کے لئے جو اسباب و وسائل مطلوب ہیں، عافیت کے ساتھ وہ مہیا فرمائے۔ فقط

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۱۵/ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ ڈابھیلی مدظلہم

(نائب مفتی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

مادر علمی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کا سنگ بنیاد شعبان ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) میں رکھا گیا۔ سال رواں ۱۴۲۶ھ کے ماہ شعبان (۲۰۰۵ء) میں بفضلہٖ تعالی وہ اپنی حیات مبارکہ کے ۱۰۰ سال پورے کرنے جا رہا ہے۔ اس ۱۰۰ سال کی طویل مسافت میں جامعہ کافی اتار چڑھاؤ اور نرم وگرم حالات کا مشاہدہ کر چکا ہے، اس ۱۰۰ سال کی طویل خدمات میں کتنے ہی نامور افراد نے یہاں جنم لیا اور انہوں نے دنیا کے گوشہ گوشہ میں مختلف نوعیت سے جامعہ کے فیض کو عام وتام کیا اور آج بھی وہ فیض پہنچا رہے ہیں۔ کوئی درس وتدریس کے اعتبار سے تو کوئی تصنیفی لائن سے، کوئی فتاوی نویسی سے تو کوئی وعظ ونصیحت کے روپ میں، کوئی اخباری ایڈیٹر کی شکل میں تو کوئی فرق باطلہ کے تعاقب کی شکل میں، (جامعہ کے فاضل اول حضرت علامہ محمد یوسف بنوری محدث جلیل کا عظیم الشان کارنامہ کہ قادیانی گمراہ فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر حکومتی پیمانہ پر ملت اسلامیہ کے جسد سے الگ کرنے میں ان کی مبارک سعی اوراق تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی جا چکی ہے) کوئی ملی اور قومی خدمات کے ذریعہ تو کوئی میڈیکل اسپتال کی شکل میں، دین کے مختلف شعبہ جات میں مختلف نوعیت سے ان کی خدمات کی شکل میں جامعہ کا فیض پورے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔

جامعہ کے فاضلین اور خوشہ چینوں کی خدمات سے کتنے ہی مکاتب، مدارس اور مساجد وجود میں آ چکی ہیں جن کی ایک مستقل تاریخ بن چکی ہے اور مستقبل میں بھی انشاء اللہ ایسے امور وجود میں آتے رہینگے۔ نیز فضلائے جامعہ میں سے درس وتدریس کے اعلی معیار کے ماہرین وفنکار پیدا ہوئے ہیں بلکہ کئی شیخ الحدیث کے عالی منصب پر بھی فائز ہوئے ہیں جن کی قابل قدر خدمات رہی ہیں۔ اور جامعہ کی مسند افتاء کو ایسے ماہرین مفتیان کرام نے زینت بخشی ہیں جسے سلسلۃ الذہب سے تعبیر کیا

جا سکتا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں دارالافتاء سے فتاوی صادر ہوئے ہیں جن سے امت نے حظ وافر حاصل کیا ہے اور آج بھی امت اس سے محظوظ ہو رہی ہے۔ اس دارالافتاء سے صادر ہونے والے فتاوی ”ماہنامہ الاصلاح، پندرہ روزہ پرچہ مجاہد، ماہنامہ بیان مصطفٰی، ماہنامہ اذان بلال، روزنامہ اردو ٹائمز (بمبئی)“ میں شائع ہو رہے ہیں۔ میرے علم میں کسی بھی دارالافتاء کے فتاوی اتنے سارے رسالوں میں شائع نہیں ہوتے۔ کاش! ان فتاوی کی طرف بھی کچھ توجہ مبذول کی جائے تو میری ناقص رائے کے مطابق چالیس سے پچاس جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔

اور خانقاہی فیض جس سے کتنے ہی لوگوں کی عملی زندگی میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں یہ بھی ایک واضح دلیل ہے اور وعظ ونصیحت سے امت نے جو فائدہ اٹھایا اس فیض کا کیا کہنا، فیض ابرار کی ۱۰ جلدیں اس پر شاہد ہیں۔ اور مجلس علمی کے ذریعہ کتابوں کو شائع کرنے کا سلسلہ جامعہ کا وہ وسیع فیض ہے کہ عالم عرب نے بھی اسے بنظر استحسان دیکھا ہے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اکابر عظام کی تصانیف امت تک پہونچانے میں جامعہ کا کتنا حصہ ہے۔ یہ تو خدمات کا خلاصہ ہے۔ جامعہ ڈابھیل کی ایک صدی کی خدمات سے دنیا بہرہ ور ہو رہی ہے لیکن فرزندان جامعہ کی خدمات کا مکمل ریکارڈ جامعہ میں پہنچا نہیں ہے کیونکہ بعضے گمنام ہستیاں اپنا کام کر کے اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں، اور بعضے اپنی ذات کو گمنام رکھنے ہی میں خیر سمجھ رہی ہیں دنیا کی شہرت اور ناموری حاصل کرنا ان کا مقصد نہیں ہے۔ اس قریب الختم صدی کی آخری گھڑیوں میں دنیا سے چلے جانے والے بعض قدیم ابنائے جامعہ کے احوال وخدمات قوم کے سامنے لانے کی کوشش کی گئی جو ”تحفۂ صد سالہ فضلائے جامعہ“ کے نام سے ایک مختصر کتابچہ کی شکل میں عزیزم مفتی عبدالقیوم صاحب کی مساعئ جمیلہ کا ثمرہ ہے، ان کی اس خدمت پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور خداوند کریم سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی اسے قبول فرمائے اور مزید خدمات کی انہیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کتبہ: عباس بن حافظ داؤد بسم اللہ

۱۶؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۲؍اگست ۲۰۰۵ء

عرض مرتب

الحمد لله وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

حضرت مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ (المتوفی ۱۳۳۷ھ) نے آج سے سو سال پہلے جس ادارے کی بنیاد سملک میں رکھی تھی وہ اپنی عمر کے سو سال پورے کر رہا ہے، مولانا بھامؒ نے ''مدرسہ تعلیم الدین'' کا افتتاح ایک بڑے مجمع میں ماہ شعبان ۱۳۲۶ھ میں اپنے استاذ صوفی احمد میاں لاجپوریؒ کے دست بابرکت سے کرایا، یہ مدرسہ برابر ترقی کرتا رہا، طلباء کی کثرت ہوتی گئی، مدرسین وملازمین بڑھتے گئے، افتتاح مدرسہ کے وقت اگرچہ کچھ سرمایہ ان کے پاس نہیں تھا مگر حسن نیت، للّٰہیت، اخلاص، اور سب سے بڑھ کر جوش عمل کا وہ بے پناہ جذبہ موجزن تھا جس کے سامنے لاکھوں کی پونجی ہیچ ہوتی ہے۔ بنائے مدرسہ کے بعد بہت جلد ترقی ہونے لگی باقاعدہ فارسی وعربی کی تدریس ہونے لگی، چونکہ سملک کی مسجد ناکافی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ مدرسہ کیلئے ایک خاص مستقل جگہ حاصل کی جائے، اگر معمولی مکتب کے لئے زمین کی ضرورت ہوتی تو اس کا مل جانا چنداں مشکل نہ تھا، مشکل اس لئے پیش آرہی تھی کہ مولانا کا مطمح نظر ایک دارالعلوم کی بنا تھی اور آپ ایسی جگہ کی تحصیل کے لئے کوشاں تھے جو ایک دارالعلوم کے شایان شان ہو، اس زمانہ میں نوساری (علاقہ بڑودہ) کے نائب صوبہ دار مولانا محمد علی جوہرؒ نے مولانا احمد حسن بھامؒ کے ساتھ ڈابھیل وسملک کے ہر چہار طرف گھوم پھر کر آخر بڑی جدوجہد کے بعد ڈابھیل کی غربی جانب عیدگاہ کے مقابل زمین کا ایک قطعہ خریدا جہاں آج جامعہ قائم ہے، اس قطعۂ مبارک کے متعلق مولانا اسحاق جلیس ندوی صاحبؒ نے اپنے ایک بیان جو احاطۂ جامعہ ہی میں ہوا فرمایا تھا:

''یہی وہ دیار ہے جہاں عصر صحابہؓ اور عصر تابعینؒ میں قافلے آئے تھے ہوسکتا ہے یہاں (مراد جامعہ کی جائے وقوع) انہوں نے پڑاوڈالا ہو اور رات کی تنہائی میں کوئی سجدہ کیا ہو''۔

بعض لوگوں نے جن کی نظر مستقبل پر نہیں تھی اتنی بڑی زمین خریدنے پر مولانا بھامؒ پر نکتہ چینی بھی کی، ان کا خیال تھا کہ ضرورت سے زیادہ زمین کیوں خریدی گئی؟ ان نکتہ چینوں کے جواب

میں مولانا بھامؒ نہایت خندہ پیشانی سے یہی فرماتے رہے کہ............

''ابھی یہ کم ہے اس سے بھی زیادہ زمین کی ضرورت ہوگی''

مولانا کا وہ جواب بعد میں حرف بحرف صادق آیا۔ مفتیٔ اعظم گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ (المتوفیہ ۱۴۱۰ھ) جنہوں نے طویل عمر پائی جس زمانہ میں وہ مولانا بھامؒ سے ناظرہ قرآن پڑھ رہی تھیں عمر کوئی سات آٹھ سال ہوگی کا بیان ہے کہ اس وقت مولانا بھامؒ نے ایک پیشن گوئی فرمائی تھی کہ......

''آپ کی زندگی اگر دراز ہوئی تو دیکھوگی میرے بعد اس مدرسہ میں ولایت (انگلینڈ) اور ناتال (ساؤتھ افریقہ) سے حصول علم کے خاطر طلباء آویں گے''

مولانا بھامؒ کی فراست ایمانی سے نکلے ہوئے یہ جملے بعد کے دور میں ہو بہو صادق آئے کہ دور دراز ممالک سے علمی پیاس کی تشنگی لے کر لوگ جوق در جوق پروانہ وار آئے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق علم ومعرفت کی دولت سے اپنا دامن بھر گئے۔

مولانا بھامؒ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد مولانا احمد بزرگ سملکیؒ (المتوفی ۱۳۷۱ھ تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ ومجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ) مہتمم بنائے گئے انہیں کے دور میں یہ مدرسہ ''تعلیم الدین'' سے ''جامعہ اسلامیہ'' بنا۔

دارالعلوم دیوبند میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کا وفور علم پورے شباب پر تھا کہ دارالعلوم میں ایک شورش برپا ہوئی اور اکابر دارالعلوم میں اختلاف پیدا ہوا۔ ع

چوں گل بسیار شد پیلاں بلغزند

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) نے دارالعلوم دیوبند کے ایک عام اجتماع میں اس اختلاف وخلفشار کے اسباب بیان کرتے ہوئے نہایت فصیح وبلیغ انداز میں فرمایا تھا:

''جس طرح ایک خاص موسم میں سمندر میں جوش وخروش اور ہیجان وتلاطم پیدا ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سمندر کے بخارات بادل کی شکل اختیار کرکے اسی وقت زمین کی شادابی اور سرسبزی کا سبب بنتے

ہیں، جب کہ زمین اپنی خشکی اور تشنگی کے سبب پانی کی سخت محتاج ہوتی ہے، لیکن جب سمندر میں گرمی پیدا ہوکر تموج اور تلاطم پیدا ہوتا ہے تو کچھ جزوی نقصانات بھی ہوجایا کرتے ہیں، جس سے بسا اوقات سمندر میں چلنے والے جہاز تک خطرے میں پڑ جاتے ہیں، مگر جن لوگوں کی نظر حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس نقصان میں بھی کوئی نفع کلی ضرور ہے، گو سمندر کا یہ تلاطم اور جوش کچھ لوگوں کو اضطراب و ہلاکت میں ڈال دینے والا ہوتا ہے، مگر اسی سے مخلوق کیلئے زندگی کا کوئی عظیم الشان فائدہ مشیت الٰہی کے پیش نظر ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح دار العلوم کے علمی سمندر میں بھی ایک طوفان جوش اور تلاطم اٹھا، اور اس کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں، اس تموج و تلاطم سے کچھ نقصانات بھی پہنچے، مگر یہاں سے بخارات کے جو بادل اٹھے وہ ابر رحمت بن کر گجرات کی اس دور افتادہ سرزمین پر جاکر برسے جو علم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے بالکل محروم اور بے بہرہ تھی، علماء دیوبند کے وہاں پہنچ جانے سے ڈابھیل میں جو عظیم الشان مدرسہ عالم وجود میں آیا اس کے علمی فیضان سے آج گجرات کا چپہ چپہ سیراب ہو رہا ہے، اور گجرات کا بدعت کدہ بحمد اللہ آج قرآن و سنت کی روشنی سے منور ہے۔

(تاریخ دار العلوم...... ۱/۲۷۲-۲۷۳)

اختلاف کی وجہ سے ۱۳۴۶ھ میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور دیگر اساتذہ دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے، رفتہ رفتہ اس استعفیٰ کی خبر اقصائے عالم میں پھیل گئی اور یہ خبر اخبارات میں بھی چھپی، دار العلوم دیوبند سے ان حضرات کی علیحدگی کے ساتھ ہی علماء اور اہل مدارس کے وفود حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے، حضرت مولانا احمد بزرگؒ گجرات کا ایک ذی اثر وفد لے کر دیوبند حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور ڈابھیل کی دعوت پیش کی، مولانا محمد بن موسی سملکیؒ (افریقی المتوفی ۱۳۸۲ھ) جو شاہ صاحب کے خصوصی خادم بلکہ فدا کار عاشق تھے، ڈابھیل کے لئے آمادہ کرنے میں بہت کارآمد ثابت ہوئے، چنانچہ ان کے اصرار و خواہش پر ڈابھیل کا قیام منظور فرمالیا، اور ۵/ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ میں اکابر دیوبند کا ڈابھیل میں ورود مسعود ہوا۔

حضرات اکابر کی آمد کے وقت مدرسہ تعلیم الدین میں طلباء کی تعداد ۲۹۳ تھی اور تعلیم مشکوۃ جلالین تک، مشکوۃ جلالین پڑھنے والا صرف ایک طالب علم تھا، حضرات اکابر کے آتے ہی ’’مدرسہ تعلیم الدین‘‘ ترقی کرکے جامعہ بنا، اطراف سے تشنگان علوم آ جمع ہوئے، اس دور افتادہ اور غیر معروف بستی میں یکا یک علوم نبوت کے پروانے ٹوٹ پڑے، پشاور، سندھ، کابل، قندھار، ترکی، برما، ڈھاکہ، بخارا، سمرقند، موریشش، رنگون، ایران، چین، بہار، مدراس، ہزارہ، چاٹگام، کمرلائی، گجرات (پنجاب والا) منگلور، بنگال، یوپی، کاٹھیاواڑ دور دراز ممالک وشہروں سے طلباء جوق در جوق آنے لگے۔ بقول مولانا لطف اللہ پشاوریؒ (جو اس خلفشار کے دور میں دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے) ’’۹۵ فیصد طلباء شاہ صاحبؒ کے وفد کے ساتھ تھے‘‘۔ اس لئے ڈابھیل میں صرف ایک ہی سال میں یعنی ۱۳۴۷ھ کے اوائل میں طلباء کی تعداد ۴۰۰ سے زائد ہوگئی جس میں صرف دورۂ حدیث کے طلباء کی تعداد ۵۹ تھی، اکابر کا وفد آنے کے بعد درس نظامی سے فراغت کا سلسلہ شروع ہوا سب سے پہلی جماعت ۱۳۴۷ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئی۔ ۱۳۴۷ھ سے ۱۴۲۶ھ تک یعنی ۸۰ سال میں فارغین کی کل تعداد ۲۴۴۹ ہے، اب جب کہ جامعہ اپنی عمر کے ایک سو سال (۱۰۰) پورے کر چکا، اس پورے عرصہ میں یہاں سے ایسے ہزاروں اکابر ہدیٰ، علماء ومشائخ، مفکر و مبلغ، قائد و مصنف اور اعاظم رجال پیدا ہوئے جنھوں نے اسلامی تاریخ میں انقلاب آفریں مقام حاصل کیا ہے، ان کے علمی، دینی، تعلیمی، تصنیفی، تبلیغی اور اصلاحی کارنامے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

فضلائے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مختلف النوع کارناموں کو چند محدود اوراق میں سمیٹنا بڑا مشکل ہے۔ اس مشکلی کا اعتراف ’’تاریخ جامعہ ڈابھیل‘‘ کے مرتب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

’’اس تاریخ کو جامعہ کی تاریخ کا حصۂ اول سمجھنا چاہیے ابھی حصۂ دوم باقی ہے جس میں فضلائے جامعہ کی تدریسی، تصنیفی اور دیگر دینی خدمات کا تذکرہ ہونا چاہئے، اگر چہ یہ کام بہت مشکل اور محنت طلب ہے لیکن اگر توفیق ایزدی نے ساتھ دیا اور حالات مساعد رہے تو انشاء اللہ حصۂ دوم بھی

منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا وما ذلك على الله بعزيز'' (تاریخ جامعہ عرض مرتب صفحہ ۱۰)

فضلائے جامعہ کے کارناموں اور دینی وملی خدمات کو اجاگر کرنا اس لئے بھی مشکل ہے کہ ڈابھیل میں بڑی تعداد سرحد، پنجاب، بنگلہ دیش کے طلباء کی تھی، تقسیم ملک کے بعد جو علاقے پاکستان میں آگئے وہاں کے علماء سے ربط تقریباً باقی نہ رہا۔ جب کسی بڑے عالم کا انتقال ہوتا ہے اور ان کی سوانح طبع ہوتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ وہ ڈابھیل کے فاضل تھے۔

جامعہ کے مہتمم صاحب زید مجدہم کو اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرماوے کہ انہوں نے صد سالہ پر فضلائے جامعہ کی خدمات منظر عام پر لانے کی طرف توجہ فرمائی۔

حضرت مولانا محمد سعید بزرگ ؒ (المتوفی ۱۴۱۱ھ) کے دور اہتمام میں ''تاریخ جامعہ'' مرتب ہوئی جو حصۂ اول ہے اور حصۂ دوم فضلائے جامعہ کی خدمات پر مشتمل مولانا احمد بزرگ مدظلہ کے دور اہتمام میں منصۂ شہود پر آرہا ہے۔ ع

پدر نتواند پسر تمام کند

حصۂ دوم کی پہلی قسط میں صد سالہ کی مناسبت سے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی خواہش وحکم کے مطابق سر دست جن مرحومین فضلائے جامعہ کا تذکرہ اور ان کی خدمات راقم الحروف کے علم میں تحریری شکل میں موجود تھیں، انہیں فضلاء کا تعارف اور خدمات کا ''مشتے از خروارے'' کے طور پر ذکر کیا ہے، ورنہ فضلائے جامعہ کی خدمات کا بڑا وسیع باب ہے، صرف کبار فضلاء کے مختصر تعارف کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں چہ جائیکہ ان کی تفصیلی خدمات تحریر کی جائیں۔

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

اگر توفیق ایزدی شامل حال رہی اور حالات مساعد رہے تو انشاء اللہ دیگر فضلائے جامعہ کی خدمات بھی منظر عام پر لانے کی سعی کی جائیگی۔

یہ حصہ صرف ۲۵/ایام میں تیار ہوا ہے، حضرت مہتم صاحب کا حکم نامہ جمادی الثانی کے وسط میں صادر ہوا کہ ''تجھے فضلائے جامعہ کی خدمات ۱۵/رجب تک تیار کرنا ہے'' اس لئے بہت ممکن ہے

اس میں کوئی فروگذاشت ہوئی ہو، مضامین کے مآخذ اور حوالے کتاب میں ذکر کردئے ہیں، فاضلین جامعہ کی خدمات ذکر کرنے میں جہاں تک میری رسائی ہوئی انہیں خدمات کا ذکر کیا ہے، ذکر کردہ شخصیتوں کی کوئی قابل ذکر خدمت درج کرنے سے رہ گئی ہو (اور یقیناً ایسا ہوا ہوگا) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرتب نے اسے نظر انداز کردیا بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ اسے اس کا علم نہیں۔

تشکر وامتنان

کس منہ سے میں اللہ تعالی کا شکر ادا کروں کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناتواں وکمزور بندہ سے ''فضلائے جامعہ'' کی خدمات منصۂ شہود پر لانے کا کام لیا، اس سے پہلے احقر نے ''نقوش بزرگاں'' نامی کتاب مرتب کرکے پیش کی تھی، بحمد اللہ اس کی پذیرائی امید سے کئی گنا زیادہ ہوئی، متعدد اہل علم کی طرف سے مبارکبادی وحوصلہ افزائی پر مشتمل خطوط دستیاب ہوئے، بعض اہل اللہ نے اظہار مسرت فرماتے ہوئے ایسے وقیع وبلند کلمات ارشاد فرمائے کہ اپنی تہی دامنی کی وجہ سے ان کو نقل کرتے شرم محسوس کرتا ہوں۔ بعض اہل دل نے مبارک خواب بھی دیکھے، یہ محض اللہ تعالی کا فضل وکرم ہے، اسی کی کرم فرمائی نے دوبارہ جامعہ ڈابھیل کی خدمت کا موقع فراہم کیا، یہ صرف اور صرف مالک کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اسی کی توفیق سے ہوا ہے، اس سلسلہ میں شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ اپنی کتاب ''کتاب المنن'' میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

لايكمل احد فى مقام الشكر لله تعالى حتى يرى نفسه انه ليس باهل ان تناله رحمة الله عز وجل وانما رحمة الله من باب المنة والفضل (ص/٩٢)

کوئی بندہ مقام شکر میں کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ اپنے بارے میں یقین کے ساتھ نہ سمجھے کہ میں قطعاً اس لائق نہیں ہوں کہ میرے ساتھ رحمت کا معاملہ ہو، میرے پروردگار کا رحمت وعنایت کا جو کچھ معاملہ میرے ساتھ ہے وہ صرف اس کی بخشش اور خالص احسان ہے۔

میرے بزرگوں میں جن بزرگوں نے اس عجالۂ نافعہ کی تیاری میں تعاون فرمایا، حوصلہ افزائی فرمائی ان کا بھی دل کی گہرائی سے شکر گزار ہوں، دار الافتاء کے طلباء بالخصوص مولوی اسماعیل

بموی سلمہ، مولوی عبداللہ مانگرولی سلمہ نے کتاب تیار کرنے میں انتھک محنت کی اگر ان کا تعاون شامل نہ ہوتا تو کتاب اتنی جلد منصۂ شہود پر نہ آتی۔

الغرض کتاب کو منظر عام پر لانے میں جس کسی نے جس نوع کا تعاون کیا اللہ تعالی اسے دونوں جہاں میں اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے اور مزید خدمات علمیہ ودینیہ کے لئے موفق فرمائے۔ آمین

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله واصحابه واتباعه اجمعين

احقر عبدالقیوم غفرلہ الحی القیوم راجکوٹی
معین مفتی دار الافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین
ڈابھیل، سملک۔ ضلع: نوساری گجرات
۱۶/رجب المرجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱/اگست ۲۰۰۵ء

اذكروا محاسن موتاكم و كفوا عن مساويهم
(أبوداود)

اس حدیث شریف میں صرف برائیوں سے پرہیز کرنے کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ساتھ میں یہ بھی فرمایا، کہ اس کی اچھائیاں ذکر کرو۔ اسکی اچھائیاں ذکر کرنے کی ترغیب دی۔ میں نے اپنے بعض بزرگوں سے اسکی حکمت یہ سنی ہے کہ جب کوئی مسلمان مرنے والے کی کوئی اچھائی ذکر کرتا ہے، یا اسکی نیکی کا تذکرہ کرتا ہے تو یہ اس مرنے والے کے حق میں ایک گواہی ہوتی ہے، اور اسی گواہی کی بنیاد پر بعض اوقات اللہ تعالی اس مرنے والے پر فضل فرما دیتے ہیں کہ میرے نیک بندے تمہارے بارے میں اچھائی کی گواہی دے رہے ہیں، چلو ہم تمہیں معاف کرتے ہیں لہذا اچھائی کا ذکر کرنا مرنے والے کے حق میں بھی فائدہ مند ہے اور جب تمہاری گواہی کے نتیجہ میں اس کو فائدہ پہونچ گیا تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالی اس کے نتیجہ میں تمہاری بھی مغفرت فرما دیں اور یہ فرما دیں کہ تم نے میرے ایک بندے کو فائدہ پہونچایا۔ لہذا ہم تمہیں بھی فائدہ پہونچاتے ہیں اور تمہیں بھی بخش دیتے ہیں۔

(از اصلاحی خطبات ص ۱۱۶ ج ۱۰۔ جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ)

۱ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

حضرت بنوریؒ جامعہ اسلامیہ کے اولین فارغین میں اول نمبر تھے، آپ کی شخصیت ایسی دلنواز، ایسی حیات افروز، ایسی باغ وبہار اور ایسی بھاری بھرکم شخصیت تھی کہ اسکی خصوصیات کا چند اوراق میں تو کجا چند جلدوں میں سمانا مشکل ہے، ان کی ذات اپنے شیخ امام العصر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی مجسم یادگار تھی۔ علم حدیث تو خیر ان کا خاص موضوع تھا لیکن اپنے شیخ کی طرح وہ ہر علم وفن میں معلومات کا خزانہ تھے، ان کی قوت حافظہ، ان کی وسعت مطالعہ، ان کا ذوق کتب بینی، انکی عربی تقریر وتحریر، ان کا پاکیزہ شعری مذاق، ان کا تبحر علمی وشان فقاہت، اکابر واسلاف کے تذکروں سے ان کا شغف، علماء دیوبند کے ٹھیٹھ مسلک پر تصلب کے ساتھ ان کی وسعت نظر ورواداری، دین کے لئے ان کا جذبۂ اخلاص، للّٰہیت، حق کے معاملہ میں غیرت، ان میں کونسی ایسی چیز ہے، جس کا ذکر کیا جائے۔

الحاصل ان کی شخصیت اتنی جامع تھی کہ ان کی تنہا ذات میں محدث، فقیہ، مفسر، اصولی، ادیب، متکلم، مصنف، محقق، صوفی، زاہد، متوکل سب کچھ نظر آتا ہے آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک بے نظیر فرزند ہیں۔

ليس بمستنكر على الله ان يجمع العالم في واحد

کے صحیح مصداق تھے۔

حضرت مولانا احمد بزرگؒ (مہتمم سابق جامعہ ڈابھیل) ۱۳۵۶ھ کی روئیداد میں تحریر فرماتے ہیں "وہ مدرسہ بہت خوش نصیب ہے جو اپنی زندگی میں ایک عالم بھی ایسا پیدا کردے جو بفحوائے حدیث نبوی ہزار عابد پر فائق ہو، درحقیقت یہ ایک نہیں بلکہ ہزار نفوس سے زیادہ بیش قیمت ہے، اس ایک عالم کی تلاش میں مدرسہ سعی صرف کرتا ہے اور ایک مدرسہ کی تمام زندگی میں بھی ایک ایسا عالم پیدا ہو جانا اس مدرسہ کے قیام کی قیمت ہے۔"

مولانا بزرگؒ کی فراست ایمانی سے نکلے ہوئے یہ الفاظ مولانا بنوریؒ پر کس قدر صادق آتے ہیں اس کا فیصلہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت بنوریؒ کی خدمات وکارناموں کا احاطہ مجھ ناقص کے بس میں نہیں تاہم ان کے اوراق زندگی کے چند صفحات ذکر کرتا ہوں۔

مالا يدرك كله لا يترك كله

مولانا لطف اللہ پشاوریؒ (حضرت بنوریؒ کے دوست خاص) تحریر فرماتے ہیں:

نسب اور خاندان: آپ کا نسبی تعلق حضرت سید آدم بنوریؒ سے ہے جو امام ربانی، مجدد الف ثانیؒ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے ان کی جائے پیدائش ''بنور'' تھی جو ریاست پٹیالہ میں سرہند کے قریب ایک قصبہ ہے اسی کی نسبت سے آپ کی اولاد ''بنوری'' کہلاتی ہے۔

سلسلہ نسب نویں جد امجد عارف محقق حضرت سید آدم بن اسماعیل الحسینی الغزنوی البنوری المدنیؒ کی وساطت سے حضرت سیدنا حسینؓ سے جاملتا ہے۔

مولانا کے والد ماجد: سید زکریا بادشاہ صاحبِ حال بزرگ تھے ان کی پوری زندگی عجیب وغریب مد وجزر میں گزری ان کی والدہ ماجدہ محمد زئی کابل کے شاہی خاندان سے تھیں نواب تورو محبت خان کی طرف سے رشکئی کے پاس کچھ زمین بطور انعام عطا کردہ تھی سید زکریا نے سلوک وتصوف کی وادی میں قدم رکھا تو ان پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ تمام دنیوی دولت سے دستکش ہو گئے۔ نواب تورو کی زمین انھیں واپس کردی اور سوائے سکونتی مکان کے باقی تمام جائیداد فروخت کرڈالی اور مرشد کی تلاش میں پہلے تو دہلی، اجمیر وغیرہ ہندوستان کی مشہور خانقاہوں میں حاضری دی۔ بالآخر حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر چلہ کشی کے لئے بغداد چلے گئے۔

ولادت اور پرورش: مولانا کے بیان کے مطابق ان کی ولادت ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کو ہوئی اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا مولانا کی ایک پھوپھی صاحبہ نے جن کا نام مریم تھا، آپ کی پرورش کی۔ یہ بی بی بڑی صاحب کرامات ولیہ تھیں حضرت مریم علیہا السلام کی طرح ان کے پاس بے وقت کے میوے آتے تھے۔

حضرت بنوریؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

تعلیم: قرآن کریم اپنے والد ماجد اور ماموں سے پڑھا۔ امیر حبیب اللہ خاں کے دور میں افغانستان کے دارالحکومت ''کابل'' کے ایک مکتب میں صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس دور کے مشہور استاذ شیخ حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری شہیدؒ ۱۳۴۰ھ ہیں۔ فقہ، اصول فقہ، منطق، معانی وغیرہ مختلف فنون کی متوسط کتابیں پشاور اور کابل کے اساتذہ سے پڑھیں، ان میں اکابر حضرت مولانا عبد القدیر افغانی المقانی (جو جلال آباد افغانستان میں محکمہ شرعیہ کے قاضیٔ مرافعہ تھے) اور شیخ محمد صالح قیلفوی افغانی وغیرہ ہیں۔

مولانا لطف اللہ پشاوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند میں: ہم دونوں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے دونوں چھتہ مسجد کے حجرے میں رہتے تھے ہماری عمر تقریباً ایک تھی لیکن مجھے ان کی عفت وپاکبازی، حلم وحیا اور متانت ووقار نے بہت متأثر کیا، مجھے یاد نہیں کہ اس عنفوان شباب میں بھی ان سے کوئی حرکت متانت کے خلاف سرزد ہوئی ہو۔

یہ میرے دورے کا سال تھا اور مولانا بنوری کا مشکوۃ کا۔ چونکہ آپ کا تعلق شاہ صاحبؒ سے ہوگیا تھا اس لئے آپ ان کے پاس بیٹھ کر ان کے مسودات کی تخریج اور ان پر نظر ثانی فرمایا کرتے تھے۔

میں تو امتحان دیکر پشاور آ گیا۔ ادھر دیوبند میں مشہور زمانہ اسٹرائک ہوگئی، جس میں مولانا محمد انور شاہؒ، مولانا شبیر احمدؒ، مولانا بدر عالمؒ، اور مولانا سراج احمدؒ وغیرہ کا مہتمم حضرات سے اختلاف ہوا، اور فیصلہ ہوا کہ یہ حضرات دارالعلوم سے علیحدہ ہوکر کسی اور جگہ تشریف لے جائیں، پچانوے فی صد طلباء بھی ان کے ساتھ تھے، اس لئے ایسی جگہ کی تلاشی ہوئی، جو ان مدرسین کے ساتھ ان سب طلباء کا بوجھ بھی برداشت کرسکے۔ بالآخر ڈابھیل کے سیٹھ گارڈی اور موسی میاں وغیرہ نے مشورہ کرکے ڈابھیل میں آنے کی دعوت دی۔ اور حضرت شاہ صاحب سے رفقاء سمیت تشریف لانے کی درخواست کی، جو طلباء ان کے ساتھ دارالعلوم سے ڈابھیل گئے ان میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی شامل تھے، وہیں آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

پشاور میں قیام: دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آپ واپس اپنے وطن پشاور تشریف لے آئے، اس اثناء میں آپ کے والد ماجد حکومت کابل سے دوبارہ قرضہ کا مطالبہ کرنے کے لئے کابل چلے گئے، کیونکہ کابل میں نادر خاں کی حکومت قائم ہو چکی تھی، جو گزشتہ حکومت کے قرضہ جات ادا کرنے کی قانوناً ذمہ دار تھی۔ آپ کے والد ماجد اپنے قرضہ کے مطالبے کے لئے کئی سال کابل میں ٹھہرے رہے اور مولانا یوسف کو خطوط میں یہی لکھتے رہیں کہ قرضہ ملنے والا ہے اور یہ کہ تمام مشکلات حل ہو جائینگی۔

یہ زمانہ صوبۂ سرحد میں سیاسی کشمکش کا تھا اس وقت کے حالات کے پیش نظر ضروری ہوا کہ صوبۂ سرحد کے اہل علم کو منظّم کیا جائے اور انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے، چنانچہ جمعیت علمائے سرحد کے نام سے ایک جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی، جس کے کرتا دھرتا مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ تھے، نوشہرہ میں علمائے سرحد کا ایک بہت بڑا اجتماع بلایا گیا، جس میں پورے صوبۂ سرحد کے علماء جمع ہوئے، اس اجتماع میں مولانا بنوریؒ نے ایک عربی کا مشہور قصیدہ پڑھا، جو اسی موقع کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس میں علماء کو ترغیب دی گئی کہ جو کچھ قربانی کرو جمعیت علماء کے جھنڈے تلے کرو، منظّم ہو کر فتنوں کا مقابلہ کرو۔ یہ اجتماع بہت کامیاب رہا، مولانا بنوریؒ کے قصیدہ نے علماء میں جذبۂ جہاد کی روح پھونک دی، چنانچہ ایک منظّم جماعت بنائی گئی، جس میں صوبۂ سرحد کے علماء شامل ہوئے۔

مولانا کا قادیانیوں سے ایک معرکہ: جمعیت علمائے سرحد سے تعلق کے زمانہ میں ہمیں محسوس ہوا کہ پشاور میں قادیانی اپنے پاؤں پھیلا رہے ہیں، اور دین سے ناواقف تر طبقہ کو گمراہ کر رہے ہیں، پشاور کا ایک قادیانی مسمی غلام حسین، جو قرآن کریم کی قادیانی تفسیر (یا بلفظ صحیح تحریف) بھی لکھ چکا تھا، وہ پشاور میں صبح کو درس قرآن دیتا تھا، نوجوان وکلاء اور کالجوں کے ناپختہ ذہن طالب علم اس میں شریک ہوا کرتے تھے، پشاور کا مشہور لیڈر، جو بعد میں مسلم لیگ اور پاکستان کا بڑا رہنما بنا (سردار عبدالرب نشتر) وہ بھی اس کے درس میں شریک ہوتا تھا۔ پشاور کے اسلامی کالج کا وائس پرنسپل تیمور مرزا البشیر الدین قادیانی کا رشتہ دار تھا، صاحبزادہ عبدالقیوم بانی اسلامی کالج کا چچازاد بھائی عبد اللطیف قادیانی صوبۂ سرحد کے قادیانی جماعت کا امیر تھا۔ قادیانی سال میں ایک دفعہ ''یوم النبی'' کے نام سے ایک بڑا جلسہ کرتے تھے، اس میں شرکت کے لئے تمام سرکاری افسروں کو دعوت نامے بھیجے جاتے، اس طرح کھلے بندوں قادیانیت کی تبلیغ کے لئے راستہ ہموار کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

جب ہم جمعیت العلماء کے کام میں منہمک تھے، تو میں نے دیکھا کہ ''قصہ خوانی بازار'' میں قادیانیوں کے اس جلسہ کے اشتہارات لگ رہے ہیں۔ جن میں اسلامیہ کلب میں ''یوم النبی'' کا اعلان تھا میں نے مولانا بنوریؒ سے مشورہ کیا کہ قادیانیوں کی اس کھلی جارحیت کا سد باب ہونا چاہئے، میں ان دنوں اسلامیہ اسکول میں عربی کا معلم اور استاذ تھا۔ میں نے اسکول کی نویں اور دسویں جماعت کے طلباء کو قادیانیت کی حقیقت بتائی اور قادیانیوں کے ''یوم النبی'' کے نام پر لوگوں کو بہکانے کی مکاری عیاں کی۔ اور انھیں بھی اس معرکہ میں حصہ لینے کے لئے تیار کیا جس کا نقشہ میں اور مولانا بنوریؒ بنا چکے تھے۔

مقررہ تاریخ پر قادیانیوں نے اسلامیہ کلب میں قالین بچھائے، اسٹیج لگایا اور جلسہ کا انتظام کرنے لگے، ہم دونوں بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور جا کر اعلان کر دیا کہ یہاں اہل اسلام کا جلسہ ہوگا۔ ہماری اور قادیانیوں کی کشمکش ہوئی، جس میں قاضی یوسف نامی قادیانی نے مجھ پر لاٹھی سے حملہ کر دیا، ہمارے رفقاء نے اس کو پکڑ کر نیچے گرا دیا، جو قادیانی کرسیوں پر براجمان تھے، انھیں بھی فرش پر گرا دیا۔ قادیانی ذلت و نامرادی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے، اب اسٹیج پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ مولانا بنوریؒ نے بڑی فصیح و بلیغ اور طویل تقریر فرمائی، مسلمانوں اور قادیانیوں کی کشمکش سن کر پورا شہر امنڈ آیا، اور خوب جلسہ ہوا، قادیانیوں کو ایسی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا کہ جب سے اب تک انھیں پشاور میں ایسا ڈھونگ رچانے کی دوبارہ جرأت نہیں ہوئی۔ (بینات خصوصی اشاعت ص/۲۲۳ تا ۲۳۱ ملخصاً)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور حضرت بنوریؒ کی خدمات: امام العصر حضرت علامہ انور شاہؒ کا انتقال ۱۳۵۲ھ میں ہوا شاہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد جب جامعہ کو لائق استاذ کی ضرورت پڑی تو ارباب جامعہ کی نظر انتخاب مولانا بنوریؒ پر پڑی، مجلس علمی (جسے حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن موسی سملکی (افریقی) نے شاہ صاحبؒ کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے قائم کی تھی) کو علمی

کاموں کے لئے مولانا کی ضرورت تھی کیوں کہ آپ علامہ کشمیریؒ کے علوم کے وارث اوران کے صحیح جانشین بننے والے تھے خود شاہ صاحبؒ نے بھی ''ضرب الخاتم'' کے حوالے ''اسفار اربعہ'' سے نکالنے پر آپ کی تعریف کی تھی جس کی تفصیل تصنیفی خدمات کے ذیل میں آرہی ہے۔

حضرت بنوریؒ کا شوال ۱۳۵۳ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ورود مسعود ہوا جامعہ میں تدریس کے ساتھ ہی مجلس علمی کے رکن رہے ۱۳۶۱ھ تک مسلسل مدرس رہے درمیان میں ۱۳۵۶ھ و ۱۳۵۷ھ میں مجلس علمی کے کام سے حجاز اور مصر کا سفر بھی کیا، نصب الرایہ اور فیض الباری بھی چھپوائیں ان سالوں میں بھی برابر روئداد میں آپ کا نام شائع ہوتا رہا ۱۳۶۱ھ میں آپ مدرس نہیں رہے اور کئی سالوں تک نہیں رہے

پھر ۱۳۶۷ھ میں صدر مدرس بن کر جامعہ تشریف لائے اور دو سال صدر مدرس رہے اس کے بعد ۱۹۵۱ء (۱۳۶۹ھ) میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا بدر عالمؒ کے اصرار سے ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے گئے ۱۳۶۰ھ سے ۱۳۶۷ھ تک آپ کہاں رہے اس کی تحقیق کہیں ملی نہیں غالباً تدریس سے دست بردار ہوکر مجلس علمی کے کام میں مشغول ہوگئے تھے (تاریخ جامعہ ۳۲۵ و ۳۲۶)

جامعہ میں تدریس کے دوران آپ نے کیا پڑھایا تمام کتب کا علم نہیں جن کتب کا علم ہے ان کے اسماء یہ ہیں۔ شرح وقایہ، مختصر المعانی، مقامات حریری، تاریخ الامم الاسلامی، تیسیر المنطق، مرقاۃ، اصلاح تحریر عربی ثالث، بخاری شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف۔

مولانا لطف اللہ پشاوری تحریر فرماتے ہیں ''ڈابھیل میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دونوں بزرگوں کی مسند حدیث کے وارث ہوئے آپ کی (یعنی حضرت بنوری کی) علمی شہرت اس زمانہ میں تمام ہندوستان میں پھیل چکی تھی، آپ نے مدرسہ کے شیخ الحدیث کی مسند کو زینت بخشی اور بخاری، ترمذی، وابوداؤد کا درس آپ کو تفویض کیا گیا آپ اس پر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دونوں استادوں کی جانشینی کا شرف نصیب فرمایا تقسیم ملک تک آپ اسی منصب پر فائز رہے (بینات خصوصی اشاعت ۳۷)''

جامع ترمذی کی تقسیم بذریعۂ ووٹ: حضرت بنوریؒ کی طلباء میں مقبولیت کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ جامعہ میں جامع ترمذی کے بارے میں مسئلہ کھڑا ہوا کہ کس کے پاس رکھی جائے، تین حضرات میں سے کسی ایک کو دینا تھی تینوں پائے کے عالم اور چوٹی کے مدرس تھے حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ (تلمیذ حضرت نانوتویؒ) حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ اور حضرت بنوریؒ، طے یہ پایا کہ طلباء سے رائے لی جائے، ووٹ ڈالے گئے تو مولانا امروہیؒ کے حق میں سات، مولانا میرٹھیؒ کے حق میں تین اور حضرت بنوریؒ کے حق میں ستائیس ووٹ آئے (ایضاً ۴۷)

زمانۂ قیام جامعہ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے طبقہ علیا کی مدرسی کی بار بار پیشکش کی گئی لیکن معذرت کردی، دارالعلوم کے منصب افتاء کے لئے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور قاری محمد طیب صاحبؒ تینوں حضرات نے اصرار فرمایا لیکن انکار کردیا، جامعہ احمدیہ بھوپال کے شیخ الحدیث کے عہدہ کے لئے سید سلیمان ندویؒ نے دعوت دی لیکن قبول نہ فرمائی اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ آپ ڈابھیل کے مدرسہ کو اپنے شیخ علامہ کشمیریؒ کی امانت سمجھتے تھے اور اس سے مفارقت آپ کو گوارا نہ تھی (ایضاً ۵۵)

حضرت بنوریؒ کے بارے میں یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ اپنے دور کے ایک بلند پایہ محدث تھے مگر یہ کم لوگ جانتے ہیں کہ آپ ایک فقیہ المثال فقیہ تھے دراصل آپ کی شان محدثیت دیگر کمالات پر کچھ ایسی غالب آئی کہ آپ کی فقہی بصیرت ومہارت پس منظر میں اوجھل ہوگئی ورنہ آپ فقاہت میں بھی اپنی مثال آپ تھے یہی توجہ تھی از ہر الہند دارالعلوم دیوبند کے منصب افتاء کے لئے پیش کش کی گئی، قیام ڈابھیل میں آپ نے فتاوی بھی تحریر فرمائے ہیں خود حضرت بنوریؒ اس دور کی فتاوی نویسی کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ''میں نے بھی فتوے لکھے ہیں اور بڑی تحقیق سے ایک فتوی کے لئے کتب فتاوی کے مظان کی مراجعت کرتا تھا۔ بس ایک مرتبہ الحمد للہ'' (بینات ۱۸۳)

قیام ڈابھیل میں فجر کی نماز حضرت بنوریؒ پڑھایا کرتے تھے، شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ جیسے اجل علماء حضرت بنوریؒ کے مقتدی ہوا کرتے تھے، آپ بڑی خوش الحانی سے بغیر تکلف کے تلاوت

فرماتے۔ (ایضاً۷۰۷)

مولانا لطف اللہ پشاوری تحریر فرماتے ہیں:

مولانا کا مصر کا سفر: ۱۳۵۶ھ میں مجلس علمی نے آپ کو ''فیض الباری'' اور ''نصب الرایہ زیلعی'' کی طباعت کے لئے مصر بھیجا، آپ کے ساتھ دوسرے رفیق کار مولوی احمد رضا بجنوری تھے، یہ مولانا مرحوم کا پہلا غیر ملکی سفر تھا۔ اس زمانہ میں مصر (اپنے خاص تجدد پسندانہ ذہن اور اخلاقی گراوٹوں کے باوجود) عالم اسلامی کا علمی مرکز تھا، اور جامعہ ازہر کی وجہ سے علوم وفنون میں عالم اسلام کا قلب شمار ہوتا تھا وہاں پہنچ کر آپ نے مصر کے علماء سے برصغیر ہند کے علماء کا تعارف کرایا۔

مولانا کی پاکستان میں تشریف آوری: مولانا ڈابھیل میں شیخ الحدیث تھے کہ ملک تقسیم ہوگیا۔ تقسیم کے بعد مشکل یہ پیش آئی کہ جس خطہ میں پاکستان بنا، وہاں مدرسے نہ تھے اور جہاں دینی درسگاہیں تھیں وہاں سے مسلمانوں کی اکثریت نے ہجرت کر لی تھی، تقسیم سے پہلے یوپی کے بیشتر مدارس کی رونق، سرحد، پنجاب اور بنگال کے طلباء سے تھی۔ یہی حالت ڈابھیل کی بھی تھی۔ چونکہ یہ علاقے پاکستان میں آگئے تھے اور پاکستان کے طلباء کے لئے ہندوستان جانے کی صورتیں ختم ہوچکی تھیں، اس لئے ڈابھیل میں مولانا کے شایان شان حلقۂ درس نہیں رہا تھا، بہت تھوڑے لوگ وہاں جاتے تھے، چنانچہ پہلے تو مولانا بنوریؒ کو دارالعلوم دیوبند آنے کی دعوت دی گئی، مگر چونکہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا بنوریؒ کے مداح اور ان کے کمالات کے قدر شناس تھے، اس لئے مولانا کو پاکستان منتقل کرانے کے مشورے شروع ہوئے، اس وقت پاکستان میں خواجہ ناظم الدین اور شہاب الدین کا دور دورہ تھا، مولانا احتشام الحق کے ان سے گہرے روابط تھے اور ٹنڈو اللہ یار میں ان کا مدرسہ تھا، جسے پاکستان میں ''دوسرا دارالعلوم دیوبند'' بنانے کے منصوبے تھے اور اس مقصد کے لئے چوٹی کے علماء کو جمع کیا جا رہا تھا۔ اسی سلسلہ میں مولانا بنوریؒ کو بھی پاکستان آنے کی دعوت دی گئی اور جب مولانا تشریف لائے تو مولانا احتشام الحق نے کراچی میں موٹروں کے ایک بڑے جلوس کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے مولانا کا استقبال کیا اور مدرسہ ٹنڈو اللہ یار میں ''شیخ التفسیر'' کے منصب پر ان کا تقرر ہوا۔

مولانا بنوریؒ کے ساتھ مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ (سابق مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور و مدرسہ خیر المدارس ملتان) کو بھی بحیثیت شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے ٹنڈو اللہ یار کے مدرسہ میں لایا گیا۔

اس طرح ٹنڈو اللہ یار میں درس حدیث شروع ہوا، لیکن تھوڑے عرصہ میں معلوم ہوا کہ مولانا بنوری کا نباہ مولانا احتشام الحق کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ مدرسہ کی مجلس شوری میں سیٹھ یوسف صاحب، حاجی سورمار صاحب اور حاجی عمر دراز وغیرہ تھے۔ یہ سب لوگ مولانا بنوریؒ کے ساتھ تھے، اور ان کے موقف کو صحیح سمجھتے تھے، طلباء و مدرسین کو مدرسہ کی انتظامیہ سے (یا زیادہ صحیح الفاظ میں مولانا احتشام الحق سے) شکایات پیدا ہوئیں، حضرت مولانا عبدالرحمٰن مرحوم نے بھی مولانا بنوریؒ کی حمایت کی، بالآخر نزاع نے سنگین صورت اختیار کر لی اور نوبت یہاں تک آپہنچی کہ مولانا احتشام الحق کی کھلم کھلا مولانا بنوریؒ سے ٹکر ہوگئی، اور مولانا بنوریؒ نے دھمکی کے جواب میں کہہ دیا: فاقض ما انت قاض انما تقضی هذه الحيوة الدنيا

کراچی میں قیام اور حضرت بنوریؒ کا صبر واستقامت: بالآخر مولانا نے ٹنڈو اللہ یار سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور اپنا الگ مدرسہ جاری کرنے کا ارادہ فرمایا، اس موقع پر سیٹھ یوسف نے پچاس ہزار روپے کی پیش کش کی، مگر مولانا نے اسے نامنظور کیا۔ ایک پیر صاحب جن کا اسم گرامی مولانا طفیل یا ماسٹر طفیل تھا۔ اور جن کا کراچی میں پیری مریدی کا سلسلہ تھا۔ انہوں نے اس وقت بھی کراچی میں ایک دار التصنیف قائم کر رکھا تھا، موصوف نے مولانا کو ترغیب دی کہ آپ جس طرح چاہیں مدرسہ بنائیں، مالی ضروریات کی کفالت میں کروں گا۔ مولانا نے ان کی رفاقت میں مدرسہ جاری کرنیکا فیصلہ کرلیا ''ہب ندی'' کے قریب ایک متروکہ ہندو دھرم سالہ مولانا طفیل صاحب کے زیر قبضہ تھا۔ وہاں پر مولانا بنوری نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا، اس وقت صرف دو جماعتیں تھیں، ایک دورۂ حدیث کی اور ایک درجۂ تکمیل کی۔ مدرسہ میں ابتداءً کچھ نہیں تھا، اس لئے مولانا نے تعلیمی وتدریسی رفاقت کے لئے اپنے پرانے دوستوں کو دعوت دی اور لکھا کہ فی الحال مدرسہ میں تنخواہ کی گنجائش نہیں ہے تو کلاً علی اللہ کام کرنا ہوگا، چنانچہ مولانا کی دعوت پر تین اشخاص نے

لبیک کہی۔ ایک تو مردان کے مولانا محمد یوسف تھے جو بنارس میں حدیث پڑھا چکے تھے، دوسرا راقم الحروف تھا، اور تیسرے مولانا نافع گل صاحب تھے۔ مولانا یوسف مردانی تو مدرسہ شروع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد تشریف لے گئے ۔ یہاں بے سروسامانی کا عالم تھا اور کچھ عرصہ کے بعد مولانا نافع گل بھی واپس تشریف لے گئے اور ''ہب ندی'' کے کنارے ایک ویرانے میں جسے ''لال جیوا'' کہتے تھے، ہم رہ گئے، یہاں ایک عمارت تھی (جس میں آج کل مولانا طفیل صاحب نے کوئی بڑی درسگاہ بنائی ہے) ہماری رہائش تھی تنخواہ کی تو خیر ہم کو ابتداء سے توقع نہ تھی لیکن سب سے بڑی مشکل طلبہ کے خورد ونوش اور ضروریات زندگی کا سامان مہیا کرنا تھا۔ یہ ویرانہ کراچی سے خاصہ دور تھا۔ وہاں کا پانی بڑا کڑوا تھا، پینے کا پانی بھی کراچی سے لانا پڑتا تھا، اس عمارت کے گردوپیش غلاظت کے ڈھیر تھے، جہاں مکھیوں کا ہجوم رہتا تھا، ہم لوگ درخت کے نیچے درس دیتے تھے، اور اس درخت پر سے ایک قسم کے کیڑے گرتے رہتے تھے، مجھے یاد ہے کہ مولانا مرحوم ایک ہاتھ سے ان کیڑوں کو کتاب بخاری شریف سے ہٹاتے رہتے اور دوسرے ہاتھ سے بخاری شریف کے ورق الٹتے تھے، وہ واقعہ مجھے کبھی نہیں بھولتا کہ مولانا مرحوم کراچی جاکر طلبہ کے لئے کچھ خوراک کا سامان لائے، مگر وہ بے چارے طلبہ کے بجائے مولانا طفیل صاحب کے نیازمندوں کے کام آیا۔ الغرض یہاں کا قیام ایسا تکلیف دہ تھا کہ اس کی تصویر کھینچنا ممکن نہیں۔ یہ زمانہ مولانا کے صبر واستقامت کے امتحان کا تھا۔ ان دنوں مولانا مرحوم سراپا بے کسی وبے چارگی کا مجسمہ تھے۔ انہوں نے ان حالات کا بڑی جانکاہی اور پامردی سے مقابلہ کیا۔

طلبہ کی دعا کی قبولیت اور نیوٹاؤن میں قیام: مولانا مرحوم عید پر ٹنڈو اللہ یار اپنے اہل وعیال کے پاس چلے گئے آپ کے بال بچے وہاں پر تھے، کراچی میں مکان نہیں ملتا تھا، میں عیدالاضحیٰ کے دن طلبہ کے ساتھ کراچی آیا اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھی، واپسی پر ہم لوگ جمشید روڈ کی اس جامع مسجد میں ٹھہرے۔ جہاں آج کل شاندار مدرسہ ہے۔ طلبہ نے عید کے دن نوافل ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی کہ ''اے اللہ! ہم بڑے تکلیف دہ مقام میں ہیں۔ ہم کو اس مسجد میں ٹھکانہ

دے دے''، بعض وقت استجابت (قبولیت دعا کا) ہوتا ہے۔ دو چار دن بعد جب مولانا گھر سے واپس آئے، تو فیصلہ ہوا کہ یہاں کے بجائے مدرسہ کے لئے کوئی اور جگہ ڈھونڈی جائے، چنانچہ مدرسہ کا سامان جواب تک خریدا جاچکا تھا، وہ مولوی طفیل صاحب کے حوالہ کردیا، صرف چند کتابیں مدرسہ کو دی گئیں اور جامع مسجد نیوٹاؤن کی انتظامیہ سے مشورہ کر کے مدرسہ اس مسجد کے احاطہ میں منتقل کردیا گیا۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس اور مولانا کے صبر واستقامت کا امتحان: اس وقت مدرسہ کے نام کی کوئی عمارت نہیں تھی۔ مسجد ہی ہماری درسگاہ تھی، اور وہی طلبہ کی خوابگاہ بھی، البتہ مسجد کی شمالی جانب ایک حجرہ تھا، جس پر ٹین کی چھت تھی، اس میں میں نے اور مولانا یوسف نے مختصر سا سامان رکھ دیا، ہم دونوں رات کو سونے کے لئے ایک دوست حاجی یعقوب صاحب دہلی والے کی کوٹھی پر چلے جاتے، صبح چائے بھی ان کے ہاں ہوتی اور دوپہر کا کھانا کسی ہوٹل میں کھاتے۔ یہاں پیشاب اور قضائے حاجت کی بھی کوئی جگہ نہ تھی۔ اس طرح ہوٹل کے کھانے اور انسانی ضروریات کے فقدان کی وجہ سے میں سخت بیمار پڑ گیا، میں نے مولانا بنوریؒ سے کہا کہ مجھے خراب غذا کی وجہ سے اسہال کی تکلیف ہوگئی ہے، مجھے واپس گھر جانے کی اجازت دے دیں۔ مولانا نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ اس طرح میں بالکل تنہا رہ جاؤنگا۔ مجھ کو دو دن کی مہلت دو میں تمہارا علاج کراتا ہوں، خدانخواستہ تم دو دن میں اچھے نہ ہوئے تو میں ہوائی جہاز سے تمہیں گھر پہنچانے کا انتظام کرونگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں دو دن میں اچھا ہوگیا اور گھر آنے کا ارادہ ترک کردیا، حسب سابق کام شروع کردیا۔

مدرسہ کے لئے ابتداء میں جو انتظامیہ بنائی گئی، اس میں حاجی خلیل صاحب کو مہتمم بنایا گیا (جو سید جمیل صاحب کے والد ماجد تھے، بڑے مخلص اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ تھے) حاجی یعقوب مرحوم کو خزانچی بنایا گیا، مگر خزانے میں کچھ نہیں تھا۔ صرف طلبہ کے لئے خورد ونوش کے لئے کچھ رقم آجاتی تھی۔

خواب یوسف شرمندۂ تعبیر ہوا: یہاں درس کو جاری ہوئے جب چار مہینے گزر گئے، تو میں نے مولانا سے کہا کہ میری گزر بسر کھیتی باڑی پر ہے (مدرسہ میں تنخواہ کے لئے رقم نہ آئی نہ تنخواہ ملی، بس فی

سبیل اللہ کام چل رہا تھا۔ اور مولانا مرحوم کہیں سے قرض لے لوا کر اپنا اور اہل وعیال کا گزارہ چلاتے تھے) میری فصل کی کٹائی کے دن ہے، آپ مجھے ایک ماہ کے لئے گھر جانے کی اجازت دیں تا کہ فصل سمیٹنے کا کچھ بندوبست کر آؤں۔ مولانا مرحوم نے ہنس کر فرمایا کہ ''میں نے خواب دیکھا ہے کہ مدرسین کے لئے میرے پاس کچھ رقم آئی ہے، ذرا انتظار کرو، تا کہ تمہارے کرایہ وغیرہ کا تو بندوبست ہو جائے''۔ میں نے ہنس کر کہا کہ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب آیا کرتے ہیں۔ ایک گھنٹہ بعد مولانا مسکراتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''لو مولوی صاحب! چھیچھڑے آگئے ہیں''۔ کسی صاحب نے (غالباً حاجی وجیہ الدین مرحوم نے) مدرسہ کو چھ سو روپے چندہ بھیج دیا تھا۔ یہ مدرسین کے فنڈ میں مدرسہ کا پہلا چندہ تھا۔ اس میں سے مجھ کو بھی دو سو روپے دے دیا۔ میں چھٹی پر گھر چلا آیا اور چھٹی گزار کر واپس چلا گیا۔ نیوٹاؤن کے قیام کے زمانہ میں ایک سال بڑی تنگی اور عسرت کا گزارا، تاہم سال کے آخر تک مدرسے کی حالت (مالی طور پر) قدرے اچھی ہوگئی۔ (بینات خصوصی اشاعت ص ۳۲/ تا ص ۴۲/ ملخصاً)

حضرت بنوریؒ کے قائم کردہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی بڑی خدمات ہیں، یہاں صرف مدرسہ کے شعبہ جات اجمالاً ذکر کئے جاتے ہیں، اسی سے حضرت بنوریؒ کے بلند عزائم اور خدمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ تحریر فرماتے ہیں:

مدرسہ اوراس کے شعبہ جات: الحمد للہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ اپنے عہد طفولیت اور ابتدائی ایام ہی میں اپنی تعلیم، تربیت، بہترین نظم ونسق کی وجہ سے دوسرے مدارس سے ممتاز ہوگیا اور شائقین علوم نبوت کی توجہ کا مرکز اور مرجع بن گیا اور اسوقت اس کے کتب خانہ میں مختلف علوم وفنون کی درسی وغیر درسی، نایاب وقیمتی کتابوں کا لاکھوں روپیہ کا ذخیرہ موجود ہے جس میں روزانہ بتدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

مدرسہ میں اس وقت درج ذیل شعبہ جات قائم ہیں:

(۱) درجہ حفظ وتجوید

(۲) مکتب برائے تعلیم قرآن کریم ناظرہ وقاعدہ

(۳) **درجہ اعدادیہ:** جسمیں تقریباً پچاس بچے ابتدائی عربی، فارسی پڑھ رہے ہیں اور تحریر وانشاء کی مشق میں مشغول ہیں۔

(۴) **درجہ ثانویہ:** جس میں درس نظامی کی ابتداء یعنی میزان ومنشعب، قدوری سے ہدایہ، شرح جامی، متنبّی، ترجمہ قرآن مکمل، قطبی تک کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

(۵) **قسم عالی:** جس میں درس نظامی کی ہدایہ اولین، شرح جامی، متنبّی، سلم سے لیکر صحاح ستہ وغیرہ تک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور امتحانات پاس کر کے فارغ ہونے پر شہادت حاصل کرتے ہیں۔

(۶) درجہ تخصص فی علوم الحدیث

(۷) درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی

(۸) درجہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد

ان تخصصات کے علاوہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ذہن میں درج ذیل تخصصات کا اصرار بھی تھا۔

(الف) درجہ تخصص فی علوم القرآن ومشکلاتہ

(ب) درجہ تخصص فی الکلام والتوحید والفلسفہ

(ج) درجہ تخصص فی الادب واللغۃ

(د) درجہ تخصص فی التاریخ الاسلامی

(ہ) درجہ تخصص فی العلوم العصریۃ من الاقتصاد والمعیشۃ والسیاسۃ والاجتماع وعلوم الطبیعۃ الحدثیۃ

لیکن: وكم حسرات في بطون المقابر

ما كل مايتمنى المرأ يدركه ::: تجرى الرياح بمالاتشتهى السفن

تخصص کے تین درجات کا اجراء کر کے ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ فرحمه الله رحمة واسعة ونورقبره وبرد مضجعه

(۹) دار التصنیف

(۱۰) دارالافتاء

(۱۱) ماہنامہ بینات

(بینات ۵۹ تا ۶۲ ملخصاً)

حضرت بنوریؒ کی تصنیفی خدمات

(۱) نفحة العنبر من هدى الشيخ الانور: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی نے مولانا (بنوریؒ) کو عربی تقریر وتحریر کا جوملکہ عطا فرمایا تھا وہ اہل عجم میں شاذ ونادر ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے، خاص طور سے ان کی عربی تحریریں اتنی بے ساختہ، سلیس، رواں اور شگفتہ ہیں کہ ان کے فقرے فقرے پر ذوق سلیم کو حظ ملتا ہے، اور ان میں قدیم وجدید اسالیب اس طرح جمع ہوکر یک جان ہوگئے ہیں کہ پڑھنے والا جزالت اور سلالت دونوں کا لطف ساتھ ساتھ محسوس کرتا ہے، مولانا کی تحریروں میں اہل زبان کے محاورات، ضرب الامثال اور استعارے ایسی بے تکلفی کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ بہت سے عربوں کی تحریروں میں بھی یہ بات نہیں ملتی، ''نفحۃ العنبر'' تو ایک طرح سے خالص ادبی تصنیف ہے'' (نقوش رفتگاں ص/۸۷) حضرت بنوری نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے قیام کے دور میں ۱۳۵۴ھ میں چند ماہ میں "نفحة العنبر من هدى الشيخ الانور" تحریر فرمائی ہیں (تاریخ جامعہ ص/۳۲۶)

یہ کتاب حضرت بنوریؒ کی سب سے پہلی عربی تصنیف ہے، تذکرہ اپنے محبوب شیخ انور کا ہو اور قلم ان کے جانشین بنوریؒ کا ''ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا''

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ رقم طراز ہیں ''حضرت کو اپنے شیخ امام العصر سے صرف عقیدت نہیں تھی بلکہ عشق تھا اور ایسا عشق جس کا جوش پیرانہ سالی میں جوان رہا بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا۔ اسی عشق نے ان کے قلم زیب رقم سے ''نفحۃ العنبر'' ایسی علمی وادبی کتاب لکھوائی جسے نہ صرف علمائے دیوبند (حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ایسے اکابر) نے خراج تحسین پیش کیا بلکہ علمائے عرب نے بھی اس کی ادبیت اور فصاحت وبلاغت کے سامنے سرِ نیاز خم کردیا اور اس کی عربیت کو حافظ کی زبان کے ہم رنگ قرار دیا ہے، ایک چوٹی کے عالم نے آپ کو لکھا تھا ''يا شيخ قرأت كتابك فسجدت لبيانك''

عجیب لطیفہ: حضرت قدس سرہ اس سلسلہ میں ایک عجیب لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ مصر کے ایک بہت بڑے عالم نے (جو اس وقت تک حضرتؒ سے بالمشافہ متعارف نہیں تھے) خود آپ کے سامنے اس رائے کا اظہار کیا کہ ان کے خیال میں سرزمین ہند میں انور شاہؒ سے بڑا عالم پیدا نہیں ہوا اور یہ کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ حضرت نے ان کے اس فیصلہ کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ انور شاہؒ کی سوانح ''نفحۃ العنبر'' کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ''یہ تو آپ کا یک طرفہ فیصلہ ہوا جس قلم نے شیخ انور شاہ کی سوانح لکھی ہے اگر اسی نے شاہ عبدالعزیزؒ کی سوانح بھی لکھی ہوتی اور آپ نے دونوں کے مطالعہ کے بعد ان دونوں شخصیتوں کا موازنہ کرکے یہ فیصلہ کیا ہوتا تو آپ کا فیصلہ محققانہ کہلاتا، مگر افسوس ہے کہ جس قلم نے انور شاہؒ کی سوانح لکھی اس نے شاہ عبدالعزیزؒ کی سوانح نہیں لکھی'' اس کے بعد فرمایا: يــا شيخ اتـدرى مـن تفاوض ؟انت تفاوض صاحب النفحة جناب کو معلوم ہے کہ آپ کس سے گفتگو کررہے ہیں؟ آپ کا مخاطب خود ''نفحۃ العنبر'' کا مصنف ہے۔

یہ سننا تھا کہ وہ آپ سے لپٹ گئے اور آپ کے سحر آفرین قلم سے بڑھ کر آپ کی نکتہ رسی، مرتبہ شناسی اور حاضر جوابی کی داد دینے لگے۔''

(۲) بغية الأريب في مسائل القبلة و المحاريب: عنایت اللہ خان مشرقی نے ایک فتنہ (جو شاید اپنی نوعیت کا سب سے سنگین فتنہ تھا) یہ اٹھایا کہ ہندوستان کے مساجد قبلہ رخ نہیں ہے اس لئے کسی کی نماز صحیح نہیں ہوتی مشرقی صاحب کا یہ فتوی اگرچہ قواعد شرعیہ سے جہل وناواقفی اور کبر واعجاب کا نتیجہ تھا، مگر اس سے ہندوستان بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور علمائے امت کے پاس بکثرت سوال آنے لگے، چنانچہ ایک سوال حضرتؒ کے پاس بھی آیا اور آپ نے اس کے جواب میں

''بغیة الأریب فی مسائل القبلة والمحاریب '' کے نام سے ایک ایسا رسالہ لکھا جسے اپنے موضوع پرحرف آخر کہنا چاہئے، حضرتؒ بار بار از راہ تشکر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حکیم الامت نے ''بیان القرآن'' میں میری اس کتاب کا حوالہ دیا ہے (ایضاً ص ٦٠)

حضرت بنوریؒ نے مذکورہ کتاب کا نام ''قبلة المجلی فی قبلة المصلی '' رکھا تھا، حضرت تھانویؒ نے اس کا نام تبدیل کر کے ''بغیة الأریب فی مسائل القبلة و المحاریب '' رکھا (بینات ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ)

یہ کتاب بھی قیام ڈابھیل کی تصنیف ہے، اس کی تصنیف سے جمادی الاولی ۱۳۵۳ھ میں فارغ ہوئے اور ۱۳۵۷ھ میں قاہرہ مصر سے طبع ہوئی۔

(۳) العرف الشذی : مجلس علمی سملک نے جو کام حضرت بنوریؒ کو سپرد کئے تھے ان میں ''العرف الشذی'' کی تصحیح وتخریج ہے، ''العرف الشذی بشرح جامع الترمذی'' یہ حضرت علامہ کشمیریؒ کی درس ترمذی کی املائی شرح ہے جسکو مولانا محمد چراغ صاحب ساکن ضلع گجرات پنجاب نے بوقت درس قلم بند کیا ہے اور زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

حضرت بنوریؒ نے سب سے پہلے ''العرف الشذی'' کی تصحیح کی، غلطیاں درست کیں، تعبیرات تبدیل کیں، یہ نسخہ حضرت بنوری کے ذاتی کتب خانہ (پاکستان) میں موجود ہے ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔ یہ خود مستقل ایک کام ہے۔

مولانا لطف اللہ پشاوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

عرف الشذی کے حوالوں کی تخریج کا کام بہت ہی کٹھن تھا خود حضرت بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک حوالے کے لئے بسا اوقات مجھے سینکڑوں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا اور اس کی دو مثالیں پیش فرماتے تھے۔

(۱) حضرت شاہؒ نے کسی موقع پر متعارض روایات کی تطبیق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس قبیل سے ہے کہ ''ہر راوی نے وہ بات ذکر کر دی، جو دوسرے نے ذکر نہیں کی''۔ اس کے بعد فرمایا کہ ''یہ بڑا اہم

قاعدہ ہے، مگر افسوس کہ مصطلح الحدیث کے مدونین نے اسکو ذکر نہیں کیا، البتہ حافظؒ نے فتح الباری میں کئی جگہ اس قاعدہ سے تعرض کیا ہے''۔

مولانا فرماتے تھے کہ میں نے ان مقامات کو تلاش کرنے کے لئے پوری ''فتح الباری'' کا مطالعہ کیا، تب معلوم ہوا کہ حافظ نے پوری کتاب میں دس سے زیادہ جگہوں پر اس قاعدہ سے تعرض کیا ہے۔

(۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے اختلاف صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ابوزید دبوسیؒ نے بالکل صحیح فرمایا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابۂ کرام کا اختلاف ہو تو وہاں منشا اختلاف کا معلوم کرنا اور اس نزاع کا فیصلہ چکانا بڑا دشوار ہے''۔

مولانا فرماتے تھے کہ اس حوالہ کی تلاش کیلئے میں نے دبوسیؒ کی کتاب ''تاسیس النظر'' پوری پڑھی، مگر یہ حوالہ وہاں نہیں ملا، خیال آیا کہ یہ حوالہ دبوسی کی دو کتابوں ''اسرار الخلاف'' یا ''تقویم الادلة'' میں ہوگا۔ مگر وہ دونوں غیر مطبوعہ تھیں اور میرے پاس موجود نہیں تھیں، پھر خیال آیا کہ یہ حوالہ بالواسطہ ہوگا۔ یا تو شیخ عبدالعزیز بخاری کی کتاب ''کشف الاسرار'' کے حوالہ سے ہوگا، یا ابن امیر حاج کی ''شرح التحریر'' کے واسطے سے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں کا بہت سا حصہ مطالعہ کرنے کے بعد دونوں میں یہ حوالہ مل گیا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا کو اس تخریج میں کتابوں کی کس قدر ورق گردانی کرنا پڑی اور اس کے لئے اپنی کتنی صلاحیتیں وقف کرنا پڑیں، اس طرح ''عرف الشذی'' کی تخریج وتحقیق میں ''معارف السنن'' کا مصالحہ تیار ہو گیا۔

(۴) معارف السنن : ''معارف السنن'' ترمذی شریف کی تقریباً تین ہزار صفحات پر چھ جلدوں میں کتاب المناسک تک یہ نامکمل شرح ہے۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

''پچھلے سات سال سے دار العلوم کراچی میں ''جامع ترمذی'' کا درس احقر کے سپرد ہے اس لئے بفضلہ تعالی مولانا (بنوری) کی اس کتاب کے مطالعے کا ایک ایک صفحہ پڑھنے کا شرف حاصل

ہے لہذا میں بلاخوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے محدثانہ مذاق کی جھلک کسی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے تو وہ معارف السنن ہے''۔ (نقوش رفتگاں ص/۸۷)

معارف السنن کا اصل کام قیام ڈابھیل کے زمانہ میں کیا ہے۔ معارف السنن کی جلد ششم کے اخیر میں حضرت بنوریؒ نے خود ''ادوار تالیف معارف السنن'' کے عنوان سے اس کی تالیف کی تفصیل تحریر فرمائی ہے، ایک واقعہ نقل کرتا ہوں جس سے امر بالا کی تائید ہوتی ہے۔ (بینات ص/۳۱-۳۲)

ڈاکٹر خالد محمود (مقیم انگلینڈ، خوشہ چیں جامعہ ڈابھیل علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے شاگرد) تحریر فرماتے ہیں:

شاگرد اساتذہ کی تعریف کریں تو بسا اوقات حقیقت کے بجائے عقیدت بولتی ہے لیکن جوہر جب چلا جاتا ہے تو ہر آنکھ اس کے سامنے جھک جاتی ہے، مولانا بنوریؒ ان عظیم شخصیتوں میں سے تھے جن کے علم کی تلامذہ نہیں اساتذہ شہادت دیتے تھے۔ مولانا بنوری نے قیام ڈابھیل کے دوران فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ایک مفصل بحث تحریر کی ان مباحث میں فصاعداً کی بحث اہل علم میں معروف ہے، حضرت امام بخاریؒ اور امام طحاویؒ نے بھی اس موضوع پر کلام کیا ہے، مولانا بنوریؒ جب یہ تحریر مکمل کر چکے تو آپ نے اپنے استاذ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی اپنے مکان پر دعوت کی کھانے کے بعد آپ نے وہ تحریر حضرت مولانا کو دکھائی اور پڑھ کر سنائی، مولانا عثمانیؒ اس تحریر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بلاتامل فرمایا ''اس بحث کا اس سے زیادہ افصاح ذوق بشر سے خارج ہے''۔

(۵) یتیمۃ البیان فی علوم القرآن: ''یتیمۃ البیان فی علوم القرآن'' علامہ کشمیریؒ کی تصنیف ''مشکلات القرآن'' پر مقدمہ ہے، حضرت بنوریؒ ''مشکلات القرآن'' کا تعارف تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کی جن آیات کریمہ کو مشکل خیال فرمایا تھا خواہ وہ اشکال تاریخی اعتبار سے ہو یا کلامی حیثیت سے، سائنس کی رو سے ہو یا کسی عقلی پہلو سے یا علوم عربیت و بلاغت کی جہت سے ہو، ان پر یادداشت مرتب فرمائی تھی، اگر کہیں اس پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔ اسکو نقل فرمایا یا حوالہ دیا، اور نہیں تو خود غور و فکر کے بعد جو حل سانح ہوا تحریر میں لایا گیا۔ یہ یادداشت بشکل مسودات مختلف اوراق میں موجود تھی مجلس علمی ڈابھیل نے مرتب کر کے اسے شائع کیا اور راقم الحروف نے مجلس علمی کی خواہش پر ''یتیمۃ البیان'' کے نام سے ۸۴/صفحہ کا اسکا مبسوط مقدمہ لکھا ہے اصل کتاب ۲۸۷/صفحات پر ختم ہوئی۔ قرآنی علوم اور قرآنی معارف کا نہایت بیش قیمت گنجینہ ہے۔ اگر جدید اسلوب سے اسکو پھیلایا گیا تو ایک ہزار صفحات میں کہیں جا کر کتاب ختم ہوگی''۔ (حیات انور ۱/۲۲۲/۲۲۳)

حضرت بنوریؒ کا یہ جاندار و شاندار مقدمہ علوم قرآن پر ایک بے نظیر شاہکار ہے اس میں مبادی تفسیر، احوال مفسرین اور کتب تفسیر کا قیمتی تعارف ہے۔

ماہنامہ ''محدث عصر'' دیوبند میں مولانا عبدالرشید بستوی نے اس مقدمہ کو اردو جامہ پہنا کر قسط وار شائع فرمایا ہے۔

(۶) مقدمہ: مجلس علمی ڈابھیل۔ سملک نے آپ کو فیض الباری اور نصب الرایہ، زیلعی کی طباعت کے لئے ۱۹۳۷ء میں مصر بھیجا تھا قیام مصر کے دوران مقدمہ فیض الباری اور مقدمہ نصب الرایہ تحریر فرمایا۔

(۷) فیض الباری کی خدمت: بخاری شریف کی مشہور شرح ''فیض الباری'' کی تالیف میں حضرت بنوریؒ کے مشورے اور علمی افادات شریک ہیں۔

مولانا عبدالقدیر کیملپوری (جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے) تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم طویل عرصہ مصر میں تصحیح کرتے رہے، بعض بعض جگہ فیض الباری پر وہاں کی اقامت کے زمانے میں تنقیدی اور توضیحی نوٹ بھی لکھے، کچھ مزید افادات بھی تحریر فرمائے، فیض الباری کے حواشی کے ذیل میں جگہ جگہ آپ کی تحریرات موجود ہیں یہ سب کچھ آپ کے الباقیات الصالحات ہیں''۔ (بینات کراچی رجب المرجب ۱۳۹۸ھ مراسلہ مولانا عبدالقدیر صاحب)

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں ''فیض الباری کی طباعت اور تقدیم کا

سارا کام حضرت (بنوریؒ) نے خود کیا اور قریباً ایک سال تک اس میں منہمک رہے'' (شخصیات وتأثرات ص/۲۹)

(۸) تعلیقات سنن ابی داؤد: سنن ابی داؤد کے مشکل مقامات پر تعلیقات وحواشی تحریر فرمائے یہ غیر مطبوعہ شکل میں محفوظ ہیں (ایضاً ص/۳۰)

(۹) اللباب: جامع ترمذی کے ''وفی الباب'' کا کام شروع فرمایا تھا جس کی تکمیل آپ کے مرحوم تلمیذ رشید مولانا حبیب اللہ صاحب مختار فرما رہے تھے اس پر حضرت بنوریؒ نے ''اللباب'' نامی مستقل رسالہ تحریر فرمایا۔

(۱۰) ضرب الخاتم کی تخریج: علامہ کشمیریؒ کے رسالہ ''ضرب الخاتم'' کے حوالے اسفار اربعہ سے نکالے، حوالجات کی تخریج کی اہمیت کا اندازہ مولانا محمد طاسین ''مجلس علمی کراچی'' کی تحریر سے لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں: مولانا بنوریؒ کو اللہ تعالی نے تخریج کے اس مشکل کام کی خاص مہارت عطا فرمائی تھی، اور اس کا پہلی دفعہ اظہار اس وقت ہوا جب مولاناؒ نے اپنے محبوب شیخ حضرت شاہ صاحبؒ کے اس منظوم رسالہ کی تخریج فرمائی جس کا نام ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' اور جو الہیاتی مسائل میں دریا درکوزہ کا مصداق ہے۔ اشارات اور بین السطور توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ کی تصنیف میں جن کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے وہ دو درجن سے زیادہ ہیں۔ ان میں ''دائرۃ المعارف بستانی، دائرۃ المعارف فرید وجدی، اسفار اربعہ، حاشیۂ اسفار، الفصل بین الملل والنحل، نہایۃ الاقدام، روح المعانی، ابن رشید کی فصل المقال اور تہافۃ التہافۃ، طوسی کی تجرید، ام البراہین، شرح سلم العلوم، ابن سینا کی الاشارات، ابن عربی شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ، الانسان الکامل، اتحاف السادۃ المتقین، تحریر الاصول، مشکوۃ الانوار، الکلیات، تذکرہ، مصباح الدجی، حاشیہ نظامیہ، تقریر دل پذیر، قبلہ نما، رسالہ قاسم العلوم، نبیر فارابی، محقق دوانی، ملا باقر داماد، میر زاہد وغیرہ کی کتابوں سے بھی استفادہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن چونکہ حوالے مبہم اور مجمل تھے لہذا اس کی تخریج کا کام بڑا مشکل اور صبر آزما تھا جسے مولانا بنوریؒ جیسا عالم ہی کرسکتا تھا مولانا نے کچھ کام کرنے کے بعد استاذ محترم حضرت شاہ صاحبؒ کو دکھایا، وہ دیکھ کر بے حد متاثر اور خوش ہوئے اور اس تاثر اور خوشی کا اظہار حضرت شاہ صاحبؒ نے اس وقت فرمایا کہ جب صدر الصدور نواب حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ آپ سے ملنے کے لئے دیوبند تشریف لائے اور آپ کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا بنوریؒ جب سامنے آئے تو حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا کا تعارف نواب صاحب سے اپنے ان الفاظ کے ساتھ کرایا۔ ''یہ صاحب سید آدم بنوریؒ کی اولاد میں سے ہیں اور صاحب سواد ہیں یہ آج کل جو علمی کام کر رہے ہیں دوسرا کوئی نہیں کرسکتا یعنی ''الضرب الخاتم'' کی تخریج کا کام''۔

تو نواب صاحب مرحوم ومغفور ادب واحترام سے کھڑے ہوگئے اور خوشی سے مصافحہ کیا اور پھر برابر قدر ومنزلت سے پیش آتے رہے۔ یہ قصہ خود مولاناؒ کی زبان مبارک سے ہم نے کئی بار سنا ہے یہاں اسے نقل کرنے سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ مولانا بنوریؒ کو تخریج کے کام میں جو اعلی مہارت حاصل تھی حضرت شاہ صاحب نے بھی اس کا اعتراف فرمایا۔''

(۱۱) الاستاذ المودودی: اس رسالہ کا پس منظر مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت بنوری قدس سرہ ہمیشہ مودودی تحریک کے مخالف رہے اور وہ ایک عرصہ سے اس پر فیصلہ کن ضرب لگانا چاہتے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے مودودی لٹریچر اور ضروری مواد بھی فراہم کرلیا تھا، مگر اس خیال سے رک رک جاتے تھے کہ کہیں موجودہ احوال وظروف میں یہ خلاف مصلحت نہ ہو۔ تا آنکہ وہ وقت آپہنچا کہ انہیں اپنا پیمانۂ عمر لبریز ہوتا نظر آیا اور انہوں نے آخری وقت میں اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ اس کی ظاہری تقریب یہ ہوئی کہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا رسالہ ''فتنۂ مودودیت'' چھپ کر آیا تو حضرت بنوریؒ سے فرمائش ہوئی کہ اس کا عربی ترجمہ کرادیا جائے اور اس پر ایک مقدمہ تحریر فرمادیا جائے۔ حضرتؒ نے ترجمہ کا کام جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کے سپرد فرمایا، اور خود اس پر مقدمہ لکھنے بیٹھے تو وہ مستقل رسالہ بن گیا۔ ع ''افسانہ کہ گفت نظیری کتاب شد''۔

یہ رسالہ "استاذ المودودی وشئی من حیاته وافکاره" کے نام سے شائع ہوا حضرت کا ارادہ تھا کہ اس سلسلہ کے دس حصہ رقم فرمائینگے، دو شائع ہو چکے تھے اور تیسرا زیر قلم تھا کہ خاتمہ بالخیر کا پیغام آ پہنچا اور حصہ دوم کا یہ شعر الہامی ثابت ہوا:

قرب الرحیل الی دیار الاخرة :::فاجعل الهی خیر عمری آخرة "

(۱۲) مقالات: قیام مصر کے دوران علماء دیو بند کے تعارف پر وہاں کے مجلّات میں گراں قدر مقالے شائع فرمائے۔

(۱۳) قصائد بنوریه: حضرت بنوریؒ نے نبی کریم ﷺ کی شان میں چھہتر (۷۶) ابیات پر مشتمل ایک قصیدہ کہا تھا جس پر اہل فن نے خوب داد و تحسین کی، یہ قصیدہ اسری ومعراج سے متعلق ہے۔

اس کے علاوہ آپ کا ایک قصیدہ نعتیہ تہتر (۷۳) اشعار پر مشتمل ہے جس میں آپ نے نبی کریم ﷺ کے بیشتر شمائل کو جمع کیا ہے۔

امام العصر علامہ کشمیریؒ محرم ۱۳۴۷ھ کے آخری تاریخوں میں یکا یک علیل ہو کر تبدیلیٔ آب وہوا اور علاج ومعالجہ کے لئے دیو بند تشریف لے گئے چند ماہ کے بعد شفا پا کر جامعہ ڈابھیل ورود مسعود فرمایا اس وقت حضرت بنوریؒ دورہ میں تھے، حضرت شاہ صاحب کی آمد پر آپ کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کی ابتداء یہ ہے

مالی اری الناس فیهم ماج سراء ::: وحاطهم بعقیب المحل سحاء

مولانا عبد الحق نافعؒ کو عید الاضحیٰ کی مبارک بادی دیتے ہوئے ۳۳ ابیات پر مشتمل ایک قصیدہ تحریر فرمایا ہے۔

کلمات ترحیبیہ کے طور پر آپ نے مختلف قصائد کہے ہیں۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ کی ڈابھیل آمد پر ستر (۷۰) اشعار پر مشتمل قصیدہ کہا۔

مرثیہ کے طور پر آپ نے بہت سے قصائد کہے ہیں قصائد بنوریہ اسی کا مجموعہ ہے جسے آپ

کے شاگرد مرحوم ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب نے تشریح کے ساتھ شائع کیا ہے۔

(۱۴) بصائر وعبر: بصائر وعبر حصہ اول ودوم میں ماہنامہ "بینات" کراچی کے اداریے جن کو حضرت بنوریؒ نے تحریر فرمایا تھا مرتب کر کے شائع کئے گئے ہیں۔

(۱۵) مجربات بنوریہ (اردو)

(۱۶) جامعه دیو بند الاسلامیه فی ضوء المقالات البنوریه

باطل فرقوں کا تعاقب

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

فتنۂ قادیان: آنحضرت ﷺ نے جہاں اور فتنوں کے ظہور کی پیشگوئی فرمائی وہاں جھوٹے مدعیان نبوت کے خروج کی بھی اطلاع دی تھی، جھوٹے مدعیان نبوت سے مقابلہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ نے کیا اور "حدیقة الموت" میں مسیلمہ کذاب کو اس کی نبوت وامت سمیت دفن کیا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ پیشگوئی سب سے پہلے حضرت صدیقؓ اور ان کی جماعت پر صادق آتی ہے:

دور مابعد میں جب بھی امت میں نبوت کاذبہ کا دجالی فتنہ اٹھا، حق تعالیٰ شانہ نے اس کی سرکوبی کے لیے ایسے رجال کار کو کھڑا کیا جن میں یہی "صدیقی نسبت" کارفرما تھی اور جو یحبهم ویحبونه الخ کے مصداق تھے۔ اسی سنت الٰہیہ کے مطابق جب مرزا غلام احمد قادیانی (اللعین بن اللعین) کی نبوت کاذبہ کا فتنہ اٹھا (جو اس صدی کا سب سے منحوس وملعون فتنہ تھا) تو اس شجرۂ خبیثہ کے استیصال کے لیے حق تعالیٰ شانہ علماء ومشائخ کی ایک جماعت کو آگے لائے۔

اس فتنہ کا ادراک سب سے پہلے سید الطائفہ قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو ہوا اور منکرین ختم نبوت کے خلاف کفر کا فتوی سب سے پہلے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیو بند نے "تحذیر الناس" میں دیا۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ "ہر عارف کو اس کے علوم ومعارف کی ترجمانی کے

لیے ایک لسان عطا کی جاتی ہے جیسا کہ حضرت شمس تبریزؒ کی لسان مولانا رومیؒ تھے اور پھر فرماتے تھے کہ ''میری لسان مولانا محمد قاسم ہیں'' جو علوم میرے قلب پر وارد ہوتے ہیں ''مولانا محمد قاسم ان کو کھول کھول کر بیان فرما دیتے ہیں'' اس لیے کہنا چاہیے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہ فتوی حضرت حاجی صاحبؒ کے قلب صافی کا پرتو تھا۔ اس طرح ''فتنۂ قادیانیت'' کی تردید کی تحریک کا آغاز حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کی ''لسان علوم و معارف'' حضرت نانوتویؒ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اس تحریک کو مسلسل جاری رکھا، اس فتنہ کے استیصال کے لیے یوں تو بہت سے اکابر نے زریں خدمات انجام دیں (جن کی تفصیل کے لیے دوسری فرصت درکار ہے) لیکن جس شخصیت کو اس دور کی قیادت و امامت تفویض ہوئی اور جسے حضرت بنوریؒ کے الفاظ میں ''واسطۃ العقد'' کہنا چاہیے، وہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی ذات گرامی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ کو قادیانی فتنہ نے کس قدر بے قرار کر رکھا تھا؟ بہتر ہوگا کہ ہم یہ روئداد غم حضرت بنوریؒ سے سنیں:

''امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے محنتیں کی ہیں ان میں سب سے امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندیؒ کو حاصل تھی اور دار العلوم دیوبند کا پورا اسلامی اور دینی مرکز انہی کی انفاس مبارکہ سے اس شجرۂ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا، قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ عقائد کا امام العصرؒ نے جس طرح تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی، اس کی نظیر عالم اسلام میں نہیں ملتی، حضرت مرحوم نے خود بھی گرانقدر علوم و حقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ مدرسین دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور انکی پوری نگرانی و اعانت فرماتے رہے۔ میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ ''جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں دین محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے''۔ فرمایا: ''چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ مضمحل ہو جائے گا''۔

میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ امام العصر کو، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہو گیا ہے جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا کا نام

لیتے تو فرمایا کرتے تھے: ''لعین بن اللعین لعین قادیاں'' اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے، فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں؟ ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ و غضب کے اظہار پر مجبور ہیں''۔

قادیانیت کے خلاف یہی درد و سوز، یہی بے چینی و بے قراری اور یہی غیظ و غضب حضرت بنوریؒ کو اپنے شیخ انورؒ سے وراثت میں ملا تھا۔

اس کے بعد حضرت لدھیانویؒ نے حضرت بنوریؒ کا پشاور میں قادیانیوں کے ساتھ سب سے پہلا معرکہ ذکر فرمایا جس کی تفصیل بعنوان ''مولانا کا قادیانیوں سے ایک معرکہ'' کے ذیل میں گزر چکا۔ آگے حضرت لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

یہ حضرتؒ کا قادیانیت سے پہلا معرکہ تھا، جس میں آپ کو کامیابی اور قادیانیوں کو ذلت و شکست ہوئی، دیکھنے میں یہ ایک معمولی واقعہ ہے لیکن جس بھیانک دور میں آپ نے ایمانی غیرت و حمیت اور جرأت و عزیمت کا یہ مظاہرہ کیا، اگر وہ پیش نظر ہو تو اسے مافوق العادت کارنامہ تصور کیا جائے گا اور پھر آپ کے اس عملی اقدام کے جو نتائج سامنے آئے وہ شاید ہزاروں روپے کا لیٹریچر تقسیم کرنے پر بھی رونما نہ ہوتے۔

۱۹۳۷ء میں آپ ''مجلس علمی ڈابھیل'' کی کتابوں کی طباعت کے سلسلہ میں مصر تشریف لے گئے، وہاں کے اکابر علماء سے تعلقات استوار کئے، علمائے دیوبند کے تعارف پر وہاں کے مجلّات میں گرانقدر مقالے شائع کئے مگر اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنے شیخ انورؒ کے مشن ''رد قادیانیت'' کو وہاں بھی فراموش نہیں کیا، وہاں کے تمام علماء و مشائخ کو قادیانیت کے خلاف جہاد کے لئے تیار کیا، ان سے قادیانیت پر رسالے اور مقالے لکھوائے اور انہیں اس موضوع پر حضرت شاہ صاحبؒ کے لعل و جواہر سے آگاہ کیا۔ علامہ محمد زاہد الکوثری جنہیں مصر کی علمی فضا میں وہی بلند پروازی حاصل تھی جو حضرت شاہ صاحبؒ کو ہندستان میں، انہوں نے ایک مقالہ ''حیات عیسیٰ علیہ السلام'' پر رقم فرمایا جو ''مقالات کوثری'' میں شامل ہے۔

حضرت اقدس بنوریؒ ۱۹۵۱ء میں پاکستان تشریف لائے اور دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں حدیث وتفسیر کی تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، اسی دوران ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت چلی تو یہ شیخ فوراً میدان عمل میں آگیا اور ظفر اللہ قادیانی کی وزارت خارجہ کے خلاف احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کرنے لگا۔ یہ تحریک اگرچہ اپنے تمام مطالبات میں کامیاب نہیں ہوئی، تاہم کون نہیں جانتا کہ یہی تحریک ظفر اللہ خان کی وزارت خارجہ کے ساتھ خواجہ نظام الدین کی وزارت عظمی کو بھی بہا کر لے گئی۔ تحریک ختم نبوت میں آپ کی شمولیت کا یہ تجربہ دراصل مستقبل کی تیاری کا پیش خیمہ تھا۔

۱۹۵۴ء میں حضرت مستقل طور پر کراچی میں آگئے، کراچی میں آپ کے قیام میں حق تعالی کی جو جو تکوینی مصلحتیں تھیں ان کی تفصیلات کا کون احاطہ کرسکتا ہے؟ مگر خیال ہوتا ہے کہ قدرت آپ کو کراچی کے مرکز میں لاکر ‘‘تحریک ختم نبوت’’ کی قیادت آپ کے سپرد کررہی تھی۔ آپ یہاں تشریف لائے تو رفتہ رفتہ آپ کی سیادت ومحبوبیت کا نقش دلوں پر ثبت ہونے لگا اور اندرون وبیرون ملک ہر طبقہ کے لوگوں سے آپ کے تعلقات وسیع ہوتے گئے اور آپ کو ہر چھوٹے بڑے سے ملنے، ہر ایک کو پڑھنے اور سمجھنے اور ہر ایک کی صلاحیت کے مطابق اس سے کام لینے کا موقع ملا، ظاہر ہے کہ یہ کام نہ ڈابھیل کے دور افتادہ خطے میں میسر آسکتا تھا نہ ٹنڈوالہ یار کے قصبے میں اور نہ ‘‘لال جیوہ’’ کے ویرانے میں۔ کراچی لاکر گویا قدرت نے ولقد مکنا یوسف فی الارض کا نقشہ لوگوں کو ایک بار پھر دکھایا اور حدیث نبوی ثم یوضع لہ القبول فی الارض کا سماں پھر آنکھوں کے سامنے آگیا۔

میں سوچتا ہوں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں کہ یہ بوریہ نشین مرد درویش جس کی نہ کوئی پارٹی ہے نہ تنظیم، نہ تحریک نہ نعرہ، نہ اخبار نہ رسالہ، نہ اشتہار نہ دربار، نہ اسباب نہ وسائل، شہرت ونمود کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں مگر اس کی مقناطیسی کشش کا یہ عالم ہے کہ ہر سطح اور ہر طبقہ کے لوگ اس کی طرف کھینچے چلے آرہے ہیں، سکریٹریٹ سے لے کر عام لوگوں تک سے اس کا گہرا رابطہ ہے۔ یہ عرب وعجم کے دل کی دھڑکن بنا ہوا ہے اور اپنی آتش دروں اور حرارت قلب سے بے شمار قلوب کو گرما رہا ہے اور جدھر کو نکلتا ہے سیادت ووجاہت اس کے جلوہ میں چلتی ہے۔ شیخ آدم بنوری الحسینیؒ کے

فرزند کو قدرت یہ ساری دولتیں اسباب ووسائل کے بغیر عطا کررہی تھی، کیوں؟ اس لئے کہ اس صدی کے سب سے بڑے فتنہ، فتنۂ قادیانیت کے استیصال کا وہ عظیم الشان کام اس سے لیا جانا ہے جو مجدد دین اور صدیقین سے لیا جاتا ہے۔ یہ ساری وہبی نوازشیں اسی کی تمہید ہیں۔

یاد آیا کہ ایک بار راقم الحروف نے حضرت سے عرض کیا کہ ‘‘حضرت! جس طرح امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ‘‘اکبری فتنہ’’ کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لئے حکومت کے اعلی ترین اہل مناصب کو رام کیا تھا، آج بھی اسی نہج پر کام کرنے کی ضرورت ہے’’۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ‘‘جی ہاں! بالکل صحیح ہے، حضرت مجددؒ صرف دین کے مجدد نہیں تھے بلکہ طریقۂ تجدید کے بھی مجدد تھے’’۔ اس وقت ناکارہ کو یہ احساس ہوا نہیں تھا کہ اس دور کے فتنۂ عظیمہ کے خلاف، جس کی جڑیں حکومت میں اکبری دور کے ابوالفضل اور فیضی سے زیادہ گہری تھیں، حضرتؒ کو بھی قدرت، امام ربانی کے نقش قدم پر چلا رہی ہے اور حق تعالی اس ملک کے صالح قلوب کو آپ کی طرف از خود متوجہ فرمارہے ہیں۔

بہر حال اس دور میں حضرتؒ نے ‘‘عقیدۂ ختم نبوت’’ کی حفاظت کے لئے خاموشی سے کام شروع کردیا، اور اس کے لئے تین میدان منتخب فرمائے۔

اول: اندرون ملک ہر طبقہ کے وہ سعید قلوب، جو اس مقصد کے لئے مؤثر اور کارآمد ہوسکتے تھے، آپ نے انہیں تلاش کرکے جوڑنا اور قادیانیت کے خلاف انہیں منظّم اور بیدار کرنا شروع کیا۔ ان میں علماء بھی تھے، وکلاء بھی، کاروباری بھی تھے اور سرکاری ملازمین بھی۔

حضرتؒ کو معلوم تھا کہ ملک میں ‘‘مجلس تحفظ ختم نبوت’’ اس فتنہ کے خلاف منظّم طور پر پوری یکسوئی، تندہی اور جانفشانی سے کام کررہی ہے، حضرت نے اس کی بھی سرپرستی شروع کردی اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی اعانت ونصرت فرمائی، مجھے یاد ہے کہ ان دنوں ‘‘مجلس تحفظ ختم نبوت’’ کے زعیم حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ’’ (جو امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید اور خطیب العصر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے دست راست اور جانشین تھے) حضرتؒ کی خدمت میں کراچی حاضر ہوتے، کئی کئی دن قیام رہتا، گھنٹوں حضرت سے تنہائی میں مشورہ کرتے۔ راقم الحروف

ایک بار کراچی سے پنجاب گیا، مولانا محمد علی جالندھریؒ کی زیارت وملاقات میسر آئی، موصوف نے علیک سلیک کے بعد پہلا سوال اپنے مخصوص پنجابی انداز میں یہ فرمایا: ''سنا پھر میرے شیخ دا کی حال اے''اور''میرے شیخ'' کالفظ جس عظمت ومحبت کے لہجے میں ادا فرمایا اس کی حلاوت وشیرینی کالطف کاغذ پر کیسے منتقل کردیا جائے؟

الغرض حضرت بنوریؒ نے خاموشی سے ان تمام حضرات کواپنے ساتھ وابستہ کررکھا تھا جو اس فتنہ کی سرکوبی میں کوئی مؤثر کردار ادا کرسکتے تھے اور کسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ مردمجاہد ختم نبوت کا قلعہ تعمیر کرنے کے لئے کہاں کہاں سے اینٹ مصالحہ ڈھونڈ کرلا رہا ہے۔

دوم: قادیانی مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ خود اسلام کا مسئلہ تھا، اس لیے حضرتؒ نے عالم اسلام کے تمام اکابر علماء سے بھی رابطہ رکھا۔ انہیں قادیانی سازشوں کی تفصیلات سے مسلسل آگاہ کرتے رہے، ان کے گھناؤنے عقائد ونظریات کے علاوہ ان کی مسلم کش پالیسیوں سے انہیں چوکنا کرتے رہے اور اس رابطہ کے تین ذرائع تھے، (اول) یہ کہ باہر سے علماء کے جو وفود پاکستان آتے نیوٹاؤن میں ان کی تشریف آوری ہوتی، (دوسرے) حضرت بھی بین الاسلامی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے، (تیسرے) سال میں کم ازکم دوبار حرمین شریفین میں حاضری ہوتی، جہاں عالم اسلام کا دل ودماغ سمٹ آتا ہے۔ ان تمام مواقع میں جہاں حضرتؒ کی عظمت ومحبت کا نقش عالم اسلام کے قلب پر مرتسم ہوتا، وہاں قادیانیت سے نفرت وبیزاری کی تحریک کو بھی انگیخت ہوتی۔ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ اپریل ۱۹۷۴ء میں مکہ مکرمہ میں ''رابطہ عالم اسلامی'' کی کانفرنس میں دنیا بھر کی (۱۴۴) تنظیموں کے نمائندوں نے جو قرارداد متفقہ طور پر منظور کی تھی، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کسی جانشین مجدد الف ثانیؒ کی محنتوں کے بغیر یہ سب کچھ ہوگیا تھا؟

حضرت اقدسؒ جہاں دنیا بھر کے علماء ومشائخ اور اعیان واکابر سے رابطہ قائم کئے ہوئے انہیں قادیانی فتنہ کی سنگینی سے مسلسل آگاہ کررہے تھے، وہاں ارباب قلوب اور اصحاب باطن سے بھی رابطہ استوار تھا، اور انہیں بھی اس سلسلہ میں ''صرف ہمت'' اور دعاء والتجاء کی طرف متوجہ رکھتے تھے۔

سوم: تیسرا اور آخری کام جو آپ نے کیا وہ عالم اسلام کے ارباب اقتدار (جن میں ملکوں کے سربراہ اور وزراء وسفراء سبھی شامل تھے) سے رابطہ قائم کرنا اور انہیں قادیانی فتنہ سے باخبر رکھنا تھا۔ عرب ممالک کے جو سفراء ہمارے ملک میں وقتاً فوقتاً تعینات ہوتے رہے، ان میں سے اکثر وبیشتر حضرتؒ کے شناسا بلکہ قدر دان محبّ تھے۔ اسلامی ممالک کے امراء وزراء سے بھی اچھا تعارف تھا، خصوصاً پاسبان حرم شاہ فیصل شہیدؒ تو آپ کے بہت ہی قدر شناس تھے۔ شہید مرحوم سے آپ نے متعدد بار ملاقات بھی کی، اور انہیں بالمشافہ قادیانی فتنہ کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا۔

مشرقی فتنہ: آج سے قریباً نصف صدی پہلے پنجاب وسرحد میں عنایت اللہ خان مشرقی کا غلغلہ بلند تھا، ایک طرف ان کی بیلچہ دار''چپ وراست'' کی گونج در ودیوار سے ٹکرا رہی تھی تو دوسری طرف ان کے''عسکری اسلام'' نے ذہنی فضا میں ایک پہچان پیدا کررکھا تھا۔

دنیا کے بڑے بڑے ائمۂ ضلال اور دُعاۃ فتنہ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو بعض چیزیں ان میں قدر مشترک نظر آئیں گی، مثلاً بلا کی ذہانت، غضب کی قائدانہ صلاحیت بے پناہ کبروغرور، انتہائی خودرائی وخودپسندی، سلف صالحین کی تحقیر، ہر بات میں نئی اختراع کا شوق، نمود ونمائش کا جذبہ اور تعمیر کے نام پر دین وایمان اور قوم ووطن کی تخریب۔

عنایت اللہ خان مشرقی بھی اس گروہ کے سرخیل تھے، وہ اپنے تئیں''علامہ'' کہتے تھے۔ انہیں غلط فہمی تھی کہ قرآن کے مفہوم ومعانی عرش معلیٰ سے پہلی بار انہی کے دماغ پر نازل ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسی غرہ میں قرآن کریم پر مشق شروع کردی۔ پہلے''تذکرہ'' نامی کتاب لکھی۔ یہ ان کے الحاد کا نقش اول تھا۔ پھر کچھ عرصہ خاموشی کے بعد''اشارات'' لکھی''خاکسار'' تنظیم کی بنیاد ڈالی، ایک پرچہ جاری کیا اور بالآخر''مولوی کا مذہب غلط'' نامی کتابچہ کے نمبر نکالنا شروع کردیے، یہ ان کی ساری ذہنی وفکری صلاحیتوں کا ماحصل تھا۔

چونکہ عنایت اللہ خان مشرقی پشاور کی انگریزی درس گاہ میں رہ چکے تھے اس لئے وہاں ان کا خاصہ حلقۂ اثر تھا اور حضرت بنوریؒ جب فارغ التحصیل ہونے کے بعد پشاور پہنچے تو مشرقی نظریات

اور علماء کے درمیان معرکۂ کارزار برپا تھا۔ حضرتؒ آتے ہی اس میدان جہاد میں کود گئے، خاکساروں کو "ھل من مبارز" کا چیلنج کیا اور جلسوں اور تقریروں سے مشرقی فتنہ کا ناطقہ بند کردیا، خاکساروں کا دعوی تھا کہ مشرقی صاحب کو علمائے مصر نے ''علامہ'' کا خطاب دیا ہے۔ علمائے ہند اس کے مقام ومرتبہ کو تو کیا پہنچتے اس کی باتیں سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، حضرت بنوریؒ مشرقی کے اس منبع علامیت کو خشک کرنا چاہتے تھے، ۱۹۳۷ء میں آپ مجلس علمی ڈابھیل کے مندوب کی حیثیت سے نصب الرایہ اور فیض الباری چھپوانے کے لیے مصر گئے تو مشرقی کی کتاب ''تذکرہ'' علمائے مصر کو دکھائی اور اس کی تحریفات وکفریات سے انہیں آگاہ کیا۔ اس پر بعض علمائے مصر نے ایک استفتاء مرتب کیا اور علمائے ازہر کی جماعت کے ایک رکن اور ''الازہر'' کے مفتی شیخ یوسف وجوی نے اس کا جواب لکھا، جس میں مشرقی نظریات پر شدید تنقید کی گئی، اور انہیں صریح کفر والحاد قرار دیا گیا، غالباً مصر میں اس فتوی سے علمائے ہند کے بارے میں یہ تأثر لیا گیا کہ انہوں نے ایسے گمراہ شخص کا کیوں نوٹس نہیں لیا۔ اس پر حضرتؒ نے صورت حال کی وضاحت کیلئے ایک مختصر سا مضمون لکھا جو وہاں کے مجلّہ ''الاسلام'' جلد ۷ شمارہ ۴۱، ۲۴ شوال ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۶ / دسمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔

پرویزی فتنہ: انگریز کے عہد نحوست مہد میں جو تحریکیں اسلام کو مسخ ومحرف کرنے کیلئے اٹھیں ان میں سب سے پہلی تحریک نیچریت کی ہے، پھر ایک طرف ''قادیانیت'' نے نئی نبوت کے روپ میں جنم لیا اور دوسری طرف ''چکڑالویت'' نے انکار حدیث کا فتنہ برپا کیا، اس کے بعد ''خاکسار تحریک'' نے سر اٹھایا اور پھر ان سب تحریکوں کا سڑا ہوا ملغوبہ مسٹر پرویز کے حصہ میں آیا اور ان سب پر کمیونزم کا تعفن اور مستزاد ہوا، چنانچہ پرویزی لٹریچر میں کمیونزم کا پورا معاشی ڈھانچہ اور اس کی مذہب بیزاری، نیچریت کی مادہ پرستی، قادیانیت کا انکار وجود، چکڑالویت کا انکار سنت، خاکساروں کی تحریف وتاویل، سب خرابیاں یکجا موجود ہیں، اور مسٹر پرویز کے قلم کی روانی نے ان غلاظتوں میں اور اضافہ کردیا۔''

فزادتهم رجسا إلى رجسهم۔

مسٹر غلام احمد پرویز بدقسمتی سے مرزا غلام احمد قادیانی کے ہم نام بھی ہے ہم وطن بھی، الحاد

وزندقہ میں اس کا ہم مسلک بھی۔ وہ ایک زمانہ میں حدیث وسنت کا پرجوش حامی تھا اس موضوع پر موصوف کا ایک مقالہ جو ''الفرقان لکھنؤ'' میں چھپا تھا، راقم الحروف کی نظر سے گذرا ہے لیکن بدقسمتی سے انگریزی دور اقتدار نے دہلی کے سیکریٹریٹ میں پرویز صاحب کی ساخت وپرداخت کی، موصوف نے اپنے پیشرو داعیان ضلال کے افکار ونظریات کو جذب کیا اور انہیں نئے انداز میں اگلنا شروع کیا، اس کیلئے انجمن ''طلوع اسلام'' کی بنیاد ڈالی۔ موصوف کے ذہنی خیالات کا خاکہ ابھی غیر مرتب ہی تھا کہ ملک تقسیم ہوا اور پرویز صاحب کو دہلی سیکریٹریٹ کے بجائے کراچی سیکریٹریٹ میں پناہ ملی، یہاں کی لادین افسر شاہی کی آشیرباد سے موصوف نے ''قرآنی نظام ربوبیت'' کا خاکہ مرتب کیا۔

اقتدار کے سائے میں پرویز صاحب کے نظریات کی نشر واشاعت ہو رہی تھی۔ علمائے امت اور ارباب قلم اس کی تحریفات کا توڑ کر رہے تھے۔ دونوں طرف سے بحث وجدال کا معرکہ برپا تھا، حضرتؒ نے محسوس کیا کہ یہ ''سنار کی کھٹ کھٹ'' اس فتنہ کے قلع قمع کیلئے کافی نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس شجرۂ خبیثہ کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اس مقصد کیلئے آپ نے پرویزی لٹریچر جمع کرایا، اور پرویزی کفریات کو ایک استفتاء کی شکل میں مرتب کر کے جناب مفتی ولی حسن ٹونکی مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے اس کا جواب لکھوایا، اور پھر فتوی کو علمائے پاک وہند کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ مشرقی ومغربی پاکستان کے تمام دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ علماء نے متفقہ طور پر تصدیق کی کہ جو شخص ان نظریات کا پرچارک ہو جو پرویز صاحب کی کتابوں سے مرتب کئے گئے ہیں، اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس طرح چودھری غلام احمد پرویز کو اس کے ہم نام، ہم وطن اور ہم مسلک مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ وادئ کفر میں دفن کردیا گیا۔

اس فتوی کو قریباً ایک ہزار علماء کی تصدیقات کے ساتھ ایک رسالہ کی شکل میں شائع فرمایا، اس کے بعد ایک سوال نامہ عربی میں خود مرتب فرمایا اور عرب ممالک کے اہل علم سے اس کی تصدیق چاہی، حرمین شریفین، شام اور مصر کے علماء نے بھی پرویز کے ملحد وزندیق ہونے کا فتوی دیا تو اسے ''پرویز کے بارے میں علماء کا متفقہ فتوی مع اضافات جدیدہ'' کے نام سے دوبارہ شائع فرمایا۔

یہ تھا حضرت بنوریؒ کا پرویزی فتنہ کے خلاف اہم ترین کارنامہ جس سے اس فتنہ کی کمر ٹوٹ

گئی اور پرویز صاحب کے ''خدااوررسول'' اور ''مرکز ملت'' کوبھی پرویز صاحب کی قدر و قیمت معلوم ہوگئی۔ خسر الدنیا والآخرۃ ، ذلک هو الخسران المبین

اس فتنہ کی آگ ٹھنڈی کرنے کیلئے حضرت کو جو بے حد محنت کرنا پڑی ، سفر کی جو صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، اور اس کیلئے جو اوقات عزیز صرف کرنا پڑے اس کا صحیح اندازہ آج نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ: مسٹر پرویز کے خلاف حضرتؒ نے جو اقدام کیا اس کا پس منظر یہ تھا کہ صدر ایوب خان ''فیلڈ مارشل'' بن جانے کے بعد ''مسند اجتہاد'' پر بھی قابض ہو چکے تھے، اور وہ رفتہ رفتہ اسی راستے پر گامزن تھے جس پر مغل بادشاہ اکبر اعظم چل نکلا تھا۔ چونکہ پرویز نے انہیں ''مرکز ملت'' کی حیثیت سے نہ صرف دین میں تغیر و تبدل کے اختیارات سونپ دیئے تھے، بلکہ دور جدید کے ''خدا و رسول'' کا منصب بھی عطا کر دیا تھا۔ اسلئے صدر ایوب خان ان دنوں ایک ''سرکاری دارالافتاء'' قائم کرنے کی فکر میں تھے جس کا مفتئ اعظم ''مسٹر پرویز'' کو بنایا جانا تجویز ہو چکا تھا۔ مولانا شبیر علی تھانوی مرحوم نے حضرت بنوریؒ کے سامنے صورت حال کا یہ سارا نقشہ رکھا اور اس شر کے سد باب کیلئے کسی مؤثر اقدام کی اپیل کی ، حضرتؒ نے ''علماء کا متفقہ فتوی ، پرویز کافر ہے'' مرتب کر کے اس عظیم ترین سازش کو خاک میں ملا دیا۔ عام پبلک پر مسٹر پرویز کی حقیقت واضح ہوگئی۔ اور ارباب اقتدار اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئے۔ اب انہوں نے اس کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا، کراچی میں ایک ''مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی'' قائم کیا۔ اس میں اسلام پر ''تحقیقات'' کرنے کیلئے چن چن کر ایسے افراد بھرتی کئے گئے جن میں اکثریت کجرو اور کج ذہن ملاحدہ کی تھی اور پھر اس ادارہ کی سربراہی کیلئے میکگل یونیورسٹی کے ایک مستشرق کو امریکہ سے درآمد کیا گیا۔ یہ شخصیت ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تھی۔

حق تعالیٰ حضرت بنوریؒ کی قبر پر رحمت کی بارشیں برسائے ، انہوں نے بے خوف وخطر اس آتش نمرود میں کود جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی ساری توانائیاں اس فتنہ کا سر کچلنے پر صرف کر دیں۔ انہوں نے جس جذب و سرمستی ، جس عزم و عزیمت اور جس دلیری و شجاعت کے ساتھ اس فتنہ کے

خلاف آواز اٹھائی وہ ''خاصان حق'' ہی کا خاصہ ہے۔ انہوں نے اس شدت سے حق و صداقت کا صور پھونکا کہ اس کی آواز سے پورا ملک لرز اٹھا، ادھر ''تحقیقات اسلامی'' کے آرگن ''فکر و نظر'' میں الحاد و زندقہ کی نئی نئی صورتیں ڈھل کر سامنے آتیں۔ ادھر ''بینات'' میں ان پر ''ضرب حیدری'' لگائی جاتی۔

نوارا تلخ تر می زن چوں ذوق نغمہ کم یابی   حدی را تر می خواں چوں محمل راگراں بینی

فتنۂ مودودیت: سب سے آخر میں جس فتنہ کے خلاف آپ نے علم جہاد بلند کیا وہ دور جدید کا ''فتنۂ مودودیت'' ہے جو کبھی ''تجدید واحیائے دین'' کے نام سے ابھرا، اور کبھی ''اقامت دین'' اور حکومت صالحہ کے نعرے سے۔

حضرتؒ نے مودودی صاحب کے فتنہ کے کچلنے کے لئے مستقل رسالہ ''الاستاذ المودودی'' لکھا۔ حضرتؒ نے مودودی صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا، وہ تو ان کے رسالہ ''الاستاذ المودودی'' میں محفوظ ہے (اس رسالہ کا ذکر ''تصنیفی خدمات'' کے ذیل میں گزر چکا) مگر یہ بات شاید بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں ہوگی کہ جن دنوں حضرتؒ یہ رسالہ تصنیف فرما رہے تھے باقاعدگی سے مودودی صاحب کے حق میں طول حیات اور رجوع الی الحق کی دعائیں بھی فرماتے رہے۔

عباسی فتنہ: مودودی تحریک جسے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ''خارجیت جدیدہ'' سے تعبیر کیا تھا (الاستاذ المودودی ص ۹ حصہ اول) اس کے رد عمل میں ایک اور فتنہ اٹھا جسے ''ناصبیت جدیدہ'' کا عنوان دیا جانا مناسب ہے۔ یہ محمود احمد عباسی کی تحریک تھی۔ موصوف نے ان تمام خرافات کا جو مودودی صاحب کے قلم سے حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حق میں سرزد ہوئی تھیں حضرت علیؓ حضرت حسینؓ اور دیگر اہل بیت کرام سے انتقام لینا چاہا۔ اس تحریک کے سارے لٹریچر میں یہی روح کارفرما نظر آتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کو گرا دیا جائے اور یزید کے مقابلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پست ثابت کیا جائے۔

حضرتؒ کیلئے جس طرح مودودی فتنہ نا قابل برداشت تھا اسی طرح یہ عباسی فتنہ بھی نا قابل

مسامحت تھا۔ چنانچہ ایک زمانہ میں ماہنامہ ''بینات'' کے صفحات اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے وقف رہے ہیں۔ یہاں ان تمام تفصیلات کو قلم انداز کرتے ہوئے صرف حضرتؒ کی ایک تحریر پر اکتفاء کرتا ہوں، کسی شخص نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو محمود احمد عباسی کی کتاب کی تائید کرتا ہے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا اس کی اقتداء میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا:

''علمائے حق کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ محمود عباسی کی کتاب اہل حق کے مسلک کے مخالف ہے اور مؤلف شعوری یا غیر شعوری طور پر شدید اور خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہے اس لئے اس کتاب کی تائید کرنے کا درجہ بھی یہی رہے گا، البتہ اگر جہالت سے تائید کرتا ہے تو اس کا جرم نسبتاً ہلکا ہوگا اور اگر دانستہ زیغ کی وجہ سے تائید کرتا ہے تو یہ شخص ایک خطرناک گناہ میں مبتلا ہے، اور فاسق ہے، فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اگرچہ فرض ادا ہو جائیگا۔ اس کا بھی حکم وہی ہے جو اہل ہوٰی کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۲۷/محرم الحرام ۱۳۸۱ھ

(اشاعت خاص بینات محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق جنوری ۱۹۷۸ء)

تحریک ختم نبوت کے قافلہ سالار: متحدہ ہندستان میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ''مجلس احرار اسلام'' کے سرفروشوں نے اپنی شعلہ بار خطابت کے ذریعے انگریز کی ساختہ پرداختہ ''قادیانی نبوت'' کے خرمن امن کو پھونک ڈالا تھا، تا آنکہ ۱۹۴۷ء میں انگریزی اقتدار رخت سفر باندھ کر رخصت ہوا۔ برصغیر کی تقسیم ہوئی اور پاکستان منصۂ وجود پر جلوہ گر ہوا۔ اس تقسیم کے نتیجے میں قادیانی نبوت کا منبع خشک ہو کر رہ گیا، اور قادیان کی منحوس بستی نہ صرف خود دار الکفر ہندستان کے حصہ میں آئی بلکہ اپنے ساتھ مشرقی پنجاب کے مسلم اکثریت کے صوبے کو بھی لے ڈوبی۔

مرزا محمود قادیانی اپنے ''مکۃ المسیح''، ''ارض حرم'' اور ''مسجد اقصیٰ'' سے برقعہ پہن کر فرار ہوا اور سیدھا لاہور آ کر دم لیا۔ پاکستان میں دجل و تلبیس کا نیا دار الکفر ''ربوہ'' کے نام سے آباد کیا۔ قبر فروشی کی آبائی اسکیم کیلئے ''بہشتی مقبرہ'' کا یہاں ڈھونگ رچایا، اور قادیانی خلافت کے شاہوار کی ترکتازیاں دکھانے اور پورے ملک کو مرتد بنانے کے اعلان کرنے لگا۔

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس قافلہ کا پہلا امیر و قائد منتخب کیا گیا۔ ۹/ربیع الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۱/اگست ۱۹۶۱ء کو حضرت امیر شریعتؒ کا وصال ہوا اور جماعت کو طفولیت کے عالم میں یتیم کر گئے۔

شاہ جیؒ کے بعد حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ المتوفی ۹/شعبان ۱۳۸۶ھ بمطابق ۲۳/نومبر ۱۹۶۶ء امیر دوم، حضرت مولانا محمد علی جالندھری (المتوفی ۲۴/صفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱/اپریل ۱۹۷۱ء) امیر سوم، اور مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر (المتوفی ۱۱/جولائی ۱۹۷۳ء) امیر چہارم منتخب ہوئے۔ مولانا لال حسین اختر کے بعد فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات مدظلہ العالی کو نئے انتخاب تک مسند امارت عارضی طور پر تفویض ہوئی خیال تھا کہ آئندہ جماعت کی زمام قیادت مستقل طور پر انہیں کے سپرد کر دی جائے۔ مگر اپنے ضعف و عوارض کی بناء پر انہوں نے اس گراں باری سے معذرت کا اظہار فرما دیا اور جماعت خلا میں گھومنے لگی۔ یہ ایک ایسا بحران تھا کہ جس سے اس عظیم الشان پیش قدمی کے رک جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا لیکن حق تعالیٰ شانہ کا وعدہ حفاظت دین کا یکا یک ایک لطیفۂ غیبی کی شکل میں رونما ہوا، اور وہ اس منصب عالی کیلئے اسلاف کے علوم و روایات کی حامل ایک ایسی ہستی کو کھینچ لایا جو اس منصب کی پوری طرح اہل تھی، جس سے ملت اسلامیہ کا سر بلند ہوا۔ جس کے ذریعہ قدرت نے ختم نبوت کی پاسبانی کا وہ کام لیا جو اس دور کی تاریخ کا جلی عنوان بن گیا، اور وہ تھے شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا السید محمد یوسف البنوری الحسینی نور اللہ مرقدہ۔

۱۵/ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۹/اپریل ۱۹۷۴ء کو یہ عبقری شخصیت ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی مسند امارت پر رونق افروز ہوئی۔

کسی جماعت کی صدارت قبول کرنا حضرت کے مزاج و مشاغل کے قطعاً منافی تھا لیکن مخلصین کے اصرار پر آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑا، یہ تو ظاہری سبب تھا لیکن اس کے باطنی اسباب

ودواعی متعدد تھے جن میں سے تین اسباب اہمیت رکھتے ہیں۔

اول: حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے دور میں رد قادیانیت کے امام تھے۔ انہوں نے ہی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو ''امیر شریعت'' مقرر کر کے ایک جماعت کو مستقل اسی مہم پر لگا دیا تھا۔ اور علمائے امت سے ان سے تعاون کرنے کی بیعت لی تھی۔ ادھر حضرت بنوری اپنے شیخ کے علوم وانفاس کے وارث تھے۔ تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت ان کے شیخ انور کی وراثت وامانت تھی، ظاہر ہے کہ اس کا اہل علوم انوری کے وارث اور ان کے روحانی جانشین سے بہتر کون ہوسکتا تھا، اس لئے جب ایک فعال جماعت کی قیادت ان کے سپرد ہوئی تو آپ نے اسے عطیۂ خداوندی سمجھ کر قبول کرلیا۔

دوم: حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے انجمن جماعت اسلام کے جس اجلاس میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت مقرر کر کے خود ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور دیگر علماء سے بھی بیعت کرائی اس میں حضرت سید بنوریؒ بھی شریک تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے شیخ انور اور ان کے امیر شریعتؒ کی جماعت بے کسی و بے بسی کے جنگل میں بھٹک رہی ہے اور اس بے سہارا جماعت کے سارے اکابر اسے یتیم چھوڑ کر جا چکے ہیں تو آپ نے اپنی تمام تر معذوریوں کے باوجود اس یتیم جماعت کو اپنی آغوش شفقت میں اٹھالیا۔ گویا وہ بیعت جو آپ نے انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں ''امیر شریعت'' کے ہاتھ پر کی تھی وہی آپ کو امیر شریعتؒ کی خلافت وجانشینی تک کھینچ لائی۔ ۱۵؍ربیع الاول ۱۳۹۴ھ سے پہلے آپ ''امیر شریعت'' کی ''پاسبان ختم نبوت فوج'' کے سپاہی تھے اور اس تاریخ سے آپ کو اس فوج کا قائد وسپہ سالار بنا دیا گیا۔

سوم: حضرت قدس سرہ پر حق تعالیٰ شانہ کے بے شمار انعامات تھے، آپ کے صحیفۂ زندگی میں قدرت ایک نئے باب اور بالکل آخری باب کا اضافہ کرنا چاہتی تھی، اور وہ تھا آپ کے مقام صدیقیت کا اظہار۔ مسیلمۂ کذاب کی خبیث امت کا صفایا سب سے پہلے صدیق اکبرؓ کی فوج نے کیا تھا اور مسیلمۂ پنجاب کی امت کی سرکوبی ''یوسف صدیق'' کی فوج نے.... ''اول با آخر نسبتے دارد''

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اسی صدیقی نسبت کی تکمیل کے لئے قدرت آپ کو آخری عمر میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت کیلئے کشاں کشاں کھینچ لائی تھی۔

حضرت بنوری قدس سرہ کا دور امارت اگرچہ بہت ہی مختصر رہا اور اس میں بھی حضرت اپنے بے شمار مشاغل اور ضعف و پیرانہ سالی کی بناء پر جماعت کے امور پر خاطر خواہ توجہ نہیں فرما سکتے تھے، اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی پرخلوص قیادت کی برکت سے جماعت کے کام کو ثری سے ثریا تک پہنچا دیا اور ''بنوری دور میں'' جماعت نے وہ خدمات انجام دیں جن کی اس سے پہلے صرف تمنا کی جا سکتی تھی۔

تاریخ ساز فیصلہ

آپ کو جماعت کی زمام قیادت سنبھالے ابھی دو مہینے نہیں گزرے تھے کہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ اسٹیشن کا شہرۂ آفاق سانحہ رونما ہوا، حضرت ان دنوں سوات کے دور دراز علاقے میں سفر پر تھے۔ وہیں آپ کو اس واقعہ کی کسی نے اطلاع دی۔ خبر سن کر چند لمحے توقف کے بعد فرمایا:

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما در آں باشد

آپ سوات سے بعجلت واپس ہوئے اور تحریک ختم نبوت کی کامیابی کیلئے حضرت نے ایک طرف بارگاہ خداوندی میں تضرع اور ابتہال کا سلسلہ تیز کر دیا۔ اور دوسری طرف امت مسلمہ کو متحد کرنے اور قوم کے منتشر ٹکڑوں کو جمع کرنے کیلئے رات دن ایک کر دیا۔ ۲۹ مئی سے ۷؍ستمبر تک کے سو (۱۰۰) دن برصغیر کی مذہبی تاریخ میں سو سال کے برابر ہیں ان سو دنوں کی مفصل تاریخ ایک مستقل تالیف کا موضوع ہے۔

بالآخر ۷؍ستمبر ۴؍بج کر ۳۵؍منٹ پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیکر دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا گیا پھر آئینی طور پر قادیانی ناسور کو ملت اسلامیہ کے جسد سے الگ کر دیا گیا، چونکہ حضرت بنوریؒ ہی اس تحریک کے روح رواں ''مجلس عمل'' کے صدر اور ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے قائد وامیر تھے اس لئے آپ کو جتنی خوشی ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

تحریک کی کامیابی پر اکابر کی طرف سے مبارک بادی اور مبشرات

اس تحریک کی کامیابی پر بہت سے اکابر نے آپ کو تہنیت اور مبارک باد کے گرامی نامے لکھے، یہاں تبرک کے طور پر صرف دو خطوط کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ برکۃ العصر حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنیؒ فرماتے ہیں:

’’سب سے پہلے تو جناب کی انتہائی کامیابی پر انتہائی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مژدہ سننے کے بعد سے آپ کیلئے دل سے دعائیں نکلیں کہ اس کا اصل سہرا تو آپ کے سر ہے اگرچہ

مصلحت راتمتے برآہوئے چین بستہ اند

لوگ جو چاہیں لکھیں، یا جو چاہیں کہیں، میرے نزدیک تو آپ کی روحانی قوت اور بدنی جانفشانی کا ثمرہ ہے، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ آپ نے جو دعائیہ کلمات نابکار کے حق میں لکھے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کی دعا کی برکت سے اس نابکار کو بھی کارآمد بنادے‘‘۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’سب سے پہلے تو آپ کو اس عظیم کامیابی پر آپ کے اسلاف کے ایک ادنیٰ نیازمند کی حیثیت سے مخلصانہ مبارک باد پیش کرتا ہوں جس کے متعلق بدیع الزمان الہمدانی کے یہ الفاظ بالکل صادق ہیں: فتح فاق الفتوح و آمنت علیه الملائكة والروح اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے اس کارنامے سے آپ کے جد امجد حضرت سید آدم بنوریؒ اور ان کے شیخ حضرت امام ربانیؒ اور آپ کے استاذ و مربی حضرت مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح ضرور مسرور و مبتہج ہوئی ہوگی اور اس کی بھی امید ہے کہ روح مبارک نبوی علیہا الف الف سلام کو بھی مسرت ہوئی ہوگی‘‘ ’’فهنيئا لكم وطوبیٰ‘‘ اگر میری ملاقات ہوئی تو میں آپ کے دست مبارک کو بوسہ دے کر اپنے جذبات کا اظہار ضرور کروں گا‘‘۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس فتنۂ ضالہ کی بیخ کنی پر صرف زمین کے باشندوں ہی کو خوشی نہیں ہوئی بلکہ ملاء اعلیٰ میں جشن مسرت منایا گیا، اور عالم ارواح میں بھی.... حضرت اقدس کو اس فیصلہ کے

بعد عجیب و غریب مبشرات سے نوازا گیا۔ ان میں دو مبشرات حضرت ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائے۔

’’قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا بہت ہی عظیم برکات کا کارنامہ ہے، آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے منکروں کا مسلمانوں سے خلاملانہ صرف مسلمانوں کے حق میں ناسور تھا بلکہ اس سے آنحضرت ﷺ کی روح مبارک بھی بے تاب تھی، قادیانی مسئلہ کے حل پر جہاں تمام ممالک کی جانب سے تہنیت و مبارک باد کے پیغامات آئے وہاں منامات و مبشرات کے ذریعہ عالم ارواح میں اکابر امت اور خود آنحضرت ﷺ کی مسرت بھی محسوس ہوئی۔ آپ کے مبشرات کا ذکر کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تاہم اہل ایمان کی خوشخبری کیلئے اپنے دو بزرگوں سے متعلق بشارات منامیہ مخلصین کے اصرار پر ذکر کرتا ہوں‘‘۔

جمعہ ۳ر رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ صبح کی نماز کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ گویا سفر سے تشریف لائے ہیں اور خیر مقدم کے طور پر لوگوں کا بہت ہجوم ہے لوگ مصافحے کر رہے ہیں۔ جب ہجوم ختم ہوگیا اور تنہا حضرت شیخ رہ گئے تو دیکھتا ہوں کہ بہت وسیع چبوترہ ہے جیسے اسٹیج بنا ہوا ہو۔ اس پر فرش ہے اور اوپر جیسے شامیانہ ہو۔ بالکل درمیان میں حضرت شیخ تنہا تشریف فرما ہیں۔ دو تین سیڑھیوں پر چڑھ کر ملاقات کے لئے پہنچا۔ حضرت شیخ اٹھے اور گلے لگالیا۔ میں ان کی ریش مبارک اور چہرہ مبارک کو بوسے دے رہا ہوں۔ حضرت میری داڑھی اور چہرے کو بوسے دے رہے ہیں۔ دیر تک یہ ہوتا رہا۔ چہرہ و بدن کی تندرستی زندگی کے آخری ایام سے بہت زیادہ ہے بے حد خوش اور مسرور ہیں۔ بعد ازاں میں دو زانو ہو کر فاصلہ سے باادب بیٹھ گیا اور آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کیا کہ بھول گیا کہ ’’معارف السنن‘‘ حاضر کرتا فرمایا میں نے نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اب چھٹی جلد کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو علم نہیں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بس اس کی تشریح و توضیح و خدمت کی ہے، بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا: ’’بہت عمدہ ہے‘‘۔

شوال ۱۳۹۴ھ میں لندن کے قیام کے دوران خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع میدان

ہے گویا ختم نبوت کا دفتر ہے بہت سے لوگوں کا مجمع ہے میں ایک طرف جا کر سفید چادر جس طرح کہ احرام کی چادر ہو، باندھ رہا ہوں بدن کا اوپری حصہ برہنہ ہے کوئی چادر یا کپڑا نہیں اتنے میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اسی ہیئت میں کہ احرام والی سفید چادر کی لنگی بندھی ہوئی ہے اور اوپر کا بدن مبارک بغیر کپڑے کے ہے میرے داہنے کندھے کی جانب تشریف لائے اور آتے ہی مجھ سے چمٹ گئے۔ پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: ''واہ میرے پھول'' پھر دیر تک معانقہ فرمایا میں خواب کی ہی حالت میں خیال کرتا ہوں کہ مبارک باد کیلئے تشریف لائے ہیں انتھی۔

منامات کی حیثیت مبشرات کی ہے اس سے زیادہ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ بہرحال قادیانی ناسور کے علاج سے نہ صرف زندہ بزرگوں کو مسرت ہوئی بلکہ جو حضرات دنیا سے تشریف لے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی اس سے بے حد و بے پایاں خوشی ہوئی۔ فالحمد لله'' (بینات ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ، دسمبر ۱۹۷۴ء)

انہی مبشرات کے ضمن میں جی چاہتا ہے کہ اس خط کا اقتباس بھی درج کر دیا جائے جو حضرت کے ایک گہرے دوست الشیخ محمود الحافظ مکی نے آپ کو ملک شام سے لکھا تھا۔ اصل خط کی عبارت میں ہے یہاں اس کا متعلقہ حصہ اردو میں نقل کرتا ہوں۔

''میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ میں نے ۳؍شعبان ۱۳۹۴ھ رات کو آپ کے بارے میں بہت عمدہ اور مبارک خواب دیکھا ہے جس کی آپ کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں اور اس کو یہاں اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں''۔

میں نے آپ کو ایسے شیوخ کی جماعت کے ساتھ دیکھا ہے جو سن رسیدہ تھے اور جن پر صلاح وتقوی کی علامات نمایاں تھیں۔ یہ سب حضرات اس قرآن کریم کے صفحات جمع کرنے میں مصروف تھے جو آں جناب نے اپنے قلم سے زعفرانی رنگ کی روشنائی سے بدست خود تحریر فرمایا ہے اور آنجناب کا قصد ہے کہ اسے لوگوں کے فائدہ کیلئے شائع کیا جائے۔ آپ نے اپنے اس ارادے کا اظہار نہایت مسرت وشادمانی کے ساتھ میری جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

صبح جب نماز فجر کیلئے اٹھا تو قلب فرحت سے لبریز تھا، اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی وکامرانی کا تاج پہنایا ہے۔ والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات''.

یہ مبارک خواب تحریک ختم نبوت کے زمانے کا ہے، سنہرے حروف سے قرآن کریم لکھنے کی تعبیر اہل فن ہی کر سکتے ہیں راقم الحروف (مراد حضرت لدھیانویؒ) کا قیاس ہے کہ اس فیصلہ کے ذریعہ آیت خاتم النبیین کو صفحات عالم پر سنہرے حروف سے رقم کرنے کی طرف اشارہ ہوا....نیز قادیانی امت نے چونکہ قرآن کریم پر تحریف کی سیاہی ڈال دی ہے اور ان کے نزدیک مرزا قادیانی سے قبل قرآن کریم آسمان پر اٹھ گیا تھا۔ بقول ان کے مرزا قادیانی کی وحی قرآن کو دوبارہ لائی ہے اور یہ عقیدہ قرآن کریم کی عظمت کو مٹانے کے مترادف ہے۔ نیز قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ اب صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت اور قرآن کریم کی تعلیمات مدار نجات نہیں بلکہ مدار نجات نعوذ باللہ مرزا قادیانی کی تعلیمات اور اس کی مہمل اور شیطانی وحی ہے۔ یہ عقیدہ گویا انکار قرآن کے مرادف ہے۔ اس لئے سنہرے حروف سے قرآن کریم لکھنے اور اسے چاردانگ عالم میں پھیلانے کی تعبیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کی ابدیت، اس کی عظمت اور اس کے مدار نجات ہونے کے منکر ہیں ان کا کافر ومرتد ہونا ساری دنیا پر واضح کر دیا جائے تا کہ جو غبار انہوں نے قرآن کریم کی تعلیمات پر ڈالا ہے وہ صاف ہو جائے اور قرآن کریم کی روشن وتابندہ ہدایت واضح ہو جائے ...الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے یہ کام حضرت کے ہاتھوں سے لیا اور بہت سے ذی صلاح وتقوی شعار بزرگوں نے اس مقدس کام میں آپ کا ہاتھ بٹایا....اس تحریک کی کامیابی کیلئے دعائیں کیں، ختمات کا اہتمام کیا۔

تحریک ختم نبوت کی کامیابی پر آپ کو ایک اور انعام ملا۔ حضرت فرماتے تھے کہ تحریک کے بعد غالباً رمضان المبارک میں میں نے خواب دیکھا کہ ایک چاندی کی تختی مجھے عطاء کی گئی ہے اور اس پر سنہرے حروف سے یہ آیت لکھی ہے: انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم ۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ تحریک ختم نبوت پر مجھے انعام دیا جا رہا ہے اور اس کی یہ تعبیر کی کہ مجھے حق تعالیٰ بیٹا

عطاء فرمائیں گے اور میں اس کا نام سلیمان رکھوں گا۔ چنانچہ اس خواب کے دو سال بعد حق تعالیٰ نے ستر برس کی عمر میں آپ کو صاحبزادہ عطا فرمایا اور آپ نے اس کا نام سلیمان تجویز فرمایا۔ (شخصیات وتأثرات ص۴۰ تا ص/۱۰۰ ملخصاً از قلم مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ)

مقرر صاحب کو لگام دیجئے: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت بنوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے حق کے معاملہ میں غیرت وشدت کا خاص وصف عطا فرمایا تھا، وہ اپنی انفرادی زندگی اور عام برتاؤ میں جتنے نرم، خلیق اور شگفتہ تھے باطل نظریات کے بارے میں اتنے ہی شمشیر برہنہ تھے، اور اس معاملہ میں نہ کسی کی مداہنت یا نرم گوشے کے روادار تھے اور نہ مصالح کو اہمیت دیتے تھے۔ مولانا کا خاص مزاج تھا کہ وہ جمہور علماء سلف کے خلاف کسی نظریئے کو خاموشی سے برداشت نہ کرسکتے تھے۔ عام مجلسوں میں بھی انکا یہی رنگ تھا کہ غلط بات پر بروقت تنقید کر کے حق گوئی کا فریضہ نقد ادا کر دیتے تھے۔ ۱۹۶۸ء میں جب ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرس منعقد ہوئی (جس کا اہتمام ادارۂ تحقیقات کے سابق ڈائیریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کیا تھا) تو اس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک مقرر نے حضرت عمرؓ کی اولیات کو غلط انداز میں پیش کر کے مجددین کے آزاد اجتہاد کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہی اور اسکے لئے انداز بھی ایسا اختیار کیا کہ جیسے قوت اجتہادیہ میں حضرت عمرؓ کے اور ہمارے درمیان کوئی خاص فرق نہیں۔ اس محفل میں عالم اسلام کے مشہور اور جید علماء موجود تھے۔ لیکن اس موقع پر اس بھرے مجمع میں جن صاحب کی آواز سب سے پہلے گونجی، وہ حضرت مولانا بنوریؒ تھے، انہوں نے مقرر کی تقریر کے دوران ہی صدر محفل مفتیٔ اعظم فلسطین مرحوم سے خطاب کر کے فرمایا:

سیدی الرئیس ! ارجو کم ان تلجموا ھذا الخطیب ، ارجو کم ان تلجموہ ماذا یقول ؟

جناب صدر! ان مقرر صاحب کو لگام دیجئے، برائے کرم ان کو لگام دیجئے یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

ان کے یہ بلیغ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔

علامہ طنطاوی کی گرفت: علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوری مرحوم کا تعارف ہوا تو انھوں نے مولاناؒ سے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر (تفسیر الجواہر) کا مطالعہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ ''ہاں ! اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اس کی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کرسکتا ہوں علامہ طنطاوی نے رائے پوچھی تو مولاناؒ نے فرمایا'' آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کے لئے احسان عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہوگئی ہیں۔ سائنس کی کتابیں چونکہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں اس لئے عموماً علمائے دین ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، آپ کی کتاب علماء دین کے لئے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے اس سلسلے میں آپ کے طرز فکر سے مجھے اختلاف ہے۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنسدانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم سے ثابت کر دیا جائے اور اس غرض کے لئے آپ بسا اوقات تفسیر کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں آج آپ جس نظریئے کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ہوسکتا ہے کل وہ خود سائنسدانوں کے نزدیک غلط ثابت ہوجائے، کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآن کریم کی بات "معاذ اللہ" غلط ہوگئی!

مولانا نے یہ بات ایسے مؤثر اور دلنشیں انداز میں بیان فرمائی کہ علامہ طنطاوی مرحوم بڑے متأثر ہوئے اور فرمایا "ایھا الشیخ ! الست عالما ھندیا و انما انت ملك انزل اللہ من السماء لاصلاحی " (مولانا! آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں ہیں بلکہ آپ کوئی فرشتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لئے نازل کیا ہے)۔ یہ واقعہ میں نے مولانا سے بارہا سنا اور شاید ''بینات'' کے کسی شمارے میں بھی مولاناؒ نے اسے نقل بھی کیا ہے''۔ (نقوش رفتگاں ص/۸۸ تا ۹۲ ملخصاً)

حضرت بنوریؒ کی کاوی آمد اور سورۂ کہف جہراً پڑھنے پر نکیر: منشی عیسیٰ بھائی کاوی (بھروچ، انڈیا) تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اپنے قیام ڈابھیل کے زمانہ میں کاوی ہی کے اپنے ایک شاگرد رشید کی دعوت پر میرے وطن (کاوی ضلع بھروچ) تشریف لائے کاوی کی بڑی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے

قصد سے پہنچے اور بعد نماز جمعہ حضور والا کی تقریر بھی اسی مسجد میں طے ہوئی تھی اسی مسجد میں ان کی آمد سے قبل زور زور سے اجتماعی طور پر سورۂ کہف قبل الجمعہ پڑھنے کا رواج تھا اسی طریقہ پر زور زور سے سورۂ کہف پڑھی جارہی تھی اور لوگ اپنے وقتی سنن بھی ادا کررہے تھے حضرت والا نے مسجد میں تشریف لاتے ہی منع کرتے ہوئے فرمایا کہ آہستہ پڑھیں تاکہ سنن ادا کرنے والوں کی نماز میں خلل نہ ہوتاہم بعض حضرات اپنی ضد پر قائم رہے اور زور سے پڑھتے رہے۔

بعد نماز جمعہ حضرت والا تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ ارادہ تو دوسرے مضمون کے بیان کرنے کا تھا مگر حالات نے مجھے سورۂ کہف ہی پر کچھ بولنے پر مجبور کردیا! پھر حضرت والا نے سورۂ کہف کے فضائل کی بے شمار احادیث بیان فرمائیں اور آخر میں یہ بھی واضح کردیا کہ ان فضائل کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ موقع بے موقع پڑھا جائے بلکہ وقت ومقام کا پاس ولحاظ ہو۔ مذکورہ طریقہ سے چونکہ سنن ادا کرنے والوں کو اپنے سنن ادا کرنے میں خلل واقع ہوتا ہے اس لئے یہ رواجی طریقہ مناسب نہیں حضرت والا کے زور خطابت اور عالمانہ وقار اور صلابت رائے کا اثر یہ ہوا کہ اس دن سے ہمیشہ کے لئے یہ بدعت بند ہوگئی۔ جزاهم الله خير الجزاء (بینات ص/۶۲۴)

وفات (مہمان لینے آگئے ہیں): اسلامی مشاورتی کونسل میں شرکت کے لئے اسلام آباد تشریف لے گئے تھے اسی درمیان ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء بروز سوموار ۵/بجے کے قریب دل کا آخری دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس موقع پر موجود ڈاکٹروں نے دوا دینی چاہی مگر بقول اس وقت موجود اسٹاف کے حضرت نے فرمایا کہ ’’ہمیں تو مہمان لینے کے لئے آگئے ہیں اب دوائی بس کریں اور ہم تو چلے‘‘ یہ کہہ کر ذرا بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھا اور السلام علیکم کہہ کر قبلہ کی طرف منہ کرلیا اور اپنے محبوب حقیقی سے اس کی راہ میں اس کے دین کی تڑپ اور جدوجہد میں جاملے۔ انا لله وانا اليه راجعون (بینات ۷۲۵)

۲ حضرت مولانا حمید الدین صاحب فیض آبادیؒ

نام: حضرت مولانا حمید الدین فیض آبادیؒ (سابق شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ)

پیدائش: مولانا کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں وطن مالوف ہنسور ضلع فیض آباد میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے اولاً قصبہ میں مشہور استاذ حفظ جناب حافظ نور محمد صاحب ہنسوری کی خدمت میں رہ کر قرآن کریم کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم ہنسور میں داخلہ لے کر جناب مولانا حکیم عبدالرحمٰن خانصاحب سمور خانپور سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ حکیم صاحب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے تلامذہ میں تھے۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تعلیم حاصل کی تھی۔ فارسی زبان کے بڑے ماہر اور حاذق حکیم تھے۔ نبض شناسی میں یدِ طولی حاصل تھا۔

تعلیم کی تکمیل: اس کے بعد آپ اعلی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے لیکن یہاں ابھی تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی کہ وہ مشہور واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کو دارالعلوم چھوڑ کر ڈابھیل آنا پڑا۔ آپ بھی استاذ محترم کے ساتھ ڈابھیل جانے والوں میں شامل ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے ڈابھیل آکر دورۂ حدیث شریف پڑھا اور یہیں سے سند فراغت حاصل کی۔

مکتوب مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ: مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ کی فراغت ۱۳۴۷ھ میں ہوئی۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ آپ کے ہم جماعت تھے۔ اس سال حضرت شاہ صاحب علیل ہوکر تبدیل آب وہوا کے لئے دیوبند تشریف لے گئے تھے۔ درمیان سال حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے درس بخاری شریف دیا۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس مستقل مسلم شریف کا سبق تھا اور حضرت شاہ صاحب کی علالت کی بناپر ترمذی شریف بھی علامہ عثمانیؒ نے مکمل کرائی۔ اس سال دورۂ حدیث شریف میں ۵۹ طلبہ تھے۔ دستار بندی وتقسیم اسناد حضرت شاہ صاحبؒ وعلامہ عثمانیؒ کے ہاتھوں ہوئی...... حضرت مولانا (حمید الدین صاحبؒ) مرحوم کے دورۂ حدیث شریف کے نمبرات حسب ذیل ہیں: بخاری شریف (۴۷) مسلم شریف (۵۰) ترمذی شریف (۵۰) ابوداؤد شریف (۵۰) ابن ماجہ (۵۰) مؤطا امام محمدؒ (۵۰) مؤطا امام مالکؒ (۵۰) شمائل ترمذی (۵۰) طحاوی شریف (۵۰) بیضاوی شریف (۴۹)۔ اپنی جماعت میں پانچویں

پوزیشن حاصل کی۔'' (مکتوب مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل)

منصب تدریس: فراغت کے بعد آپ نے اولاً ہنسور کے مدرسہ اشاعت العلوم میں ایک سال حسبةً للہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد پیر جھنڈا اکلاں کے ایک عربی مدرسہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، مگر وہاں کی آب وہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے زیادہ قیام نہ ہوسکا۔ اس کے بعد مدرسہ نور العلوم بہرائچ میں خدمت حدیث شریف پر مامور ہوئے وہاں سے شوال ۱۳۶۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۴۱ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاذ حدیث آپ کا تقرر ہوا۔ حضرت مولانا محمد رابع صاحب لکھتے ہیں حضرت مولانا سید حمید الدین صاحبؒ کے متعلق ہمارے یہاں (دار العلوم ندوۃ العلماء) کے ریکارڈ سے یہ بات ملی ہے کہ مولاناؒ کا تقرر بحیثیت محدث دار العلوم ندوۃ العلماء ۱۹۸۱ء میں ہوا اور مولانا نے کتب صحاح کی جن میں خاص طور پر جامع ترمذی ہے تین سال تدریس فرمائی مولاناؒ کا تعلق دار العلوم سے ۱۹۴۵ء تک رہا۔

۱۹۶۵ء میں آپ اپنے مرشد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حکم پر ندوۃ سے دوبارہ مدرسہ نور العلوم بہرائچ تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے ۱۹۴۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر آپ کا تقرر ہوا اور آپ مستقل طور پر کلکتہ میں مقیم ہوگئے درمیان میں ۱۹۵۵ء میں کچھ عرصہ کے لئے دار العلوم دیوبند میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے بھی آپ کا قیام رہا لیکن مدرسہ عالیہ کلکتہ کے ذمہ داران کے اصرار پر آپ پھر کلکتہ واپس تشریف لے آئے اور اخیر عمر تک مدرسہ عالیہ ہی سے وابستہ رہے اس دوران سیکڑوں تشنگان علوم نے آپ سے اکتساب فیض کیا نیز کلکتہ کے عوام وخواص پر بھی آپ نے اپنی علمی قابلیت اور جلالت شان کی گہری چھاپ چھوڑی۔

صف اول میں جماعت کا اہتمام: صف اول میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام تھا اس کے لئے کم از کم بیس پچیس منٹ پہلے مسجد میں پہنچ جاتے جہاں جہاں بھی رہے ہر جگہ کا یہی حال رہا کلکتہ میں کولوٹولہ کی مسجد میں اگر امام صاحب کبھی فجر کی نماز میں نہیں پہنچ سکے تو مولانا پڑھایا کرتے تھے امام صاحب بھی مطمئن رہتے تھے کہ حضرت مولانا پڑھادیں گے۔

کلکتہ میدان میں عیدین کی نماز: کلکتہ خلافت کمیٹی کے متفقہ فیصلہ کے مطابق مولانا نے برسوں

کلکتہ میدان میں عیدین کی نماز پڑھائی۔ یہ وہ میدان ہے جس میں مولانا ابوالکلام آزادؒ عیدین کی نماز پڑھا کر امام الہند بنے۔

تبلیغی سرگرمیاں: مولانا ۱۹۵۰ء میں کلکتہ تشریف لے گے تھے اس وقت تبلیغی جماعت کا مرکز ٹیپو سلطان کی مسجد میں تھا جمعرات کو عشاء کی نماز کے بعد برسوں مولانا صاحب کے بیان کا سلسلہ رہا جماعت کے ایک ہمدرد حاجی صالحین صاحب مرحوم بڑی پابندی کے ساتھ اپنی گاڑی لے کر آتے اور مولانا کو لے جاتے۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ میں طلبہ کی اسٹرائک: مدرسہ عالیہ میں مولانا کی جگہ جن صاحب کا تقرر ہوا طلبہ ان سے مطمئن نہ ہوسکے اس لئے اسٹرائک کردی۔ اور مطالبہ کیا کہ حضرت مولانا سید حمید الدینؒ کو فوراً بلایا جائے اس وقت وہاں کے پرنسپل مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی تھے وہ پریشان ہوگئے انہوں نے اپنے دوستوں (مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ) سے رابطہ قائم کرکے صورت حال بتلائی اور سرکاری مدرسہ ہونے کی وجہ سے سخت خطرات کا اظہار کیا اور مولانا کی علی الفور واپسی کا مطالبہ کیا مذکورہ ہر دو حضرات دار العلوم کی مجلس شوری کے سرگرم رکن تھے مجلس شوری میں یہ مسئلہ پیش ہوا طے کیا گیا کہ عارضی طور پر ہنگامہ فرو کرنے کے لئے حضرت مولانا کو اس شرط پر کلکتہ واپس بھیجا جائے کہ جب بھی دار العلوم کو ضرورت ہوگی بلا لیا جائیگا چنانچہ اس تجویز کے مطابق مولانا کلکتہ تشریف لے گئے اور آپ کے پہنچتے ہی طلبہ نے اسٹرائک ختم کردی۔

بستی کے ایک مقام پر اہل حدیث سے مناظرہ: بستی میں ایک گاؤں کے کچھ حضرات نے اہل حدیث سے مناظرہ ٹھان لیا بعد میں مولانا کے پاس آئے اپنی پریشانی ذکر کی اور مناظرہ میں شرکت کے لئے اصرار کیا مولانا نے ان کے اصرار پر منظور فرمالیا پورے علاقے میں اس کا بہت چرچہ ہوا ضلع کے باہر سے بھی لوگ آئے بالخصوص اہل حدیث فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ان کے علماء بیل گاڑی میں بھر کر کتابیں لے گئے تاکہ عوام کتابوں کو دیکھ کر ان کے حق پر ہونے کا احساس کرے مولانا مرحوم نے منتظمین جلسہ سے ایک کتاب بھی فراہم کرنے کی فرمائش نہیں کی جس سے قدرتی طور پر ان حضرات

کوتشویش ہوئی بالآخران میں سے بعض حضرات نے مولانا سے اپنی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ فرمائے تو ہم بھی کچھ کتابیں مہیا کریں مولانا نے فرمایا کہ جو کتابیں وہ حضرات لائے ہیں وہی ہمارا کام بھی دیں گی الگ سے کتابیں لانے کی ضرورت نہیں ہے مگر اہل حق تشویش میں رہے کہ اپنے پاس ایک کتاب بھی نہیں اگر کسی کتاب کا حوالہ مانگ لیا تو کیا ہوگا۔

مناظرہ شروع ہوا علمائے اہل حدیث نے اپنے مطلب کی روایت پڑھ کر بطور استدلال اس کو پیش کیا مگر پوری عبارت پڑھنے کی بجائے صرف اتنا حصہ پڑھا جس سے ان کا مقصد حاصل ہوجائے مولانا فوراً اٹھے اور فرمایا کہ اس روایت کو پوری کیوں نہیں پڑھتے پھر خود زبانی پوری روایت پڑھی اور فرمایا یہی ہمارا مستدل ہے وہ حضرات اس کا جواب نہ دے سکے خاموش ہو گئے۔ یہی صورت بہت سی جگہوں پر ہوئی ان حضرات نے اپنے استدلال میں جس روایت کو بھی پیش کیا مولانا نے برمحل اس کا اسی طریقہ سے جواب دیا اس کا اثر عوام پر یہ ہوا کہ اہل حدیث حضرات تو کتاب دیکھ کر بھی صحیح عبارت نہ پڑھ سکتے اور مولانا صاحب حافظ کی طرح فرفر پوری حدیث پڑھتے چلے جاتے مولانا صاحب کا مقابلہ یہ لوگ کیا کرینگے پھر استدلال کتنا قوی اور اپنی بات سمجھانے کے کتنے سہل طریقے اسی پر مناظرہ اہل تقلید کی کامیابی پر ختم ہوگیا اس علاقہ کے خواص کے دلوں میں اب بھی اس مناظرہ کی یادتازہ ہے۔

طریقۂ درس: مولانا بوقت درس کتاب اپنے سامنے نہیں رکھتے تھے طالب علم نے عبارت پڑھی۔ مولانا نے تقریر شروع کردی یہی حال ساری کتابوں کے درس کا تھا مگر مطالعہ ہر کتاب کا بہت اور بہت پابندی کے ساتھ فرماتے تھے بوقت مطالعہ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر ہوتا تھا اور بہت جم کر مطالعہ فرماتے تھے دوران درس مضامین مرتب اور مسلسل ہوتے تھے سمجھانے کا طریقہ بہت سہل اور آسان ہوتا تھا جو طالب علم کے دل میں اترتا چلا جاتا تھا مذاہب اربعہ کا بیان نہایت دلچسپ ہوتا جس سے جگہ بہ جگہ امام ابوحنیفہؒ کا فضل ظاہر ہوتا تھا اسی کے ساتھ ساتھ دوسرے امام کی تنقیص بھی سامنے نہیں آتی تھی۔

دارالعلوم میں مسلم شریف کا کامیاب درس: مولانا کا دارالعلوم میں جب شیخ التفسیر کے عہدہ پر تقرر کیا گیا تو دورۂ حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف بھی پڑھانے کے لئے دی گئی یہ کتاب اسوقت امام المعقولات علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ پڑھاتے تھے مولانا ان کے شاگرد تھے استاذ کی موجودگی میں خاص ان کی کتاب دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں بیٹھ کر پڑھانا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن مولانا نے نہایت کامیابی کے ساتھ اس کا درس دیا، جس کا اعتراف طلبہ نے وقیع الفاظ میں کیا اور حضرت علامہ نے فرمایا کہ مجھے تو ان کی استعداد اور صلاحیت پہلے سے معلوم ہے اس وقت کے شاگردوں میں مشہور مبلغ مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری مرحوم اور مولانا معین الدین گونڈوی قابل تذکرہ ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر تقرر: مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے دور نظامت میں ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث بنائے گئے تقریباً پانچ سال تک وہاں رہے مختلف جگہوں پر کرایہ کے مکان میں قیام رہا پہلے گوئن روڈ پر جہاں ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کا مکان تھا اس محلّہ میں رہے پھر پاٹا نالہ میں قیام رہا امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحبؒ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے مولانا سے بے انتہاء محبت کرتے تھے لکھنو میں سیرت کے جلسہ میں خاص طور پر مولانا بلائے جاتے تھے۔

اس زمانہ میں ایک خاص بزرگ صوفی عبدالرب صاحب تھے جو عوام وخواص میں خاصے مقبول تھے ان کا مولانا سے بہت زیادہ تعلق تھا جب بھی لکھنو یا اطراف میں آتے تھے ملاقات کے لئے ضرور تشریف لاتے تھے اور مولانا صاحب بھی ان سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے یہ سلسلہ زمانۂ قیام بہرائچ میں بھی جاری رہا۔

ندوۃ کے زمانۂ قیام میں جن شاگردوں کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں حضرت مولانا معین اللہ صاحب ندوی، حضرت مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی، مولانا محبّ اللہ صاحب ندوی مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی، مولانا محمد رابع صاحب حال ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی حال مفتی دارالعلوم دیوبند حکیم معراج الحسن صاحب لکھنوی مکۃ المکرّمہ مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی (اعظم گڑھ) وغیرہ ہیں۔

مدرسہ نورالعلوم بہرائچ: مولانا کا قیام بہرائچ میں تقریباپانچ سال رہا اس میں علمی وتربیتی لحاظ سے

مدرسہ کو بے حد شہرت وترقی ملی اسی زمانہ میں دورۂ حدیث کا درجہ قائم کیا گیا اس وقت کے فضلائے نور العلوم مولانا محمد نعمان صاحب نوری مرحوم مولانا محمد رضوان صاحب مکی کے والد تھے اخیر میں مکۃ المکرّمہ اقامت اختیار کرلی تھی وہیں وصال ہوا اللہ تعالی جنۃ الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے امین اور مولانا محمد عرفان صاحب مولانا عبد الباری صاحب صوفی محمد احمد صاحب، حافظ حبیب احمد صاحب، مولانا منفعت علی صاحب، مولانا عبد الکریم صاحب، مولانا سمیع اللہ صاحب وغیرہ۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ! درس حدیث کے لئے فرش کا اہتمام: مولانا مرحوم جب مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ابتدائی درجات سے لے کر انتہائی درجہ تک تعلیم میز اور کرسی پر ہو رہی ہے اس وقت وہاں کے پرنسپل مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم تھے آپ نے ان سے درجات حدیث میں بھی میز کرسی پر تعلیم ہونے پر احتجاج کیا انہوں نے کہا کہ مولانا یہاں تو گورنمنٹ کو لکھنا پڑیگا بغیر اس کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ مولانا نے مغربی بنگال کے محکمۂ تعلیم کے ڈائرکٹر جنرل کو تفصیل کے ساتھ ایک خط لکھا جس میں درس حدیث کی خصوصیت اور فرش زمین پر بیٹھ کر پڑھنے اور پڑھانے کی اہمیت کو واضح کیا اس خط کے پہنچنے کے بعد دو ہفتہ کے اندر اندر منظوری آگئی جس کے نتیجے میں دورۂ حدیث کی درسگاہ سے میز کرسیاں نکل گئیں ان کی جگہ دری اور چادر نے لے لی جس پر وہاں کے دورۂ حدیث کے اساتذہ نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے لئے شیخ الحدیث کے عہدہ کی پیشکش: حادثۂ وفات سے دو سال قبل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات کی مجلس شوری نے ایک مؤقر وفد مولانا کے پاس کلکتہ بھیجا جس نے یہ درخواست کی کہ آپ جب بھی کلکتہ سے ہٹیں تو ڈابھیل مدرسہ میں تشریف لے آئیں اور کہیں نہ جائیں۔ اس لئے مدرسہ کے ذمہ داروں نے خاص طور ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ وعدہ کر کے ہمیں مطمئن کردیں مولانا نے فرمایا کہ موت اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ابھی سے میں کیسے آپ سے وعدہ کرلوں وقت پر دیکھا جائے گا مگر افسوس کلکتہ سے ہٹنے سے پہلے خدا نے دنیا ہی سے آپ کو اٹھالیا۔

حضرت مولانا کشمیری سے خصوصی تلمذ: مولاناؒ حضرت علامہ کشمیریؒ کے خصوصی تلمیذ تھے حضرت علامہ یوسف بنوریؒ آپ کے خصوصی درسی ساتھی تھے آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ فراغت کے بعد ہی سے آپ کو بخاری شریف کا درس دینے کے لئے منتخب کیا جاتا رہا سب سے پہلے آپ مولانا عبید اللہ سندھیؒ مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ دار الرشاد پیر جھنڈا اکلاں حیدرآباد سندھ تشریف لے گئے مگر آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے ایک سال سے زیادہ نہ رہ سکے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز نے آپ کو واپس بلالیا پھر جہاں جہاں حضرت آپ کو جانے کا حکم فرماتے رہے آپ جاتے رہے۔

رمضان المبارک کا اہتمام: حضرت مدنی قدس سرہ نے ۱۹۴۸ء سے ماہ مبارک اپنے وطن مالوف ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں گذارنا شروع کیا (تقسیم وطن سے قبل سلہٹ میں گذارا کرتے تھے جو ۱۹۴۷ء میں مشرقی پاکستان کے حصہ میں آگیا تھا اور اب بنگلہ دیش میں ہے) اس وقت سے مولانا نے بڑے اہتمام سے حضرت مدنیؒ کے ساتھ رمضان المبارک گذارنا شروع فرمایا یہ سلسلہ جب تک ٹانڈہ میں حضرت کا رمضان گذرتا رہا برابر جاری رہا۔

حادثۂ جانکاہ: دار العلوم دیوبند کی مجلس شوری میں شرکت کے لئے مولانا کلکتہ سے کالکا میل سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے اہل خانہ ساتھ تھے دہلی سے بذریعۂ کار عصر کے بعد دیوبند کے لئے روانہ ہوئے مغرب کی نماز میرٹھ میں مسجد میں پڑھی وہاں کے احباب نے چائے پلا کر روانہ کیا نومبر کا مہینہ تھا۔ سردی کا آغاز ہوچکا تھا تقدیر الہی اپنی کارگزاری کے لئے مستعد تھی وقت اجل آپہنچا تھا کھتولی اور مظفر نگر کے درمیان ایک کھڑے ہوئے ٹرک سے تصادم ہوا مولانا نے علی الفور موقعۂ واردات پر ہی جام شہادت نوش کیا ڈرائیور نے بھی ساتھ نہ چھوڑا یہ واقعہ ۱۶/نومبر ۱۹۶۸ء کا ہے حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم کا بچہ محمد مرحوم بھی دو تین روز کے بعد اپنے نانا سے جاملا (آپ رشتہ میں حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے خسر بزرگوار ہیں)

مولانا کی خواہش کی تکمیل منجانب اللہ: کلکتہ کے زمانۂ قیام میں اہل تعلق میں سے اگر کسی کے جنازہ کے ساتھ قبرستان جانا ہوتا تو واپسی کے بعد گھر میں فرماتے کہ مرنے کی جگہ تو مدینہ منورہ ہے اور

اگر ہندوستان میں موت آئے تو دیوبند میں قبرستان قاسمی میں جگہ ملنی چاہیے ان کی یہ خواہش اللہ نے کس طرح سے پوری فرمائی زندگی کا بیشتر حصہ کلکتہ میں گذرا آخر وقت میں مسبب الاسباب نے کس طرح دیوبند پہونچنے کے اسباب مہیا فرما دیئے اور قبرستان قاسمی میں اپنے شیخ (حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ) کے قریب اور اپنے اساتذہ (شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور امام المعقولات حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمھم اللہ) کے جھرمٹ میں ابدی آرامگاہ تجویز فرمائی۔

قاری اصغر علی صاحب مرحوم (پرائیویٹ سیکریٹری حضرت شیخ الاسلامؒ) دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے ان کا بیان ہے کہ میرا متعدد بار حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہ کے ساتھ فاتحہ خوانی کے لئے قبرستان قاسمی جانا ہوا وہاں حضرت مدنیؒ نے اس خطہ کی طرف اشارہ کر کے جہاں حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر اکابر رحمھم اللہ محو استراحت ہیں۔ فرمایا کہ اگر اس خطہ میں کسی کو سر چھپانے کی بھی جگہ مل جائے تو ان شاء اللہ نجات کے لئے کافی ہے اس بنا پر قاری صاحب مرحوم جب بھی اپنے وطن سہنسپور تشریف لے جاتے تھے تو یہ وصیت کر کے جاتے تھے کہ اگر میرا وہاں انتقال ہو جائے تو میت کو یہیں لاکر قبرستان قاسمی میں دفن کیا جائے۔ (مشاہدات وتأثرات)

۳ حضرت مولانا ابراہیم صاحب سنجالیؒ

مولانا مفتی ابراہیم داؤد سنجالی صاحبؒ: جامعہ کے اولین فضلاء میں ان کا شمار ہے، ۱۳۴۷ھ میں فراغت پائی، اعلی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ فراغت کے فوراً بعد افریقہ چلے گئے وہاں علماء کے سرخیل سمجھے جاتے تھے۔ اخیر تک افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے، لوگوں کو آپ کے فتاوی پر کافی اعتماد تھا۔ وہاں علم کی اشاعت کا بھی بڑا کام کیا ہے۔ غالباً ۱۴۰۴ھ میں افریقہ ہی میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

آپ کی خدمات کا اس سے زیادہ تعارف معلوم نہ ہوسکا۔ اور تو اور، خود ''اکابرین گجرات'' کے مؤلف بھی خاموش ہیں۔

۴ مولانا اسماعیل گارڈی افریقی

گارڈی خاندان کی جامعہ ڈابھیل میں بڑی خدمات ہیں جامعہ کے ابتدائی دور میں جامعہ کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا حضرت علامہ کشمیریؒ نے ۱۳۴۹ھ کے سالانہ اجلاس دستار بندی میں اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ''جامعہ میں طلباء اور مدرسین کی راحت کے لئے پانی کا انتظام ہو جائے تو بہتر ہے''۔ اس کے چند ہی ماہ کے بعد جناب سیٹھ حاجی یوسف گارڈی (والد محترم مولانا اسماعیل گارڈی) نے حضرت شاہ صاحب کے منشاء کی تکمیل کا ارادہ کرلیا۔ جامعہ کے کتب خانہ میں گارڈی فیملی کی دی ہوئی کتب کا بڑا ذخیرہ ہے۔

بقول قاضی اطہر مبارکپوریؒ (سابق استاذ جامعہ ھذا) اس وقت جامعہ اسلامیہ میں ایک شعر مشہور تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ:

''گارڈی نے علم کی میخ گاڑ دی''

تعلیم: مولانا اسماعیل گارڈی کی ابتدائی تعلیم کا علم نہیں لیکن حضرت علامہ کشمیریؒ اور ان کے رفقاء کی جامعہ میں تشریف آوری سے قبل وہ جامعہ ڈابھیل ہی میں زیر تعلیم تھے۔ تاریخ جامعہ میں ہے:
''اس درجہ (یعنی درجہ عربی ششم) میں صرف ڈابھیل کے ایک طالب علم اسماعیل یوسف گارڈی فقط مشکوۃ، جلالین پڑھتے تھے'' (ص/۴۰) البتہ اس سے پہلے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی تھی جیسا کہ ان کے والد صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد صاحب نے دارالعلوم کے مہتمم صاحب مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے نام ایک خط تحریر فرمایا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مولوی اسماعیل گارڈی کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا تھا۔ خط کی عبارت یہ ہے ''اگر اس کے لئے (یعنی مولوی اسماعیل کے لئے) معلم صاحب علیحدہ مقرر فرمائیں تو اس صورت میں جو مشاہرہ ہوگا وہ بندہ اپنی جیب سے دیگا بشرطیکہ آپ بھی مناسب سمجھیں''

ایسا لگتا ہے کہ مولانا اسماعیل گارڈی صاحب کے والد کا خط پہنچنے سے پہلے وہ دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل آ گئے تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے بذریعہ خط اس کی اطلاع مولانا احمد بزرگؒ

(المتوفی ۱۳۷۱ھ جامعہ ڈابھیل کے سابق مہتمم) کودی جس میں مولوی اسماعیل صاحب کی دوبارہ دارالعلوم میں آمد کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔

مکتوب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ بنام مولانا احمد بزرگؒ مولانا اسماعیل گارڈی کی تعلیم کے متعلق

از: دارالعلوم دیوبند۔ ۵ محرم الحرام ۳۴۴ھ

برادر مکرم مولوی احمد بزرگ صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

عزیز محمد اسماعیل گارڈی کچھ تو بوجہ بیماری اور کچھ بوجہ دلی برداشتگی یہاں سے چلے گئے صوفی محمود حسن صاحب نے مفصل خط آپکو لکھ دیا تھا۔ میں نے اونکے لئے آرام کی جگہ کا انتظام کر کے ان کو دکھلا دیا تھا اور اسباق کے متعلق یہ کہہ دیا تھا کہ میں مستقل اوستاد کا انتظام کر دونگا، مگر چونکہ اونکا دل زیادہ گھبرا گیا تھا اس لئے میں نے یہ کہہ کر اجازت دے دی تھی کہ جلد واپس آ جائیں۔ آپ نے اونکے پہونچنے اور اونکے ارادہ کے متعلق کچھ تحریر نہیں فرمایا، آج اونکے والد صاحب کا خط آیا، جسکی نقل بھیجتا ہوں انکے والد صاحب کے شوق کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ وہ یہاں آ جائیں، مستقل اوستاد اونکے لئے مقرر کر دیا جائیگا۔ اوستاد کی تنخواہ مدرسہ دیگا۔ آرام کی جگہ دی جائیگی۔ امید ہے کہ عزیز محمد اسماعیل اب تندرست ہونگے اور آپ جلد اونکو یہاں بھیج دیں گے۔ میں آپ کے خط آنے تک اونکے والد صاحب کو کچھ نہ لکھوں گا۔ فقط والسلام۔

احقر حبیب الرحمٰن، مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ (نقوش بزرگاں ۲/۲۶۱)

مولانا اسماعیل گارڈی کا شمار جامعہ ڈابھیل سے فارغ ہونے والی پہلی جماعت میں ہے فراغت کے بعد ان کی خدمات کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

مولانا احمد رضا بجنوریؒ ان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ”افریقہ کے بہت بڑے تاجر، حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ رشید و عقیدت مند، علمی دینی خدمات سے ہمیشہ دلچسپی رکھتے ہیں دارالعلوم دیوبند، جامعہ ڈابھیل وغیرہ دینی اداروں کی مالی سرپرستی میں پیش پیش رہتے ہیں بلند علمی مذاق ہے، قرآن مجید کے کچھ حصہ (غالباً سورۂ یٰس وغیرہ) کی انگریزی زبان میں تفسیر لکھ کر شائع کی ہے اپنے دو صاحبزادوں کو عربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجا ہے“ (انوار الباری حصہ دوم ص ۲۶۱)

مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں ”ڈابھیل گجرات کے باشندہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ تھے ان کے والد افریقہ پہنچے معمولی کاروبار سے ابتداء کی پھر رئیس التجار ہو گئے مال و دولت کا یہ عالم ہے کہ اس کی صحیح حیثیت خاندان کے افراد کو بھی معلوم نہیں ان کا سرمایہ افریقہ، بمبئی اور بہت سے شہروں میں پڑا ہوا ہے اپنی بستی میں مولانا اسماعیل صاحب گارڈی (کے خاندان) نے ایک ہسپتال عام پبلک کے لئے کھولا جس سے عوام کو طبی سہولتیں مفت مہیا کی جاتی ہیں اور اس بستی میں بجلی اور پانی کا بھی انتظام کیا نوساری میں ایک مسافر خانہ بھی انہیں کی امداد و تعاون سے چلتا ہے ڈابھیل کے مدرسہ کی تعمیر اور کچھ سال تن تنہا اس کے متکفل رہے تجارت میں صبح شام شب و روز کی مشغولیت کے باوجود علم تازہ، مضامین مستحضر اور بڑے خوش نویس تھے مثنوی مولانا روم کے عاشق اور دلچسپ وعظ کہتے تھے خاکسار کے پاس کبھی کبھی گرامی نامہ آتا تھا تو نگارش فاضلانہ و عالمانہ محسوس ہوتی اب افریقہ کی سرزمین میں محوخواب ہے (۱۴۰۴ھ میں انتقال ہوا) **اللھم برد مضجعہ**“ (لالۂ وگل ص ۲۲۹)

مولانا عبد اللہ کاپودروی مدظلہ نے بتلایا کہ ”انہوں نے اپنے مکان میں ایک مکتب جاری کر کے دینی تعلیم کا انتظام کر رکھا تھا“

مولانا اسماعیل گارڈی نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جامعہ ڈابھیل کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی کا برتاؤ جاری رکھا۔ انہوں نے مولانا محمد سعید بزرگؒ کے دور اہتمام میں جامعہ کی جانب شمال میں واقع زمین کا ایک حصہ برائے جامعہ عنایت فرمایا۔

مولانا احمد بزرگؒ نے ۱۳۵۶ھ میں جامعہ کی ترقی کے لئے سفر افریقہ کیا تھا جس کی تفصیل

احقر کی کتاب ''نقوش بزرگان جلد اول'' میں ہے سفر کی روئیداد میں مولانا احمد بزرگؒ رقم طراز ہیں:

''جناب حاجی مولانا اسماعیل گارڈی کا بھی ممنون ہوں کہ وہ بھی کیپ کلونی میں میرے دست و بازو رہے اور ایک طویل سفر کی مشقت محض لوجہ اللہ تعالی برداشت کی'' (روئیداد ۱۳۵۶ھ)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل جن خطرات اور نامساعد حالات سے گذرا اس کی کڑوی داستان ہے، جامعہ پر ایک دور وہ بھی آیا تھا کہ آپسی اختلافات کے نتیجہ میں جامعہ کا نظم ونسق حکومت کے ہاتھ میں جاچکا تھا جس کی نحوست یہاں تک نمایاں ہوئی کہ جامعہ علمی اور انتظامی اعتبار سے انتہائی پستی میں جاپڑا اور اس کی یہ بدحالی اہالیان ڈابھیل وسملک کو بھی خون کے آنسو رلانے لگی۔ ایسے وقت آپسی اختلافات کو مٹانے اور صلح جوئی کی طرف جن ارباب حل وعقد نے قدم بڑھایا ان میں مولانا اسماعیل گارڈی کا بڑا حصہ ہے، مولانا عبدالحق میاں صاحب سملکیؒ جو اس اختلاف کی تمام تفصیلات سے بخوبی واقف تھے ان کی شہادت انہیں کے قلم سے سنئے۔

ڈابھیل جامعہ کے اختلاف کا اطمینان بخش اختتام: ڈابھیل کے مشہور سخی اور جنوبی افریقہ کی معروف شخصیت بڑے تاجر جناب یوسف گارڈی (مرحوم ومغفور) کے فرزند ارجمند جناب مولانا اسماعیل یوسف گارڈی صاحب کی جنوبی افریقہ سے تشریف آوری یقیناً بہت ہی مبارک اور باعث خیر وبرکت ثابت ہوئی ہے۔ ان کی جانفشان قابل قدر نیک کوششوں کی وجہ سے ڈابھیل کے مشہور ومعروف ادارہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے سالوں پرانے مخاصموں اور آپسی اختلافات کا خاتمہ ہوکر نیک انجام رونما ہوا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل فراموش نہیں کہ ان اختلافات نے مخالفت کی صورت اختیار کرلی تھی بات ایں جارسید کہ کورٹ کچہری میں معاملہ جاپہنچا اور حکومت کو اس کے انتظام اور نظامت میں مداخلت کرنی پڑی تھی ان تمام باتوں کی وجہ سے ڈابھیل جامعہ جیسی اہم دینی خدمات کو انجام دینے والی ایک مشہور وبین الاقوامی مقتدر دینی درسگاہ کو بہت ہی سہنا پڑا تھا اور وہ انتہائی پستی وقعر مذلت میں جاگری تھی۔ خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ ڈابھیل کے عالم دین اور دوراندیش جناب مولانا اسماعیل یوسف گارڈی صاحب ایسے خاص واہم موقع پر جنوبی افریقہ سے تشریف لے آئے اور جامعہ ڈابھیل کے سالانہ جلسہ کی صدارت بھی انہوں نے فرمائی اور سالوں پرانے قضیوں کا بھی ان کے دست بابرکت پر خاتمہ ہوا۔

ہم تمام خداوند کریم سے یہ امید رکھے کہ یہ اختلافات کا رفع ہونا ہمیشہ کے لئے ہو اور سب کاندھے سے کاندھا ملاکر ادارہ کی فلاح وبہبودی کے لئے نیز اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو از سر نو حاصل کرنے کے لئے کمر کسیں اور اس طرح اللہ کی رضامندی حاصل کریں اور اس کے دین کو پھیلانے میں اپنے سے بنتی ہر ممکن سعی فرمائیں۔

جناب مولانا اسماعیل گارڈی صاحب نے ڈابھیل پہنچ کر مدرسہ سے متعلق اختلافات کے دائمی حل کے لئے جدوجہد شروع فرمادی تھی اور بمقام بمبئی ۲۵ رفروری کو ان کے دار مسکنت میں قائم کی گئی میٹنگ میں ہر فریق نے اپنے اپنے اختلاف کو زیر زمین درگور کردینے کا مکمل یقین دلایا ہے۔ فی الحال ڈابھیل جامعہ کے مدیر ومہتمم کی حیثیت سے جناب مولانا محمد سعید احمد بزرگ صاحب اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ ان کے نیک مقاصد کو کامیاب فرمائے آمین جناب مولانا اسماعیل گارڈی صاحب نے حسب سابق ڈابھیل جامعہ کو ماہانہ ایک ہزار روپیہ کی امداد دوبارہ شروع کردینے کی آفر کی ہے ماشاءاللہ۔

ڈابھیل مدرسہ سے متعلق جو اختلافات پیدا ہوئے تھے ان کا حسن خاتمہ کرنے پر ہم مولانا اسماعیل گارڈی صاحب کے تہہ دل سے ممنون ومشکور ہیں اور بصمیم قلب انہیں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ (ماہنامہ الاصلاح شعبان ۱۳۷۹ھ فروری ۱۹۰۷ء)

مولانا اسماعیل گارڈی نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی اہلیہ محترمہؒ کی وفات پر ان کے صاحبزادہ مولانا سید ازہر شاہ قیصرؒ کے نام تعزیتی مکتوب تحریر فرمایا تھا جس سے ان کی علمی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ذیل میں مکتوب مولانا ازہر شاہ صاحب کی تمہید کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا اسماعیل گارڈی کا خط بنام مولانا سید ازہر شاہ صاحب قیصر

والدہ صاحبہؒ کے انتقال پر ہندوپاکستان اور حجاز وافریقہ سے غیر معمولی تعداد میں تعزیتی خطوط مجھے اور برادر عزیز مولوی سید محمد انظر شاہ سلمہ کو ملے مگر ان خطوط کو رسالہ دارالعلوم میں شائع کرنے کا ارادہ نہیں کیا گیا بعض اعزاء نے یہ تحریک کی کہ ایک مختصر سی کتاب میں اماں جی مرحومہ کے حالات اور یہ تعزیتی خطوط شائع کردئے جائیں اس طرح اکابر علماء اور ارباب صحافت وسیاست کے یہ خطوط محفوظ ہوجائیں گے اس دوران میں برادر مکرم ومحترم الحاج مولانا اسماعیل یوسف گارڈی دام مجدہ کا ایک مفصل مکتوب تعزیت موصول ہوا۔

مولانا موصوف کا پہلا تعارف تو یہ ہے کہ وہ جنوبی افریقہ کے ایک دولت مند تاجر ہیں جن کی تجارت ودولت کا شمار وہاں کے صف اول کے لوگوں میں ہوتا ہے۔

لیکن صحیح تعارف یہ ہے کہ ایک باخبر عالم، ایک فرض شناس اور متقی مسلمان ہیں۔ تجارت میں انہماک ومشغولیت کے باوجود مطالعہ ومذاکرہ کی راہ سے آپ کا علم تازہ ہے، وعظ بھی بہت اچھا کہتے ہیں اور تصنیف وتالیف کی صلاحیت بھی آپ کو حاصل ہے ذیل کے نصیحت آمیز خط سے احقر اور اس کے اہل خانہ بیحد متاثر ہوئے اور دلی تقاضہ ہوا کہ اس تأثر میں رسالہ دارالعلوم کے پڑھنے والوں کو بھی شامل کیا جائے عبرت ونصیحت کے جو کلمات اس خط میں مولانا کے قلم پر آگئے ہیں وہ ہر مسلمان کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہے احقر مولانا گارڈی کی بزرگانہ شفقت کے ساتھ ان تمام بزرگوں کا بھی بیحد شکر گزار ہے جنہوں نے والدہ صاحبہ مرحومہ کی تعزیت فرمائی تھی خاص طور پر مجھے یہاں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب اور محترم مولانا مسعودی صاحب کا شکریہ ادا کرنا ہے ہردو بزرگوں نے قید وبند کی زندگی اور خط وکتابت کی شدید پابندی کے باوجود تار اور خطوط سے تعزیت فرمائی تھی حق تعالی سب مخلصین کو اخلاص ومحبت کا اجر عنایت فرمائیں (سید ازہر شاہ قیصر)

محترم بھائی جناب مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب زید مجدکم!!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ کچھ عرصہ گذرتا ہے آپ کا ایک کارڈ موصول ہوا تھا جس میں آپ کی والدہ رحمۃ اللہ علیہا کی اس دارفانی سے رحلت کی اندوہناک خبر کا مضمون تھا، پڑھ کر افسوس ہوا۔ انا للہ وانا

الیہ راجعون !

آپ کے گھرانے سے اور بالخصوص آپ کے والد ماجد قدس سرہ العزیز امام المحدثین حضرت مولانا انور شاہ صاحب سے جو قریبی تعلق قیام ڈابھیل کے زمانہ سے رہا تھا اس کی یاد تازہ ہوگئی اور حضرت قدس سرہ کے وہ مضامین ومواعظ ذہن میں منقش ہونے لگے جو حضرت والا کے آخری دور میں اکثر وبیشتر سفر آخرت پر مشتمل ہوتے تھے جن سے **کل من علیہا فان** کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا۔

میں کیا عرض کروں آپ اور آپ کے بھائی محترم اپنی زندگی کو علمی ماحول میں گزار رہے ہیں باوجود اس کے زمانے کا رنگ اس سے الٹا ہے اور اس برکت کو اسی روح اقدس کا اثر سمجھنا چاہیے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست ::: تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

والدین کا وجود بمنزلہ دو آنکھوں کے ہے اور دونوں کا رحلت کر جانا دونوں آنکھوں کا فقدان ہے اور ان سے یقیناً رنج والم ہوتا ہے مگر احادیث سے ثابت ہے کہ ایک عالم کے اہل خانہ کی مغفرت اس کے علم کی برکت سے ہوتی ہے تو حضرت قدس سرہ کے فضل وکمال ومدارج کا کیا ٹھکانا حضرت قدس سرہ کی زندگی کے گوناگوں ادوار ذہن میں متلاطم ہیں مگر وقت مساعدت نہیں کرتا کہ انہیں معرض بیان میں لاسکوں۔

؎ کہاں یہ نکہت گل اور کہاں ہم   نسیم صبح تیری مہربانی

احادیث سے ثابت ہے کہ فرشتے طالب علم کے لئے پر بچھاتے ہیں اور حیطان البحران کا خیر مقدم کرتی ہیں اور الفاظ حدیث لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم نہیں وارث بنایا انہیں دینار ودرہم کا بلکہ وارث بنایا علم کا۔ او کما قال کا مضمون ہم وغم میں باعث خفت ہوجاتا ہے اور حضرت ابراہیم واسماعیلؑ کی نسبت قرآنی شہادت فلما اسلما وتلہ للجبین ۔ جب دونوں نے (خدائے متکلم کو) تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لئے) کروٹ سے لٹادیا۔ کا تصور قلب کے لئے تسکین کا باعث ہوجاتا ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کی تشریح نے حزن کے معاملہ کو اور بھی ہلکا کردیا فرمایا حزن عقلی اور

ہے اور حزن طبعی اور اولیاء اللہ کو حزن طبعی تو ہوتا ہے حزن عقلی نہیں ہوتا اور یقیناً حزن عقلی غالب ہے اور حزن طبعی مغلوب اور اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں

طفل می از دزنیش احتجام　　مادر مشفق بود زو شادکام

اور اسی تفصیل پر منطبق فرمایئے قرآنی ارشاد: الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم و لا هم یحزنون ، یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں کو اور آپ ﷺ کے فرزند ابراہیم کی وفات پر حضور ﷺ کی مبارک آنکھوں کی اشک باری کو جہاں آپ نے فرمایا: انا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون او کما قال ، آپ کی جدائی سے اے ابراہیم البتہ ہم غمگین ہونگے۔ آپ اور آپ کے گھر والے ماشاء اللہ علمی ذوق رکھتے ہیں اس حیثیت سے بھی حزن عقلی حزن طبعی پر غالب ہونا چاہیے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مایصیب المؤمن من نصب و لا وصب و لا هم و لا حزن و لا غم حتی الشوکة یشاکها الا کفر الله بها من خطایاه اور جب پہنچتی ہے کسی مؤمن کو کوئی مصیبت رنج وغم حزن وملال یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کانٹا چبھ جائے تو اللہ تعالی اس کے بدلہ میں اس مؤمن کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ جہاں ایک کانٹے کا چبھنا بھی خطایا کی معافی کا سبب بنتا ہے تو شدت ہموم کی حالت میں صبر پر علو مدارج کا کیا ٹھکانا! اور قرآن کریم میں اس کی طرف اشارہ ہے جہاں حق تعالی فرماتے ہیں:

ولنبلونکم بشیئی من الخوف و الجوع و نقص من الاموال و الانفس و الثمرات و بشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله و انا الیه راجعون اولئك علیهم صلوات من ربهم ورحمة و اولئك هم المهتدون۔

اور دیکھو ہم تمہارا امتحان لیں گے کسی قدر خوف اور فاقہ سے اور (کسی قدر) مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئیے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ (دل سے) یوں کہتے ہیں کہ ہم تو (مال واولاد حقیقۃً) اللہ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب دنیا سے اللہ کے پاس جانے والے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں خاص ہیں اور وہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

بخاری کی روایت میں حضرت ابن عمرؓ کا قول: اخذ رسول الله ﷺ ببعض جسدی فقال کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل و عد نفسك فی اهل القبور ، حضور اکرم ﷺ نے میرے جسم کے ایک حصہ کو پکڑا اور فرمایا دنیا میں اس طرح زندگی گذارو جیسے مسافر یا راستہ طے کرنے والا اور شمار کرو اپنے آپ کو اہل قبور میں سے موت کو مختصر سفر کا اختتام بتایا ہے، اور اسی کو عرب والوں نے کہا ہے:

اذان المرء حین الطفل یأتی　　و تاخیر الصلوة الی الممات
دلیل ان محیاه قلیل　　کما بین الاذان الی الصلوات

جناب محترم! جو اس دار فانی میں آتا ہے وہ جانے کے لئے تو آتا ہے اور قرآن کریم میں اس اٹل حقیقت کا اعلان "کل من علیها فان" کے ہوش ربا الفاظ میں کر ہی دیا ہے اور یہ حقیقت فقیر و شاہ ہر ایک کیلئے واضح ہے کہ ہر حامل جنازہ کو محمول جنازہ بننا ہے۔

و اذا حملت الی القبور جنازة　　فاعلم انك بعدها محمول

اور جب تم ایک جنازہ کو اٹھا کر قبر کی جانب لے جاتے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم بھی اٹھائے جاؤ گے (یعنی تمہیں بھی کوئی اپنے کاندھے پر اٹھا کر قبر کی جانب لے جائے گا اور تمہارے لئے بھی موت لازم ہے) اس سلسلہ میں امام الفلسفہ ابن سینا کا قول ملاحظہ فرمایئے۔

از قعر گل سیاہ تا اوج زحل　　کردم ہمہ مشکلات عالم راحل
بیرون جستم زقید ومکر وجیل　　ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل

سائنس والے یہیں آ کر قعر تحیر میں غرق ہو جاتے ہیں اور عالم ناسوتی کی عام تشریحات وتحقیقات دم توڑ کر عاجز ہو جاتی ہیں جناب من ان حالات میں بہتر یہی ہے کہ والدہ مرحومہ کے لئے وہ نوشتہ بھیجا جائے کہ جو صدقۂ جاریہ ہو اور جس کی طرف مسلم شریف میں ابو ہریرۃؓ کی روایت میں او ولد صالح یدعوا له سے اشارہ کیا گیا ہے بناء علیہ آپ کا علمی عالم میں قیام پذیر ہونا اس کی اہمیت کو اور بڑھا دیتا ہے ساتھ ہی بھائی ہماری اپنی زندگی کیسی ہونی چاہیے اس کا مضمون شاعر نے خوب ادا کیا ہے ولنعم ما قیل

ولدتك امك یا ابن آدم باکیا　　و الناس حولك یضحکون سرورا

فاجهد لنفسك انت تكون اذا بكوا   فی یوم موتك ضاحكا مسرورا

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے خوب ہی فرمایا ہے

ہم ایسے رہیں یا ویسے رہیں   وہاں دیکھنا ہیکہ کیسے رہیں
حیات دو روزہ کا کیا عیش وغم   سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہیں
یہ اسباب ہیں دست قدرت میں یوں   قلم دست کاتب میں جیسے رہے

اس سلسلہ میں بندہ اپنی طرف سے اور اہل خانہ کی طرف سے تعزیت پیش کرتا ہے اور ان الفاظ کو دہرانا چاہتا ہے جو ایک بدوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں آپ کے والد حضرت عباس بن عبدالمطلب کی وفات پر پیش کئے تھے۔

اصبرنكن بك صابرين   صبر الرعية بعد صبر الرأس
خير من العباس اجرك بعده   و الله خير منك للعباس

(قال ابن عباس ما تعزی لی احد احسن من هذه الاعراب)

اس سلسلہ میں آپ کے والد قدس سرہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اعمش نے ایک صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر بھیجا کہ جس کا مضمون یہ تھا

انا نعزيك لا انا على ثقة   من البقاء ولكن سنة الدين
فلا المعزی بباق بعد میته   ولا المعزی وان عاش الی حین

اور اردو والے نے خوب ہی کہا ہے۔

یہ چمن یوں ہی رہیگا اور ہزاروں جانور   اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائینگے

دعا ہے کہ اللہ تعالی مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے

ابن ماجہ کی حدیث: مامن مؤمن یعزی اخاه بمصیبته الا کساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة، جب کوئی مؤمن اپنے بھائی کی مصیبت پر تعزیت پیش کریگا تو اللہ تعالی قیامت کے دن اسے بزرگی کے صلہ سے سرفراز فرمائینگے کے پیش نظر بندہ بھی متمنی ہے کہ اللہ تعالی اس تعزیت کو قبول فرما کر باعث توقیر

واحترام فرمائے اور اعمال صالحہ کی توفیق ہمیں عطا فرمائے اور گو طاعات نہیں ہیں تاہم بارگاہ ایزدی سے التجا ہے کہ وہ اپنے رحم وکرم سے معاف فرمائے جیسے شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

بر در کعبہ سائلے دیدم   کہ ہمیں گفت ومیگرستی خوش
من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر   قلم عفو بر گناہم کش

بندہ کی طرف سے اس مضمون واحد کو اپنے متعلقین اور اہل خانہ تک پہنچادیں اور دعوات ایصال میں یاد فرماتے رہیں ارادہ تھا کہ قدرے تفصیل سے تعزیت نامہ پیش کروں اس لئے تاخیر ہوگئی معاف فرمائیں

فقط والسلام۔

احقر الانام اسماعیل یوسف گارڈی عفا اللہ عنہ وعن والدیہ (از ماہنامہ دار العلوم نومبر ۱۹۶۶ء)

۵ مولانا عبدالحی صاحب لاجپوریؒ

ولادت: حضرت مرحوم کی ولادت ضلع سورت کے قصبہ لاجپور میں ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم لاجپور کے مکتب میں حاصل کی بعد ازاں مدرسہ اسلامیہ صوفیہ صوفی باغ سورت کے عربی کے ابتدائی درجہ میں داخل ہوکر نحو، صرف، ادب، معانی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں غالباً ۱۳۴۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث وغیرہ کتب پڑھیں، پھر حضرت تاج المحدثین، امام المحققین علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے ساتھ ۵/ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں ڈابھیل تشریف لائے اور ایک سال قیام فرما کر ۱۹۲۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔

جامعہ ڈابھیل کے مشہور اساتذہ یہ ہیں۔ بخاری شریف حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ وعارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی سے پڑھی۔ مسلم شریف امام المفسرین حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے پڑھی۔ دیگر کتب حدیث حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ وغیرہم سے پڑھیں فراغت کے بعد ۱۳۵۰ھ مطابق ۴/جولائی ۱۹۳۱ء میں بغرض تحصیل علم طب لکھنؤ تشریف لے گئے

اور کامل تین سال رہ کر مؤرخہ ۱۷/ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ ۳/جولائی ۱۹۳۴ء میں تکمیل طب کی سند حاصل فرمائی۔

خدمت خلق بحیثیت طبیب حاذق: تعلیم سے فراغت پر مولانا مرحوم وعظ ونصیحت اور تبلیغ وتذکیر میں مصروف عمل رہے اور ساتھ اپنا ذاتی مطب (شفاخانہ) بھی جاری فرما کر اس کے ذریعہ عام انسانوں کی خدمت میں مشغول رہے، اس فن میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی تشخیص امراض میں یدطولی رکھتے تھے یہ سلسلہ لاجپور سورت اور عالی پور میں جاری رہا جس کے ذریعہ بے شمار انسانوں کو رب اکرم نے آپ کے واسطے سے شفاء کاملہ عنایت فرمائی۔

حق گوئی اور جذبۂ تبلیغ: حضرت مولانا مرحوم کو اللہ تعالی نے دردمند قلب، فکرمند دماغ اور سودمند زبان، ہوش مند قلم کی دولت سے نوازا تھا۔ حضرت مولانا ابراہیم ڈایا صاحب لاجپوریؒ فرماتے تھے کہ ’’مولانا مرحوم کے ہم عصروں میں ان سے زیادہ بہترین نصیحت گو واعظ میں نے نہیں دیکھا‘‘۔ اور مولانا بڑے موقع شناس فرد تھے، بستی کی ہر نو پیدا خرافات اور بدعات پر بے تکلف بڑی بے باکی کے ساتھ رد فرماتے تھے۔ اسی حق گوئی پر ایک واقعہ مولانا مرحوم کے برادر مکرم ہمارے بزرگ مولانا عبد القدوس دیوان صاحب لاجپوریؒ خلیفۂ مجاز حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب جے پوریؒ نے سنایا کہ قصبہ لاجپور کے اسکول کی نظامت ایک صاحب ایمان شخص کے سپرد ہوئی وہ فرد مسلم البتہ مغربی تعلیم یافتہ اور مغربی تحریک کے ہمنوا تھے، اسکول کی نظامت (ہیڈ ماسٹری) کا عہدہ قبول کرنے کے چند ہی دن بعد تمام طلباء اسکول کے لئے یہ قانون جاری کیا کہ سارے لڑکے یونیفارم کے طور پر نصف آستین کا شرٹ اور ہاف پینٹ پہن کر اسکول میں آئیں اور ساری طالبات چھوٹا سا کرتا اور گھٹنوں سے اوپر چھوٹا سا پاجامہ پہن کر آئیں۔ یہ ایسا لباس تھا جو شرم وحیا کے خلاف ہونے کے ساتھ شریعت اسلام کی مقدس تعلیمات کے بھی خلاف تھا۔ جب اس قانون کی اطلاع اہل قریہ کو ملی اس وقت والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یوسف دیوان صاحب، حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب، حضرت مولانا ابراہیم جھٹپٹیا صاحب، حضرت مولانا مفتی سید عبد الحی قاضی صاحب رحمھم اللہ سب موجود تھے اس قانون سے متعلق غور وفکر کر رہے تھے، اسی دوران

جمعہ کی نماز کا موقع آیا مسلم ہیڈ ماسٹر اور قصبہ کے سارے مسلمان مرد صلوۃ جمعہ کی ادائیگی کے لئے جامع مسجد میں حاضر ہوئے مسلمانان لاجپور نے امام جمعہ کی اقتداء میں صلوۃ جمعہ ادا کی، امام صاحب دعا سے فارغ ہوئے تو فوراً ہی برادر بزرگوار مولانا عبد الحی صاحب کھڑے ہوئے اور مصلیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور خطاب کرتے ہوئے فرمایا ’’یہ لاجپور ہم اہل اسلام کا قصبہ ہے مسلمانوں کا اسکول ہے اور حسن اتفاق کہ اس کے ناظم اعلی (ہیڈ ماسٹر) بھی مسلمان ہیں اس کے باوجود ناجائز اور خلاف شرع قوانین کا اجراء ہو رہا ہے ہم اپنے ہاتھوں شریعت اسلام کے احکام توڑ رہے ہیں۔ اپنی اولاد کے لئے شرم وحیا سے دوری کے اسباب جمع کر رہے ہیں۔ تعلیمات اسلام تو اولاد کو باحیا بناتا ہے نہ کہ شرم وحیا کی چادر سے ان کو جدا کرتا ہے لہذا میں بڑی ہمت کے ساتھ، جرأت کے ساتھ اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ اس قانون کو جلد از جلد منسوخ کرنا ہوگا اور اس ناروا جرم پر سچے دل سے توبہ کرنی ہوگی اور ہمارے اسکول کی تمام طالبات وطلبہ کے لئے شرعی لباس کو یونیفارم بنانا ہوگا۔‘‘

جب اہل قصبہ نے مولانا کے خلوص دل سے نکلے ہوئے اس پیغام کو سنا تو اُسکول کے ناظم اعلی کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس قانون کو رد کردیں یہاں تک کہ بفضلہٖ تعالی یہ قانون منسوخ ہوگیا۔ سنن ونوافل کے بعد تمام علماء حاضرین نے مولانا عبد الحی صاحب کی حق گوئی پر بہت ہی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ مولانا! بہت خوب کہا، ماشاء اللہ آپ نے ہم پر عائد شدہ ایک ذمہ داری کو پورا فرمایا اور ترقی علم وعمل کے لئے دعائیں دیں۔

مرض الموت اور وفات: مولانا مرحوم اپنی زندگی کی تیس منزل ہی طے کر پائے تھے کہ مرض دق (ٹی۔ بی) نے حملہ کیا، علاج ومعالجہ پوری ذمہ داری کے ساتھ ہوتا رہا لیکن ’’مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی‘‘ کے بمصداق یہ مرض جان لیوا ثابت ہوا بالآخر مؤرخہ ۲۳ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۳۶ء شب جمعہ کو اسی مرض الوفات میں یہ خاندان صوفیہ کا ماہتاب عالم تاب شہر سورت میں غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی روز لاجپور جسد خاکی کو منتقل کیا گیا۔ صبح سے لوگوں کا ازدحام بڑھتا رہا یہاں تک کہ بعد صلوۃ جمعہ نماز جنازہ ادا کی گئی اور لاجپور کے پرانے قبرستان میں اس

مرد حق کو مسلمانان لاجپور نے سپرد خاک کیا۔ اللھم اغفرہ وارحمہ وادخلہ جنۃ الفردوس، مولانا مرحوم کی وفات پر غم خواروں نے ان الفاظ میں اپنے خون دل کا اظہار کیا۔

''اسلامی حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج وغم سے سنی گئی کہ جناب مولوی حکیم عبدالحی صاحب لاجپوریؒ سورتی عین عالم شباب میں یعنی تیس سال کی عمر میں بعارضہ سل تین ماہ علیل رہ کر ۲۳؍صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵؍مئی ۱۹۳۶ء جمعہ کی شب کو رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

مرحوم ضلع سورت گجرات کے مشہور بزرگ حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب کے نبیرہ مولانا یوسف کے فرزند اکبر خاندان کے چشم وچراغ اور بستی میں ہر دل عزیز جوان صالح اور عالم باعمل تھے۔ مرحوم کی حیات مختصر کا بیشتر حصہ تحصیل علم دین میں صرف ہوا۔ مثلاً دیوبند، دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کے مدارس میں حصول علم میں مشغول رہے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (اس وقت ضلع سورت میں تھا) سے تکمیل علوم کی سند واجازت حدیث حاصل کی۔ بعد میں پھر تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں کامل تین سال تک رہ کر فاضل الطب والجراحت کی سند واجازت لے کر اپنے وطن مألوف میں آئے۔ یہاں اپنی خداداد قابلیت سے کام لے کر قوم وملت کے ظاہری وباطنی معالجہ واصلاح میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ مرحوم کو اپنے فرائض کی ذمہ داری کا کامل احساس تھا۔ معالجہ ظاہری ابدان کے ساتھ ہی ساتھ وعظ ونصیحت کے ذریعہ اصلاح روحانی کا سلسلہ بھی برابر جاری رکھا تھا۔ اور اس طرح قرب وجوار میں خاصی شہرت وعزت حاصل کر لی تھی۔ مرحوم کی ذات سے قوم وملت کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں لیکن دست بیداد اجل نے زیادہ مہلت نہیں دی۔

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔

(ماہنامہ ندائے شاہی اگست ۱۹۹۷ء از قلم مفتی رشید احمد لاجپوری)

۶ حضرت مولانا محمد ابراہیم ایکھلوایا (صوفی صاحب) ڈابھیلیؒ

حضرت مولانا محمد ابراہیم ایکھلوایا۔ آپ صوفی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ تقریباً ۳۵؍سال تک

جامعہ کی خدمت کی جامعہ کے مختلف دور میں صبر واستقامت کے ساتھ طلبہ کو فیض پہنچاتے رہے۔ آپ کی تعلیم وتربیت اور درس کا طریقہ نرالا تھا اس سلسلہ میں آپ کے دو شاگردوں کا بیان پیش کرتا ہوں۔

(۱) حضرت مولانا عبدالحی صاحب کفلیتویؒ (متوفی ۱۴۲۳ھ اکابرین گجرات کے مؤلف) تحریر فرماتے ہیں کہ.....

آپ ڈابھیل گاؤں ہی کے وطنی تھے آپ کا اسم گرامی محمد اور آپ کے والد ماجد کا نام ابراہیم اور صوفی لقب سے مشہور تھے۔

آپ نے جامعہ ہذا سے ۱۳۴۷ھ میں جب کہ جامعہ کا ابتدائی دور تھا سند فراغت حاصل کی۔ اسی سال محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی اساطین علم وفضل کی ایک جماعت کے ساتھ ڈابھیل تشریف آوری ہوئی۔ چنانچہ آپ کی سند فراغت پر حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی دستخط مرقوم ہے۔ اسی طرح تشریف لانے والے دیگر علمائے کرام سے بھی شرف تلمذ حاصل رہا۔

رسمی فراغت کے بعد آپ نے تقریباً ۳۵؍سال تک اسی جامعہ میں بڑی سادگی اور متواضعانہ صفت کے ساتھ کما حقہ علم دین کی خدمت انجام دی۔

راقم الحروف نے جس وقت جامعہ ڈابھیل میں حصول تعلیم کے لئے داخلہ لیا، اس وقت موصوف عربی کا اول درجہ پڑھاتے تھے۔ آپ کا طرز تعلیم نہایت ہی نرالا تھا جب تک طلباء مکمل سبق یاد نہ کر لیتے آگے کا سبق نہ پڑھاتے، آپ کی طبیعت میں انتہائی سادگی اور نرمی تھی، آپ بہت کم گو بھی تھے، تاہم پڑھانے کے معاملہ میں سختی کے پہلو سے بھی تہی دامن نہ ہوتے نہایت سختی کے ساتھ طلباء کا سبق سنتے۔ پڑھانے کے سلسلہ میں سختی کی وجہ سے کسی حد تک طلباء آپ سے ناراض بھی رہتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے پاس پڑھے ہوئے طلباء دیگر طلباء سے پڑھنے کے سلسلہ میں ممتاز رہتے۔

کنز الدقائق کا درس شاگرد کے حوالہ کرنا: میں (راقم الحروف) جس وقت استاذی حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ کے حکم سے جامعہ میں فارسی اول پڑھانے کے لئے پہنچا اس وقت حضرت صوفی صاحبؒ عربی درجہ کی کتب پڑھاتے تھے اس میں عربی سوم کی کتاب ''کنز الدقائق'' آپ سے

متعلق تھی، حضرت مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحبؒ منصب اہتمام کے ساتھ عربی اول بھی پڑھاتے تھے، اسی وقت کی بات ہے کہ میرا ایک گھنٹہ خالی تھا جس میں میں حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس نقول فتاوی کے لئے جایا کرتا تھا، مہتمم جامعہ حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ نے میرے فائدہ کے پیش نظر خالی گھنٹہ میں عربی اول کی کچھ کتابیں پڑھانے کی تجویز پیش کی جس کو میں نے سعادت سمجھ کر قبول کرلیا۔ تین چار ماہ پڑھانے کے بعد حضرت صوفی صاحبؒ نے جو میرے استاذ بھی ہوتے تھے مجھ سے فرمایا کہ آپ کے پاس درجۂ عربی اول کی جو کتابیں ہیں وہ میرے متعلق کردیں تاکہ میں اپنی پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت میں سہولت کے ساتھ پڑھا سکوں اور میرے پاس درجۂ عربی سوم کی جو کتاب (کنزالدقائق) ہے وہ آپ پڑھائیں، اس وقت میں نے کہا کہ حضرت ''کنز'' بہت مشکل کتاب ہے جس کا پڑھانا میرے لئے آسان نہیں، تو بڑے جوش اور مخلصانہ انداز میں فرمایا ''آپ میرے شاگرد ہیں روزانہ رات کو بغیر کتاب کے میرے پاس آجایا کریں میں آپ کو روزانہ کا سبق پڑھادیا کرونگا''۔ چنانچہ حضرت صوفی صاحبؒ نے حضرت مہتمم صاحبؒ سے بات کرکے ''کنز'' احقر کے سپرد فرمادی۔ چند دن پڑھانے کے بعد اس کو بھی بادل ناخواستہ چھوڑنا پڑا جو میرے لئے بڑی بدقسمتی کی بات تھی۔

خیر! حضرت صوفی صاحبؒ جو پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے روشن چراغ کی حیثیت رکھتے تھے اپنی کم گویانہ صفت سے آراستہ رہ کر ۳۵ / سال تک مدرسہ میں علمی خدمات انجام دیکر پیغام اجل کو لبیک کہہ گئے اناللہ وانا الیہ راجعون ۔

اللہ جل شانہ آپ کو اس خدمت کے صلہ میں ہزارہا درجہ ترقی نصیب فرمائے۔ امین

(اکابرین گجرات ۱۶۲/۵، ۱۶۳ گجراتی) (مولانا عبدالحی صاحبؒ کا مضمون ختم ہوا)

(۲) حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی مدظلہ رقمطراز ہیں:

درس کانرالا انداز اور سختی: حضرت مولانا محمد ابراہیم صوفی صاحبؒ ڈابھیل ہی کے باشندے تھے اور اسی جامعہ سے فارغ ہوکر فوراً تدریس کی ذمہ داری سنبھال لی تھی، کئی سال تک فارسی درجات کے

مدرس رہے پھر عربی درجۂ اولی میں ترقی ہوئی، ہم لوگ جب درجہ اولی سے فارغ ہوئے اور درجۂ عربی دوم میں داخلہ ہوا تو حضرت صوفی صاحبؒ کو اس درجہ میں مقرر کیا گیا، شروع سے حضرت صوفی صاحبؒ کی سخت گیری کے قصے سنتے تھے کہ اگر سبق سناتے ہوئے تین غلطی ہوگئیں تو فوراً طالب علم کو کھڑا کردیتے تھے، بعض مرتبہ دوپہر تک اور بعض مرتبہ ظہر کے بعد سے عصر تک کھڑا رہنا پڑتا بلکہ بعض طلباء کو تو مرغا بنکر دن بھر سبق یاد کرنا پڑتا تھا۔

اسلئے جب شوال میں مدرسہ کی تعلیم شروع ہونے کا وقت آیا تو بندہ نے والدہ کے سامنے رونا شروع کیا اور مدرسہ چھوڑنے کا اصرار کیا، والد صاحب کی طبیعت سخت تھی اس لئے ان سے بات کرنے کی تو ہمت نہیں ہوسکتی تھی، والدہ نے والد صاحب کو میرے خیالات سے آگاہ کیا، فوراً طلبی ہوئی اور فرمایا کہ ڈابھیل ہی جانا ہوگا، اور فرمایا کہ کوئی استاذ ظالم نہیں ہوتا کہ بلاوجہ اپنے شاگردوں پر سختی کرے، والد مرحوم گجراتی اسکول میں ماسٹر رہ چکے تھے، اسلئے چند کہانیاں سنائیں کہ بچوں کو بعض مرتبہ بڑوں کی باتیں ناگوار معلوم ہوتی ہیں اگرچہ ان کی خام عقلی کے سبب ہو ورنہ بڑوں کی سختی اور پابندی ان کے حق میں مفید ہوتی ہے والد صاحب کی مخالفت کرنے کی تو ہمت تھی ہی نہیں ناچار رو دھوکر ڈابھیل روانہ ہوگیا۔

پہلی حاضری پر جو خوف طاری تھا وہ اب تک یاد ہے۔ نورالایضاح، ہدایۃ النحو، تیسیر المنطق، علم الصیغہ، بحرالادب کے اسباق مختلف ساعات میں شروع ہوئے۔

حضرت صوفی صاحبؒ کی عادت یہ تھی کہ ایک ماہ برابر ہر طالب علم کا سبق سنتے، اس کے بعد مختلف طلباء کو سبق سنانے کے لئے فرماتے، اس پہلے ماہ میں جن کے بارے میں اطمینان ہوجاتا کہ یہ برابر یاد کرلیتا ہے، پھر اس کی باری بہت کم آتی، الحمدللہ اس آزمائش میں بھی اللہ تعالی نے کامیاب فرمایا، اور سال بھر کسی دن بھی کھڑے رہنے یا مرغا بننے کی نوبت نہیں آئی، بلکہ بندہ کے ساتھ بعض ایسی رعایتیں بھی فرمائیں جو ان کے مزاج اور طریق کار کے خلاف تھیں۔

رفقاء درس میں شیخ احمد پونوی، محمد عباس پونوی ذہین تھے، شیخ احمد ڈابھیل آنے سے قبل پنجاب

کے کسی مدرسہ میں صرف ونحو پڑھ چکے تھے اس لئے عبارت بھی اچھی پڑھ لیتے تھے اور ہر روز نورالایضاح کی عبارت پڑھنے میں ان کے ساتھ مسابقہ رہتا تھا، فجر کی نماز کے بعد کمرے میں نورالایضاح کی عبارت کا مطالعہ کرنے اور اسکو دو تین بار پڑھنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ صوفی صاحبؒ کے سامنے صحیح طریقہ سے اور جلدی پڑھ سکوں، بہر حال حضرت صوفی صاحبؒ ہم دونوں پر مہربان تھے۔

نورالایضاح کے سبق میں جب ''باب الاستنجاء'' کا درس شروع ہوا اور (کیفیت استنجاء میں) اذا کانت ...... مدلاة والی عبارت آئی تو بچپنہ تو تھا ہی بے اختیار ہنسی نکل گئی، میرے ہنسنے کے سبب اور رفقاء درس بھی اپنی ہنسی نہ روک سکے بس پھر کیا تھا صوفی صاحبؒ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ہمارے ایک ساتھی اسماعیل کولہاپوری کو ڈانٹنا شروع کیا وہ بڑی عمر میں مراٹھی کے ماسٹر کی ملازمت چھوڑ کر مدرسہ میں آئے تھے بڑی ڈاڑھی تھی، اس لئے ان پر ہی زیادہ بولے انہوں نے فرمایا کہ آپ اس کو کچھ نہیں کہتے جس نے سب کو ہنسایا فرمایا کہ یہ ہنسے گا تو یہ روئے گا، تمہیں کیا ضرورت تھی بہر حال اس حرکت پر سب کو عتاب سہنا پڑا مگر سزا سے پھر بھی بچ گئے، چھٹی کے بعد رفقاء نے خوب خبر لی اور صوفی صاحبؒ کی میرے ساتھ کی گئی رعایت کو بہت ہی تعجب سے دیکھا۔ اللہ اللہ اگر ان کی ایسی شفقت نہ ہوتی تو شاید میرے جیسے کمزور کے لئے مدرسہ ٹھہرنا مشکل ہوتا۔

حضرت صوفی صاحبؒ عصر کے بعد انجمن ناصرالمسلمین کے باہر کرسی پر تشریف رکھتے تھے اور اخبار کا مطالعہ فرماتے ساتھ ساتھ جو طلباء اس طرف سے گزرتے ان پر بھی ان کی نظر ہوتی، اس لئے ان کے شاگردوں کو عصر بعد بھی اس طرف سے گزرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اگر سبق میں ایک غلطی بھی ہوئی فوراً فرماتے تھے (حضرت کا تکیۂ کلام میاں تھا زبان میں تھوڑی سی لکنت تھی اس لئے میاں میاں رک رک کر فرماتے تھے ....) ''تم پڑھنے تھوڑے آئے ہو تمہیں تو گاؤں میں مٹر گشت کرنے سے ہی فرصت کہاں'' وغیرہ اور فوراً کھڑے ہو جانے کا حکم ہوتا تھا ناچیز کو حضرت مولانا عبدالحیؒ کی معیت میں انجمن جانے کی نوبت آتی تو صوفی صاحبؒ کو دیکھ کر قدم لڑکھڑاتے تھے مگر الحمدللہ کبھی روک ٹوک نہیں فرمائی اور نہ سبق میں کوئی جملہ فرمایا۔

اس کو تو عربی اول ہی سپرد کرتے تو اچھا تھا: پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ بندہ عربی درجۂ اولی کا مدرس تھا اور حضرت صوفی صاحبؒ درجۂ دوم کے درسگاہ کے قریب سے گزرتے تو سبق پڑھانے کا انداز دیکھتے، کبھی ایک طرف توقف فرما کر سن بھی لیتے، پھر بندہ نے درمیان میں چند سال جامعہ سے الگ ہو کر مجلس خدام الدین اور اس کے بعد مولانا اسماعیل صاحب گارڈیؒ کے صاحب زادگاں کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں قیام کیا۔ ۱۹۶۱ء میں مولانا محمد سعید احمد بزرگؒ کی دعوت پر دوبارہ جامعہ میں حاضر ہوا، میرے پاس دفتر کا کام تھا نیز شرح وقایہ اور مقامات حریری کے دو اسباق تھے۔

حضرت صوفی صاحبؒ اس زمانہ میں شدید علالت کے سبب صاحب فراش تھے جب مولانا محمد سعید احمد بزرگؒ عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو بندہ کی دوبارہ جامعہ میں حاضری سے خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اس کو تو عربی اول ہی سپرد کرتے تو اچھا تھا کہ پچھلے سالوں میں جو بچے اس کے پاس سے دوم میں آئے تھے وہ بہت اچھے تھے اس لئے عربی کی بنیاد اچھی بنانے کیلئے ان سے کام لیجئے .... حضرت مہتمم صاحب مولانا محمد سعید صاحبؒ نے جب حضرت کی رائے سنی تو عرض کر دیا کہ آپ کی جو رائے ہو گی مجھے منظور ہے۔ بہر حال مجھے مسرت ہوئی کہ ایک تجربہ کار اور مدرسہ کے قدیم استاذ اور میرے مشفق و مربی نے میرے ساتھ حسن ظن قائم فرمایا۔

حضرت صوفی صاحبؒ نے اسی مرض میں وفات پائی اور ۳۵ سال سے زائد اپنی عظیم خدمات کا نمونہ چھوڑ کر ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔

ان کی اسباق کی پابندی، تفہیم درس میں انتہائی محنت، طلباء کی شدید نگرانی وغیرہ قیمتی اوصاف ہیں جس کی تقلید ہر مدرس کو کرنی چاہئے۔

اللہ تعالی حضرت صوفی صاحبؒ کو بھرپور بدلہ عطا فرما کر جوار رحمت میں جگہ عطا فرماوے آمین۔

(ماہنامہ ''حرا کا پیغام'' جمادی الاخری ۱۴۲۶ھ جولائی ۲۰۰۵ء ص ۲۷ تا ۲۹)

۷

مولانا حکیم عبدالمجید لائل پوری

مولانا حافظ عبدالمجید نابینا بن چودھری وزیر خاں ۱۹۰۹ء/ ۱۳۲۷ھ کے لگ بھگ چک۔ ۲۲۴ ضلع فیصل

آباد میں پیدا ہوئے ان کا خاندان زراعت پیشہ تھا دولت وثروت کے اعتبار سے خاصہ نمایاں تھا۔

بچپن میں بینائی سے محروم ہو گئے قرآن مجید حفظ کیا اور فن تجوید میں درک حاصل کیا دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں دینی تعلیم حاصل کی مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے عزیز ترین تلامذہ میں سے تھے، بلا کا حافظہ پایا تھا درس میں شامل ہونے سے پہلے کسی ہم جماعت سے عبارت سن لیتے اور دوران سبق احادیث پڑھتے اور بحث میں حصہ لیتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کا ارشاد: مولانا انور شاہ صاحب ان کی یادداشت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ”جب معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ نابینا ہونے کے باوجود حافظ حدیث تھے تو حیرت ہوتی تھی لیکن اب ان حافظ عبدالمجید کو دیکھ کر وہ حیرت جاتی رہی۔“ (۱)

علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد لکھنو میں فن طب کی تعلیم حاصل کی پنجاب یونیورسٹی سے فارسی، عربی اور اردو کے امتحانات فاضل پاس کئے یہیں سے بی۔اے کی سند لی۔ عملی زندگی کا آغاز فیصل آباد میں بطور طبیب کیا اور شفاء خانہ نقشبندیہ کے نام سے مطب کھولا بہت اچھے نباض تھے اور اللہ تعالی نے ان کے ہاتھ میں شفاء رکھی تھی۔

تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا مجلس احرار اسلام کے نمایاں افراد میں شمار ہوتے تھے شہر وضلع مجلس احرار اسلام کے صدر اور مرکزی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ ۱۹۳۹ء میں مجلس احرار اسلام نے فوجی بھرتی کے خلاف تحریک چلائی تو اس میں گرفتار ہوئے اور ایک سال راولپنڈی جیل میں قید رہے۔

حافظ صاحب مخیّر اور مہمان نواز بزرگ تھے دینی سرگرمیوں میں قول وعمل سے شریک ہوتے تھے امام ابن حزمؒ کے خیالات سے متأثر تھے اور مروجہ نظام معیشت کو ناپسند کرتے تھے ۱۲ر فروری ۱۹۷۲ء/ ۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کو فوت ہوئے۔ (تذکرۂ علمائے پنجاب جلد دوم)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ موصوف کے انتقال کے بعد اپنا تأثر ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں۔

---

(۱) خود حضرت شاہ صاحبؒ کا حافظہ و یادداشت ضرب المثل تھی آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا ہے، جب شاہ صاحب ان کی تعریف فرما رہے ہیں تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ کس بلا کا حافظہ ہوگا۔ ع ر

گذشتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کی ۲۶ر اور فروری ۷۲ء کی ۱۲ر تاریخ کو پاکستان ایک عالم ربانی سے محروم ہوا، مولانا حافظ حکیم عبدالمجید صاحب لائل پوری نابینا کی وفات ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم نے باوجود بصارت کے نہ ہونے کے نہایت التزام کے ساتھ تمام درسی نظامی کتابوں سے فراغت پائی اور ہمیشہ اپنے حلقۂ درس میں ممتاز رہے اور اعلی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے حق تعالی نے بصارت کی نعمت کی جگہ تمام علوم اسلامیہ عربیہ میں بصیرت عطا فرمائی تھی، علوم اسلامیہ کے فاضل تھے انگریزی کے گریجویٹ تھے حاذق طبیب تھے، عمدہ خطیب اور کامیاب مناظر تھے ردقادیانیت میں ممتاز تھے علم وعلماء اور علمی کتابوں کے محبّ صادق تھے، سنجیدہ باوقار، قدیم وجدید کے مجمع البحرین تھے، ان سب کمالات کے ساتھ اخلاص کی نعمت سے سرفراز تھے، الغرض بڑی خوبیوں کے مالک تھے، بینائی کی معذوری کی وجہ سے طالب علمی میں ایک معاون رفیق طالب علم کو ساتھ رکھتے تھے اور اس کے مصارف بھی برداشت کرتے تھے ابتدائی کتابیں غالبًا اپنے وطن میں پڑھیں پھر دیوبند پہنچے اور دارالعلوم کے فیض سے سیراب ہوئے ادب کی ایک کتاب میں ۴۷ سال قبل میرے ہم درس بھی رہے اور اتفاق سے اس کتاب کے امتحان میں (۱۰۵) طلبہ میں ہم دونوں ممتاز ترین نمبروں سے ایک درجہ میں کامیاب ہوئے اور پورے نمبروں سے ۵ نمبر زائد لئے، یہ وہ دور تھا کہ ایک سال کے بعد امام العصر حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ دارالعلوم کے عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو گئے تھے اور ڈابھیل ضلع سورت میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین قائم ہوا اور وہاں تشریف لے گئے تھے مجھ سے ایک سال بعد حضرت امام العصرؒ کی خدمت میں درس صحیح بخاری شریف کا فیض حاصل کیا اور حدیث کی بقیہ کتابیں وہیں ڈابھیل میں پڑھیں۔

حضرت شاہ صاحب کے ”مرحباً“ کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے: ان کے مفاخر کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ امام العصرؒ کے درس میں یہ طریقہ تھا (اور عام طور سے عربی مدارس میں یہی طریقہ ہے) کہ جو شخص پہلے بسم اللہ پڑھے گا وہی استاذ کے سامنے اس دن پڑھے گا۔ ایک دن حافظ صاحب نے بسم اللہ کی، حضرت شیخ یہ سمجھے کہ شاید کسی اور کے لئے باری حاصل کرنے کے لئے یہ سبقت کی ہوگی مگر جب پڑھنے کا وقت آیا تو حفظ سے عبارت پڑھنا شروع کی اور کہا:

''حدثنا''حضرت شیخ نے نہایت مسرور ہوکر فوراً فرمایا ''مرحباً'' اس روز غالباً صحیح بخاری کی کتاب العلم شروع تھی اور حسب معمول روزانہ درس بخاری کا ورق ڈیڑھ ورق سبق ہوتا تھا، حافظ صاحب مرحوم نے بغیر کسی جھجک کے اس دن کے سبق کی پوری عبارت پڑھی گویا کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں، نہ حافظ صاحب مرحوم سے کسی ایک لفظ میں غلطی ہوئی نہ سبق اس مقام تک پہنچ سکا، جہاں تک حافظ صاحب نے رات کو یاد نہ کیا ہو آج تک یہ معمہ حل نہ ہو سکا کہ حافظ صاحب نے اس ایک رات میں کتنا حصہ صحیح بخاری کا یاد کیا تھا، ان کے ''حدثنا'' اور حضرت شیخ کی ''مرحباً'' کی آواز اب تک میرے کانوں میں گویا گونج رہی ہے اس سال حضرت شیخ کے ساتھ سفر کشمیر سے واپسی پر دوبارہ ڈابھیل پہنچا تھا اور کتاب الایمان اور کتاب العلم صحیح بخاری کا درس شیخ سنا اور پھر وطن چلا آیا تھا۔

عام طور سے جن حضرات کو بصارت سے محرومی ہوتی ہے حق تعالی ان کو قوت حافظہ اور بصیرت زیادہ عطا فرماتا ہے حافظ صاحب مرحوم کی قوت حفظ اور قلبی بصیرت میں زیادہ خصوصیت عطا فرمائی تھی میں اس واقعہ کے ذکر سے ان کا حق رفاقت ادا کرنا چاہتا ہوں حق تعالی مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور رضوان ورحمت سے سرفراز فرمائے اور ان کی علمی خدمات اور دینی جذبہ کا اپنے لطف بے انتہاء کے مطابق صلہ عطا فرمائے آمین یا ارحم الراحمین۔

وصلی اللہ علی سید العالمین وخاتم النبیین وامام المتقین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین صفر المظفر ۱۳۹۲ھ، اپریل ۱۹۷۲ء (بصائر وعبر جلد دوم)

انعام از حضرت شاہ صاحب: روئداد جامعہ میں ہے: حضرت شاہ صاحب نے اپنی طرف سے دورۂ حدیث کے ایک طالب علم مولوی عبد المجید لائل پوری (نابینا) کو جنہوں نے باوجود اپنی فطری معذوری کے نمایاں کامیابی حاصل کی تھی مبلغ پانچ روپیہ بطور انعام خصوصی مرحمت فرمائے حاضرین جلسہ میں سے ایک صاحب نے ان کو پانچ روپیہ دیا (جامعہ کا سال دوم ۱۳۴۸ھ) (اردو روئداد ص ۳۹)

۸ حضرت مولانا عبد القدیر صاحب کیمل پوریؒ

نوٹ: راقم نے اپنی کتاب ''نقوش بزرگاں'' کی ترتیب کے موقع پر مولانا محمد سعید بزرگؒ سابق مہتمم جامعہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبد القدیر کیملپوری کا ذکر کیا ہے وہیں سے مضمون کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے مولانا کی خدمات واضح ہیں۔

مولانا عبد القدیر صاحبؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ۱۳۴۹ھ میں فارغ ہوئے ہیں، یہ تیسری جماعت ہے جو علامہ کشمیریؒ کے دور میں فارغ ہوئی۔ مولانا کیمل پوریؒ نے دورۂ حدیث میں اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، بخاری شریف ۵۰، مسلم ۵۰، ابوداؤد شریف ۴۹، نسائی شریف ۵۰، ابن ماجہ ۳۵ نمبرات حاصل کئے۔ فراغت کے بعد ۱۳۵۱ھ میں مدرس عربی کی حیثیت سے جامعہ میں تقرر ہوا مولانا احمد بزرگؒ سرکلر جامعہ میں تحریر فرماتے ہیں ''آج بتاریخ ۱۵/ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ کو مولوی عبد القدیر صاحب تشریف لائے'' (انتہی) جامعہ میں کل مدت قیام چار سال (ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ تا شوال ۱۳۵۵ھ) ہے مولانا نے چار سال کی مدت قیام میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حسب ذیل کتب کا درس دیا۔

صدرا، شمس بازغہ، حمد اللہ، قاضی، سلم، ملا حسن، قدوری، نور الایضاح، خیالی، حسامی، اصول الشاشی، مطول، قاضی ملا جالی، رسالہ قطبیہ۔

ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی میں ان کے متعلق لکھا ہے:

تاریخ وفات ۴/دسمبر ۱۹۹۰ء عمر مبارک ۹۷ سال، ۶۳ سال تا حیات علوم اسلامیہ حدیث نبوی کا درس دیتے ہوئے وفات پائی، شیخ الحدیث مولانا عبد القدیر کی وفات سے آسمان علم کا ایک سورج غروب ہو گیا۔ دنیا آب وگل فانی ہے اس کی کسی چیز کو بقا نہیں، انسان ہو یا حیوان ہر چیز کو فنا ہونا ہے، فخر انسانیت انبیاء علیہم السلام پر بھی موت آئی ہے ویسے اگر کوئی ذات ہمیشہ زندہ ہے تو صرف ذات باری تعالی ہے۔ سرمایہ دار، ارباب اقتدار شان وشوکت اور جاہ وجلال کے مالک مرتے ہیں۔ موت ان کے نام ونشان مٹا دیتی ہے لیکن علماء، صلحاء کی موت کے بعد ان کے نیک کارناموں کی وجہ سے اللہ تعالی

ان کا نام زندہ رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابۂ کرام سے لے کر آج تک دنیا سے رخصت ہونے والے علمائے کرام، صلحاء عظام کو جو نیک نامی اور شہرت حاصل ہے وہ کسی شہنشاہ کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ علماء اسلام نے علوم نبویہ کی وراثت کو جس شاندار انداز سے امت تک پہونچایا ہے بلاشبہ یہ امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃً کا تمام امتوں میں تنہا خاصہ ہے، برصغیر میں علماء ہند کا ایک شاندار ماضی ہے، انگریز کا فرعونی دور بھی علماء حق کو ختم نہ کر سکا اور نہ دبا سکا۔

علاقہ چھچھ پاکستان کا بخارا وسمرقند: علاقہ چھچھ ضلع اٹک جسے علماء کرام اپنی اصطلاح میں پاکستان کا بخارا وسمرقند کہتے ہیں، اس خطہ میں اکابر علماء کرام پیدا ہوئے، ماضی قریب میں شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غوز غشتی، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، شیخ الحدیث مولانا عبد الحنان تاجکی مدفون مدینہ منورہ، شیخ الحدیث مولانا عبد الشکور، مولانا عبد الرحمٰن حمیدی، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان برادر بزرگ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر، فقیہ وقت مفتی محمد عمر شمس آبادی، ولی وقت مولانا عبدالحکیم میدرا، مجاہد ملت مولانا سکندر خان رحمہم اللہ۔ یہ تمام مشاہیر علماء علاقہ چھچھ ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور اس وقت بھی علاقہ چھچھ دینی مدارس کا ایک گہوارہ ہے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیرؒ علاقہ چھچھ کے ایک گاؤں مؤمن پور میں ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ علاقہ چھچھ کے مشہور علماء سے کسب فیض کرنے کے بعد آپ ضلع گجرات کی مشہور دینی درسگاہ جن کے کچے طلباء کا امتحان دارالعلوم دیوبند میں نہیں لیا جاتا تھا۔ آپ نے وہاں قطب وقت ماہر علوم عقلیہ و تعلیم مولانا غلام رسول سے منطق وفلسفہ اور دوسری مذہبی کتب پڑھیں۔ سند فراغت کے لئے آپ استاذ المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پہنچے۔ حدیث نبوی وہاں پڑھنے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ سے سند فراغت حاصل کی چار سال تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کی۔ ایک سال اپنے گاؤں میں تدریس کی اس کے بعد دس سال جامع مسجد شیرانوالہ، گجرانوالہ ۱۰ سال حضرو، ۱۰ سال اوکاڑہ، ۱۰ سال مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بھاولنگر میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی، مولانا عبد السلام اور مولانا محمد صابر صاحب، مولانا محمد امتیاز نے فقیر والی میں

موقوف علیہ کتب حضرت شیخ الحدیثؒ سے پڑھیں، ۵ سال فیصل آباد۔ ۳ سال مدرسہ نصیریہ غور غشی اور اس کے بعد ۴ دسمبر ۱۹۹۰ء یوم وفات تک تیرہ سال دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں دورۂ حدیث پڑھاتے رہے جانشین شیخ القرآن قاضی احسان الحق فرزندان شیخ القرآن مولانا حسین علی، مولانا اشرف علی جنہیں اساتذہ کی خدمت کا جذبہ اپنے والد بزرگوار شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے ملا ہے انہوں نے شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیرؒ کی تعظیم وتکریم اور خدمت اس انداز سے کی کہ آپ عمر کے آخری لمحات تک دارالعلوم میں رہے ۹۷ سال کی طویل عمر میں ۶۳ سال آپ نے تدریس کی۔ سادگی، انکساری آپ کی عادت تھی اتنی طویل عمر میں چلنے پھرنے اپنا کام خود کرنے میں کسی کی مدد کے محتاج نہ ہوئے وفات سے پہلے ۱۱ دن بخار میں مبتلا ہوئے بیماری کے دوران بھی اسباق پڑھاتے رہے وفات سے پانچ دن پہلے اپنے گاؤں مومن پور تشریف لائے زندگی کی آخری نماز عشاء بھی ادا کی اور اس کے بعد نیم بیہوشی میں ”سلام قولا من رب رحیم“ پڑھتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ۴ دسمبر ۴ بجے قبل عصر آپ کا جنازہ ہوا۔ علماء کرام، طلبہ کرام ہزاروں کی تعداد میں جنازہ میں شامل ہوئے جنازہ کی امامت آپ کے تلمیذ رشید شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب نے کی۔ سینکڑوں اشکبار آنکھوں کے سامنے آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

الباقیات الصالحات: آپ نے متعدد تصانیف کی۔ جن میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ بھی ہیں ان میں توثیق الکلام، تدقیق الکلام، ارشاد العلماء اور صحابہ دشمنی سے بھری ہوئی کتاب ”استخلاف یزید“ کے جواب میں ”القول السدید“ کا مقدمہ خاص طور پر مشہور تصانیف ہیں۔ آپ نے ہزاروں شاگرد علماء یادگار چھوڑے ہیں اپنے گاؤں میں حفظ وناظرہ کا مدرسہ فیض القرآن جس کے .... آپ کے صاحبزادے مولانا حافظ محمد ادریس، پوتے مولوی محفوظ الرحمٰن، بھتیجے مولوی عبد الباسط بھی علماء ہیں۔ آپ کے الباقیات الصالحات میں سے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیرؒ کی وفات سے امت مسلمہ ایک محدث کبیر، فقیہ شہیر، مفتی، قاضی، عالم ربانی سے محروم ہوگئی رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ

ع....خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
ع......اب ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(تعلیم القرآن راولپنڈی جنوری ۱۹۹۱ء)

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی پہلے غیر مقلد جماعت سے وابستہ تھے۔ ان کو غیر مقلدیت سے حنفیت کی طرف لانے کا سہرا مولانا عبدالقدیر کیمل پوریؒ کے سر پر ہے۔ ''تجلیات حبیب'' کے صفحہ ۲۶، ۲۷ پر مولانا اوکاڑویؒ کے حوالہ سے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ احقر نے طوالت کے خوف سے اس کو ذکر نہیں کیا۔

میرا خیال ہے کہ مولانا کیمل پوریؒ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ دنیا جانتی ہے، مولانا اوکاڑویؒ سے مقلدین کو کتنی تقویت ملی ہے، غیر مقلدین کے خلاف مناظرے اور رسائل تحریر کر کے ان کے دانت کھٹے کر دئے ہیں فجزاهم الله احسن الجزاء

مولانا قاری سعید الرحمٰن جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کی تحریر

مولانا عبدالقدیر صاحب بڑے صاحب کمالات بزرگ تھے۔ آپ نے باوجود بڑے عالم ہونے کے انتہائی سادی زندگی گزاری آپ اگر کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو کوئی یہ محسوس نہ کرتا کہ اتنی عظیم شخصیت یہاں موجود ہے۔ اگر کسی علمی مسئلہ میں آپ سے سوال کیا جاتا تو آپ خوب سیر حاصل بحث فرماتے۔ (دار العلوم تعلیم القرآن)

علمی شان کے لئے اتنا ہی کافی ہے: راولپنڈی میں قیام کے دوران بار بار حضرت کی تشریف آوری جامعہ اسلامیہ ہمارے ہاں ہوتی۔ حضرت کو دیکھکر قرون اولی کی کسی شخصیت کا گمان ہوتا۔ طلبہ کے ساتھ آپ کی شفقت بے انتہا رہتی، طلبہ آپ کے حسن خلق اور بہترین سلوک کی وجہ سے دور دراز سے آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ آخری دور میں آپ کی مقبولیت عند اللہ میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔ مختلف ارباب مدارس کی خواہش ہوتی تھی کہ آپ ان کے مدارس میں تدریس

فرمائیں۔ آپ کی علمی شان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر بخاری جو ''فیض الباری'' کے نام سے مشہور ہے اس میں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب کی تقریر سے خصوصی طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ''فیض الباری'' کے مقدمہ میں حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ کے حضرت شاہ صاحبؒ کے امالی مرتب کرنے کے ضمن میں ارشاد فرمایا.........

ثم انه لم يقتنع بما عنده بل استفاده كثيرا من الامالى التى ضبطها صديقنا الفاضل المحترم مولانا عبدالقدير الكامل فورى و صديقنا الفاضل المحترم مولانا عبدالعزيز الكامل فورى دام فضلهما

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کا حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب سے بڑا قریبی اور خصوصی تعلق تھا۔ اسمیں ایک وجہ تو یہ تھی کہ دونوں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ صاحب کے فیض یافتہ تھے دوسری وجہ حضرت مولاناؒ کا تبحر علمی تھا، ملک میں جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو علماء حضرتؒ کی طرف ضرور رجوع فرماتے۔ ہمارے علاقہ چھچھ میں جب اہل بدعت کسی مسئلہ کو اٹھاتے اور ان کو معلوم ہوتا کہ حضرت مولانا گفتگو کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو اپنی سبکی چھپانے کے لئے حیل و حجت سے کام لیتے۔ بارہا دیکھنے میں آیا کہ مخالفین حضرت کے علمی شان کے مقابلہ سے قاصر رہے۔ علاقہ کے ایک صاحب نے حضرت معاویہؓ اور استخلاف یزید کے بارے میں ایک کتاب لکھی۔ جو جمہور اہل السنۃ کے نقطہ نظر سے قابل اعتراض تھی، حضرتؒ نے اس پر طویل تبصرہ فرمایا اور اہل حق کے موقف کو دلائل سے بیان فرمایا۔

حضرت مولانا کو بسا اوقات گاؤں والوں کی طرف سے تکالیف پہنچتی جیسے کہ عام طور پر دین سے نابلد لوگوں کا اہل علم کے ساتھ رویہ ہوتا ہے، مگر حضرتؒ نے ان سب باتوں کو اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، حضرتؒ نے اپنے خاندان کو علم کی طرف لگایا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادہ مولانا حافظ محمد ادریس صاحب اور پوتے مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب بہترین عالم اور مدرس ہیں۔ حضرت کی شان کے لئے یہی کافی ہے کہ اس وقت پاکستان کی سب سے بڑی اور

بزرگ ہستی امام اہل سنت مولانا شیخ الحدیث محمد سرفراز صفدر صاحب مدظلہ حضرتؒ کے خاص شاگرد رہے، اور مولانا مدظلہ ہمیشہ حضرتؒ کا ذکر فرماتے ہیں، اور حضرتؒ کا جنازہ بھی حضرت مدظلہ نے پڑھایا۔ مولانا کے تلامذہ شیخ الحدیث مولانا محمد صابر صاحب، شیخ التفسیر مولانا عبدالسلام صاحب، مولانا محمد امتیاز صاحب کے اسمائے گرامی بھی قابل ذکر ہیں۔ جن کے فیوض سے لوگ بڑے مستفید ہو رہے ہیں۔ (نقوش بزرگاں جلد اول)

علمی قابلیت کے لئے حضرت شاہ صاحب کا بیان: آپ کی علمی قابلیت کے لئے حضرت شاہ صاحب کا بیان کافی ہے جسے مولانا عبدالقدیرؒ اپنے ایک مضمون میں یوں تعبیر فرماتے ہیں کہ جب میں ڈابھیل گیا تو دورۂ حدیث میں داخلہ ہوا سال کے دوران میں حضرت شیخ (علامہ کشمیریؒ) کے درس کی تقریر ضبط کرتا رہا سال کے اختتام پر حضرت نے فرمایا کہ اگلے سال بھی رہ جاؤ اور بخاری کا سماع کرلیا کرو چنانچہ ایسا ہی کیا دوم سال کی تقریر بھی منضبط کیں دوسرے سال کے ختم پر حضرت شیخ نے حاجی محمد بن موسیٰؒ (سملکی ۔افریقی) کو بھیجا کہ مولوی عبد القدیر اور مولوی عبدالعزیز کامل پوری (فاضل واستاذ جامعہ ڈابھیل) کو کہو کہ آئندہ کے لئے آپ کو مدرسہ کا مدرس تجویز کیا گیا ہے آئندہ سال آپ یہ خدمت کریں گے (ماہنامہ بینات کراچی رجب ۱۳۹۸ھ)

۹ مولانا اسماعیل کارا صاحب لاجپوریؒ

حضرت مولانا اسماعیل صاحبؒ لاجپور کے کبار علماء میں سے تھے، بچپن ہی سے اپاہج ومعذور تھے، سرین کے بل چلتے تھے، اس حالت میں گھر سے دور رہ کر تحصیل علم میں برسوں گزارے اور خاتم المحدثین علامہ کشمیریؒ سے شرف تلمذ حاصل فرمایا۔

آپ نے زندگی درس وتدریس اور دینی خدمت میں گزاری، تعویذ وعملیات میں حق تعالی نے ملکہ اور قبولیت عطا فرمائی تھی، جن وشیاطین کی شرارت اور نظر بد کے وقت بے اختیار لوگوں کی نظر آپ ہی کی طرف اٹھتی تھی، سنا ہے کہ مولانا کی وفات کا حادثہ بھی ایسے ہی کسی واقعہ میں پیش آیا۔ زندگی کا بیشتر حصہ مفلسی میں گزارا مگر دین کی خدمت ترک کرنا گوارہ نہ فرمایا، بڑے اخلاص

وللّٰہیت کے ساتھ درس وتدریس وامامت کی خدمت انجام دی، مولانا کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے۔

ولادت: آپ کی ولادت بمقام لاجپور غالباً ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔

تعلیم وفراغت: ابتدائی تعلیم لاجپور میں حاصل کی پھر دارالعلوم ثانی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں داخلہ لیا، اور آخر تک یہیں رہ کر ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ: مولانا مرحوم نے اپنے وقت کے اکابرین علماء سے اکتساب فیض کیا، چند اساتذۂ باکمال کے اسماء درج ذیل ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ سے ”مقامات حریری“، مولانا احمد بزرگ صاحب سے ”سراجی“، مولانا سید محمد ادریس صاحبؒ ومولانا محمد یحیی صاحبؒ سے ”ہدایہ“، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے ”جلالین“، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ سے ”مشکوۃ شریف“، مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ سے ”ابوداؤد“، مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ سے ”مسلم شریف“ اور خاتم المحدثین حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے ”بخاری شریف“ پڑھی۔

ڈابھیل سے فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔

رفقائے درس: مولانا عبدالقدیر کامل پوریؒ، مولانا عبدالعزیز کامل پوریؒ، مولانا محمد ہاشم بخاریؒ، مولانا عبدالحفیظ لاجپوریؒ وغیرہ آپ کے رفقائے درس تھے۔

تدریسی خدمات: مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں فارسی واردو کی تدریسی خدمات بڑی محنت کے ساتھ پچیس سال تک کیں، مولانا ابراہیم صاحب ڈایا نے آپ سے کچھ عرصہ ”ہدایہ“ اور ”مختصر المعانی“ بھی پڑھی، موصوف فرمایا کرتے تھے کہ مولانا ذی استعداد عالم تھے۔

وفات: مولاناؒ کی وفات ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں ہوئی، نماز جنازہ آپ کے رفیق خاص مولانا ابراہیم صاحب لاجپوریؒ نے پڑھائی، لاجپور کے قبرستان میں مدفون ہیں (رحمہ اللہ)

۱۰

مولانا عبدالحفیظ صاحب لاجپوریؒ

مولانا مرحوم کا شمار قریہ لاجپور کے معمر علماء میں سے تھا آپ جامعہ ڈابھیل کے فاضل اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں سے تھے

ولادت: آپ کی ولادت ۲/صفر ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں لاجپور میں ہوئی، آپ کے والد محترم حضرت مولانا احمد میاں صاحب گجرات کے کبار علماء میں سے تھے اور جد بزرگوار حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحبؒ اپنے وقت کے قطب اور ولی اللہ تھے۔

تعلیم وفراغت: لاجپور میں ابتدائی دینی وارد و تعلیم مولانا محمد یوسف صاحب ومولانا مفتی مرغوب احمد صاحب سے حاصل کی پھر فارسی مولانا حکیم عبدالحق صاحب ومولانا ابراہیم صاحب ومولانا سید قاضی عبدالحی صاحب سے لاجپور ہی میں پڑھی، کچھ عرصہ پالنپور میں بھی رہے، عربی کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں دوسال رہ کر حاصل کی، چند درجات عربی راندیر میں پڑھے، پھر ڈابھیل تشریف لائے، اور دوسال قیام کر کے ۱۳۴۹ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ: حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ سے مشکوۃ شریف، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ سے جلالین شریف، حضرت مولانا سراج احمد رشیدیؒ سے ابوداؤد شریف، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے مسلم شریف، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے بخاری شریف وغیرہ کتب پڑھیں۔

سفر رنگون: فراغت کے بعد ۱۹۳۹ء میں رنگون (برما) تشریف لے گئے وہاں درس وتدریس کے ساتھ حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحبؒ کے فتاوی کی نقل کی خدمت فرمائی۔

پاکستان کا سفر: تقسیم ہند کے بعد پاکستان کا سفر فرمایا اور وہیں برسوں مقیم رہے۔

اوصاف: راقم الحروف (صاحب مضمون مولانا مرغوب صاحب) نے مولاناؒ کی ملاقات کراچی میں ان کے مکان پر کی۔ بڑی محبت سے ملے اور مہمان نوازی کی، کئی مرتبہ گھر جانا ہوا جب بھی دیکھا مولانا کو مطالعہ میں مصروف پایا۔

طبیعت میں سادگی تھی، آہستہ آہستہ بات کرنے کے عادی تھے، حضرت مولانا عبدالحی صاحب میرٹھیؒ (محدث وصدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی)، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ وغیرہ بزرگوں کی زیارت کرنے والوں میں سے تھے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا غلام محمد مجددیؒ نقشبندی سے بیعت اور اصلاح کا تعلق تھا۔

وفات: زندگی کے آخری ایام لاجپور میں گزارے صحت کی خرابی کے باعث پاکستان کا قیام ترک کر کے وطن آگئے تھے، چند سال صاحب فراش رہے بالآخر ۲۸/جمادی الاخر ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۰/اکتوبر ۱۹۹۸ء شب منگل رحلت فرمائی، نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی (صدر مفتی جامعہ ڈابھیل) نے پڑھائی اور اپنے والد بزرگوار مولانا احمد میاں صاحبؒ کے پہلو میں دفن ہوئے (رحمہ اللہ تعالی) (بشکریہ مولانا مرغوب احمد لاجپوری ڈیوزبری یو۔ کے)

۱۱

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ

نام: غلام اللہ خان اور لقب ''شیخ القرآن'' تھا۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء کو ضلع اٹک علاقہ چھچھ کے گاؤں ''دریہ'' میں مقیم ایک صاحب ثروت اور نامور شخصیت ملک فیروز خان نمبر دار کے گھر فرزند ارجمند پیدا ہوا۔ جس کا نام غلام خان دادی صاحبہ نے رکھا جو خاندان کی برگزیدہ اور نیک سیرت خاتون تھیں، بعد ازاں آپ کی گراں قدر دینی خدمات اور علوم قرآن وحدیث کے ساتھ والہانہ تعلق کے پیش نظر ایک ولی کامل شیخ طریقت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس اللہ سرہ نے اپنے احباب کی مجلس میں مولانا موصوف کا تذکرۂ جمیل سن کر غلام اللہ خان کے نام سے نوازا۔ اللہ والے کی زبان سے نکلا ہوا یہ نام نہ صرف عالمی شہرت کا حامل بنا بلکہ امت کے مقتدر وشہرۂ آفاق نامی گرامی علماء کی فہرست میں امتیازی حیثیت سے اجاگر ہوا۔ جس کی تصدیق وتوثیق حضرت شیخ اس طرح فرماتے ''خاندانی نام کو چنداں پذیرائی حاصل نہ ہوسکی مگر اللہ والے کی زبان صدق ترجمان سے نکلے ہوئے نام کی صدا اطراف واکناف عالم میں گونج گئی''۔

مولانا کے طالب علمی کے زمانہ ہی میں قرآن کے ساتھ والہانہ عشق اور علوم قرآن سے گہری وابستگی مشاہدہ فرما کر ان کے مرشد و مربی رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ نے ''شیخ القرآن'' جیسا امتیازی نوعیت کا لقب عطا فرمایا تھا۔ جو دائمی شہرت حاصل کر گیا اور مدیر ماہنامہ الحق دامت برکاتہم کے بقول اسلامی تاریخ میں بھی یگانہ وفرزانہ ہے۔ ''زبان خلق پر بھی وہ شیخ القرآن کے منفرد لقب سے معروف ہوئے کہ شیخ الحدیث کا لقب اور منصب تو تاریخ اسلام میں چلا آرہا ہے مگر وہ غالبا پہلے بزرگ ہیں جنہیں شیخ القرآن کے تمغۂ سعادت کے ساتھ شہرت ملی'' (ماہنامہ الحق رجب ۱۴۰۰ھ)

ابتدائی تعلیم : ناظرہ قرآن مجید اپنے گاؤں کے امام مسجد سے پڑھا جب کہ پانچ سال کی عمر میں گاؤں سے دو میل دور موضع ''بہادر خان'' کے اسکول میں داخل ہوئے جہاں مڈل تک تعلیم حاصل کی اور پھر ہائی اسکول میں نویں جماعت کے امتحان میں کامیابی حاصل کی لیکن قدرت نے جس جوہر آبدار سے آپ کے قلب کو منور فرمایا تھا وہ انہیں علوم اسلامیہ کے حصول پر برانگیختہ کرتا تھا۔ بالآخر آپ کے قلب صافی میں علوم قرآن وحدیث کے اصول کا اشتیاق ایسا شعلہ زن ہوا کہ اس راہ میں حائل علاقائی اور خاندانی تمام رکاوٹیں پاش پاش کر کے علاقہ پوٹھوہار کے دور افتادہ گاؤں ''جچہ'' نزد لکھو جا پہنچے جہاں ایک درویش منش جید عالم دین استاذ العلماء حضرت مولانا احمد دین علوم وفیوض کی ضیاء پاشی فرما رہے تھے۔

علوم وفنون کی تکمیل : شیخ القرآن جب اس بحر محیط کے غواص بن کر درہائے ناسفتہ اور گہر ہائے مکنونہ حاصل کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تو رحمت ایزدی کا سمندر بھی جوش میں آگیا جس نے آپ کی اعلیٰ علمی و ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور آپ پورے انہماک اور استغراق سے معقولات اور منقولات کی دولت سمیٹنے لگے اس زمانہ میں بھی موضع ''انھی''، تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے مدرسہ حسینیہ میں معقولات کے امام علامہ غلام رسول اور ان کے داماد مولانا ولی اللہ معاون کی حیثیت سے علمی جواہر پارے بکھیر رہے تھے۔ شیخ القرآن بھی اس چشمۂ صافی سے سیراب ہونے کی غرض سے وہاں تشریف لے گئے فقہ، اصول فقہ، معانی، کلام، عقائد، منطق، فلسفہ، ریاضی، مشکوۃ شریف، جلالین، بیضاوی اور ترجمۂ قرآن علامہ موصوف سے پڑھا۔ موصوف وقت سحر سے نماز عشاء تک پڑھانے میں مشغول رہتے تھے۔

قرآنی علوم ومعارف کا حصول : علامہ غلام رسولؒ کا معمول تھا کہ اپنے تلانذہ اور مسترشدین کو معقولات اور منقولات سے فراغت کے بعد اپنے مرشد کی خدمت میں قرآنی علوم ومعارف سے بہرہ یاب ہونے کے لئے واں بھچراں بھیج دیتے تھے۔

چنانچہ علامہ غلام رسول نے اپنے شاگرد رشید مولانا غلام اللہ خان کو بھی حسب دستور رئیس المفسرین مولانا حسین علی کی خدمت میں علم تفسیر حاصل کرنے کی غرض سے بھیج دیا۔ حضرت شیخ کے دل میں بھی یہ ولولہ اور جزبہ موٴجزن ہوا کہ کسی شہرۂ آفاق مفسر قرآن کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے قرآنی جواہرات حاصل کروں تا کہ اب تک کی محنت ثمر بار ہو سکے۔ چنانچہ آپ رخت سفر باندھ کر واں بھچراں روانہ ہو گئے۔

جب حضرت کی ملاقات سے شرف بار ہوئے اور آمد کا مقصد عرض کیا تو انہوں نے ایک ایسا سوال پوچھا جو بظاہر سادہ اور معمولی تھا۔ لیکن اس کی پنہائیوں میں علمی اور تحقیقی مباحث مضمر تھیں آپ پر سکتہ طاری ہو گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے کہ اب تک جو کچھ حاصل کیا تھا وہ تو قرآنی علوم کے سمندروں میں سے ایک قطرہ کی مانند بھی نہیں۔ گویا کہ قرآنی اسرار ورموز سے ابھی تک تہی دامن ہوں۔

حضرت شیخ کا یہ سوال تھا کہ سورۂ مائدہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالی فرماتے ہیں ''اے ایمان والوں اپنے وعدے پورے کرو۔ تمہارے لئے چار پائے حلال ہیں'' اس میں ایفائے وعدہ کے ساتھ حلت انعام کا کیا جوڑ ہے اگر سوال فلسفہ، منطق یا ریاضی کا ہوتا تو ایسی جامع مانع تقریر جھاڑ دی جاتی جو سامعین کو مبہوط کر دیتی اور مزید اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہتی مگر یہاں تو حقائق ومعارف قرآنی کا بحر بیکراں ٹھاٹھے مار رہا تھا جواب میں آپ کی بے بسی کو دیکھ کر شیخ نے فرمایا پھر ''یہیں سے قرآن شروع کرلو''

علم حدیث کا اشتیاق اور امام العصر علامہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضری : شیخ القرآن جب معارف قرآنیہ کا گراں مایہ خزینہ اور علوم فرقانیہ کا بیش بہا گنجینہ حاصل کر چکے تو عشق نبوی

ﷺ مقتضی ہوا کہ اپنے آقا اور مولائے کل ختم الرسول ﷺ کی احادیث طیبہ کے انمول موتی بھی حاصل کئے جائیں جس طرح احسان اور تزکیہ اور قرآنی رموز اور معارف کی روح پرور وادی سے گذرنے کے لئے مرد حق آگاہ اور خضر راہ قدوۃ السالکین رئیس المفسرین مولانا حسین علی برداللہ مضجعہ جیسا مربی مل گیا۔ اس طرح علم حدیث گنج ہائے گراں مایہ سے سرفراز ہونے اور وادئ علم وادب کو کامیابی اور فتح مندی سے طے کرنے کے لئے مشیت ایزدی جامع معقول ومنقول خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسا خضر راہ عطا فرمادیا۔

تائید غیبی کے طور پر یہ واقعہ بھی رونما ہوا کہ شیخ القرآن کے فنون کے ہم سفر ساتھی مولانا عبد القدیر نے جو ڈابھیل میں دورۂ حدیث میں شریک تھے، خط لکھا علامہ کشمیریؒ اکثر بیمار رہتے ہیں لہذا وقت کو غنیمت سمجھے اور جس قدر جلد ممکن ہو ان سے استفادہ کرے۔ شیخ القرآن نے اس ارادہ سے اپنے مرشد کو آگاہ کیا تو انہوں نے برضا ورغبت جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور کاغذ کے معمولی سے پرزے پر چند تعریفی اور سفارشی الفاظ تحریر فرما کر علم حدیث کے انوار سے فیض بار ہونے کے لئے، پیکر علم وفضل، نابغۃ العصر، بحر العلوم علامہ انور شاہ کشمیری کی خدمت میں دیوبند بھیج دیا۔ علامہ موصوف معارف واسرار قرآن وحدیث اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحر بے کراں تھے۔ ان کے حلقۂ درس حدثنا واخبرنا کے زمزموں سے زعفران زار بنا ہوا تھا اور پوری دنیا میں انکے فضل وکمال کا طوطی بول رہا تھا۔

شیخ القرآن کو دیوبند پہنچنے پر معلوم ہوا کہ امام العصر علالت کے باعث گھر پر تشریف رکھتے ہیں آپ خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور امام العصر کو بستر علالت پر پایا آپ کی خدمت میں قدوۃ المفسرین علامہ حسین علی کا گرامی نامہ پیش کیا۔ موصوف مولانا کا اسم گرامی سن کر بے ساختہ فرمانے لگے مجھے بٹھایا جائے۔ بیٹھ کر رقعہ، ادب سے چوما اور غایت عزت واحترام سے آنکھوں پر لگایا۔ پھر فرمایا حضرت کا فرمان سر آنکھوں پر، لیکن افسوس کہ علالت کے باعث آپ کی علمی تشنگی بجھانے سے سر دست قاصر ہوں، بہتر ہے کہ آپ دار العلوم دیوبند تشریف لے جائیں تا کہ آپ کی علمی تشنگی کا مداوای ہو سکے۔ شیخ القرآن جو عزم واستقلال کے پہاڑ تھے اس واقعہ سے کبیدہ خاطر ہو کر ہمت ہارنے کی بجائے فی الفور دار العلوم تشریف لے گئے جہاں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ علوم نبوت کے موتی بکھیر رہے تھے۔ حسب دستور استاد العلماء مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ نے آپ سے داخلہ کا امتحان لیا۔

موصوف آپ کی اعلی صلاحیت، بے مثال قابلیت اور علمی تفوق سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اتفاق سے اسباق میں تعارض تھا۔ اس لئے ممتحن نے سفارشی نوٹ لکھا ''طالب علم بے حد ذہین اور فطین اور ذی استعداد ہے۔ لہذا اسباق کا تعارض رفع کر کے اسے داخل کر لیا جائے'' آپ نے دیوبند کے اجلّہ شیوخ سے کسب فیض شروع کر دیا مگر علامہ انور شاہ صاحب کی طلب وتڑپ میں دل مضطرب رہتا چنانچہ جب اللہ تعالی نے انہیں صحت کی نعمت سے نوازا اور اسباق شروع کرادئے تو شیخ القرآن یہ مژدۂ جان فزا سنتے ہی ڈابھیل خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر ''انوری'' خزینہ سے علم کے انمول موتیوں سے دامن بھرنے لگے امام العصر کے تبحر علمی کو دیکھ کر بے ساختہ یہ زباں پہ آتا تھا کہ خزانۂ قدس کے لدنی سرچشمے تک ان کا ذہنی رابطہ ہے ورنہ کسب وکوشش سے اس مقام تک رسائی ممکن نہیں۔ بہر حال شیخ القرآن مرحوم نے جس ذوق وشوق، ولولہ اور انہماک سے معقولات ومنقولات کا علم حاصل کیا تھا وہی استغراق اور جاں سوز محنت علم حدیث کے حصول میں بھی کارفرما تھی آپ کا محیر العقول حافظہ اور بلند پایہ صلاحیتیں امام العصر کی خصوصی توجہ اور باطنی عنایات کا مرکز بن گئیں۔ دنیا کا تجربہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات اور کمالات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے ''پیش مردِ کاملے پامال شو'' پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ شیخ القرآن کو بھی اللہ کریم نے جس بلند علمی مقام سے نوازا تھا وہ ان کی ذہانت وذکاوت اور علمی استعداد سے کہیں زیادہ امام العصر کے فیضان نظر کا مرہون منت تھا۔

شیخ القرآن کے علمی کمالات اس فقید المثال واقعہ نے مہر تصدیق ثبت کر دی کہ جہاں آپ امام العصر سے علوم نبوت سے بہرہ یاب اور فیض بار ہو رہے تھے وہاں منطق اور فلسفہ کے اسباق کے علاوہ رئیس المفسرین علامہ حسین علی کے طرز پر بنگالی طلباء کو تفسیر قرآن بھی پڑھا رہے تھے یہ اعزاز اور

سعادت مشکل ہی سے کسی کو نصیب ہوسکتی ہے کہ بیک وقت طالب علم بھی اور شیخ التفسیر بھی۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

این سعادت بزور بازو نیست :: تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جب یہ قابل صد افتخار اطلاع امام العصر کے گوش گذار ہوئی تو انہوں نے اپنے شاگرد رشید کو ایک عمدہ اور نفیس خلعت مرحمت فرما کر اپنی مسرت وانبساط کا اظہار فرمایا۔ امام العصر اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے حدیث کے اساتذہ ہیں۔ اس طرح ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۳ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سید الابرار کے عرفان ورموز سے کماحقہ بہریاب اور سیراب ہو چکے تھے علم کا یہ سمندر تلاطم خیز تھا مشاہیر اہل علم کے فیضان نظر نے انہیں فضیلت وسعادت کا ماہتاب اور زمانے کا امام ومقتدا بنا دیا تھا چنانچہ آپ ”یعلمھم الکتاب والحکمۃ“ کا جلیل القدر اور رفیع المرتبت مشن لے کر تعلیم وتعلم کے میدان میں قدم رنجہ فرما ہوئے۔ امام العصر نے اپنے ظل عاطفت میں ایک سال کامل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس پر مامور فرمایا۔

تدریس کا آغاز: ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں پنجاب واپس آکر حضرت شیخ القرآن نے علمی زندگی کا آغاز ”مدرسہ برکات الاسلام“ وزیر آباد میں درس وتدریس سے کیا، عنفوان جوانی اور نو وارد ہونے کے باوجود آپ کی قابل رشک علمی صلاحیتوں اور قابلیت کی شوکت وسطوت طلباء کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی اور دور دور سے طلباء پروانہ وار آنے لگے بیک وقت ساٹھ سے زائد طلباء شریک درس ہوتے تھے شیخ نے جس طرح محنت شاقہ، جاں فشانی اور عرق ریزی سے علم کی دولت حاصل کی تھی اسی طرح پڑھانے میں بھی بے مثال شغف وانہماک، دلچسپی اور شوق کارفرما تھا۔ ان کا اصلی ذوق اور افتاد طبع مطالعہ ہی تھا جوان کی غذا اور لازمۂ زندگی بن گیا تھا۔ حسب ذیل معرکۃ الآراء کتابیں بیک وقت پڑھاتے رہے۔ مطول، مختصر المعانی، حسامی، توضیح وتلویح مسلم الثبوت، صغری، کبری، میر زاہد، ملاحسن، ملاجلال، امور عامہ وغیرہ اور مشکوۃ، ہدایہ وغیرھم۔

استعداد کامل، فکر صائب اور ذہن رسا کے باعث بہت جلد علم کے اس مقام رفیع تک پہنچ

گئے، جسے حاصل کرنے کے لئے کہنہ مشق شیوخ اپنی عمریں کھپا دیتے ہیں۔

اسی زمانہ میں کچھ عرصہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں بھی رونق افزور ہے۔ اگرچہ آپ کی علمی دھاک بھیرہ کے لوگوں کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی اور طلبا کے بھی ماوی وملجا تھے۔ لیکن علاقہ کے لوگوں کے مشرکانہ عقائد اور بدعات کے خوگر ہونے کے باعث شیخ القرآن کے خالص توحید کے موضوع پر تقریریں مزاج کے موافق نہ آئیں اور طبع ناشاد ہونے لگی۔ بنا بریں مولانا ظہور احمد بگوی مہتمم مدرسہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ بھیرا سے گجرات منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء کو آپ مدرسہ شاہ حسین گجرات تشریف لے گئے اور فرائض تدریس انجام دینے لگے۔ اسی اثنا میں آپ کے والد جناب ملک فیروز خان کو اطلاع ملی کہ غلام خان گجرات میں قیام پذیر ہے پدری شفقت شعلہ نوا ہوئی اور ملاقات کی غرض سے گجرات روانہ ہوگئے ملک صاحب رنجیدہ خاطر تھے میرے بیٹے نے منافع بخش تعلیم حاصل نہیں کی۔ اگر اسکول کالج کی تعلیم حاصل کرتا کسی اعلی عہدہ پر فائز ہوتا اور بڑے بڑے لوگ ملنے آتے میری عزت افزائی ہوتی اور خاندان کا نام روشن ہوتا لیکن ملک صاحب یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ گجرات کی طرز قدیم کی تعمیر شدہ مسجد کے صحن میں ایک بوریا نشین براجمان ہے سامنے درس نظامی کے منتہی طلباء حلقہ نما ہیں۔ ذی وقار، صاحب جبہ ودستار علماء، نامور زمیندار اور بڑے بڑے رئیس قدم بوسی کے لئے نیازمندانہ حاضری دے رہے ہیں۔

دارا وسکندر سے وہ مرد فقیر اولی ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

گجرات کے قیام کے دوران آپ نے تدریس کے ساتھ تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، آپ کے وعظ کا مرکزی موضوع توحید خداوندی تھا۔

راولپنڈی آمد: مولانا سیف الرحمٰن صاحب نے سابقہ واقفیت کی بنا پر راولپنڈی میں اسلامیہ ہائی اسکول میں معلم تعینات کرا دیا اور یوں شیخ القرآن راولپنڈی میں عربی مدرس کی حیثیت سے تشریف فرما ہوئے۔ راولپنڈی میں آمد نے نہ صرف آپ کی علمی زندگی میں عہد آفریں اور تاریخ ساز انقلاب بپا کیا بلکہ پورے ملک میں خالص اسلامی عقائد ونظریات کے انقلاب کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوئی۔

دار العلوم تعلیم القرآن کا قیام: ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۹ء یا ۱۳۵۸ھ ۱۹۴۰ء میں دار العلوم تعلیم القرآن کی ابتدا پرانا قلعہ کی چھوٹی سی مسجد سے ہوئی۔ جو اپنے عہد طفولیت اور ابتدائی ایام ہی سے شائقین علوم قرآنیہ کی توجہ کا مرکز اور مرجع بن گیا۔ اگرچہ شیخ القرآن نے راولپنڈی تشریف لانے کے بعد بھی فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ، ریاضی، عقائد، معانی اور کلام وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن یہاں آپ معلم القرآن کی حیثیت سے آسمان علم وفضل پر ایسے چمکے کہ پوری علمی دنیا آپ کی تحقیق وتدقیق پر ناز کرنے لگی۔ جس سے آپکو ملک گیر بلکہ عالم گیر لازوال شہرت نصیب ہوئی اور پوری دنیا میں ''شیخ القرآن'' کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر سیکڑوں فضلاء اس چشمۂ علم سے سیراب ہوکر دستار وسند فضلیت کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں درس وتدریس، افتاء تبلیغ کے فرائض انجام دینے اور تشنگان دین ومذہب کو سیراب کرنے میں مصروف ہوگئے چونکہ موصوف اپنے شیخ رئیس المفسرین علامہ حسین علی برد اللہ مضجعہ کی مجسم تصویر، ان کے علوم کے امین اور ان کے علمی اسرار کے آئینہ دار تھے بنابریں شیخ کے طرز پر قلعہ کی مسجد ہی میں ۲۱/رجب سے ۲۳/رمضان المبارک تک دورۂ تفسیر پڑھانا شروع کردیا۔ پہلے سال نو طلباء نے شرکت کی بعد میں تعداد بڑھتی گئی جو سیکڑوں تک جا پہنچی۔

شیخ القرآن کی قرآن مجید سے والہانہ عقیدت، عشق اور وابستگی ہی کا کرشمہ تھا کہ چالیس سال کے طویل عرصہ میں نامساعد حالات کے باوجود کسی سال بھی دورۂ تفسیر کا ناغہ نہ ہوا۔ بارہا حق گوئی کی پاداش میں شہر بدر ضلع بدر اور نظر بند وزبان بند کیا گیا مگر آپ جہاں اور جس حال میں بھی ہوئے رجب، شعبان اور رمضان مقدس مہینوں میں اپنی دل آویز آواز میں قرآن کی نغمہ سرائی میں مشغول ہوجاتے، سارا سارا دن تفسیر پڑھانے میں مصروف ومنہمک رہتے کئی کئی گھنٹے مسلسل پڑھاتے، نہ بیٹھنے سے اکتاتے نہ تھکاوٹ کا احساس ہوتا اور نہ ہی باوقار اور گرج دار آواز تغیر پذیر ہوتی۔ طلباء تھک کر نڈھال ہوجاتے، مگر قرآن کا یہ سچا عاشق اپنی جبین نیاز پر شکن تک نہ آنے دیتا۔

۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء میں کسی ناگزیر وجہ کی بنا پر تین دن مسلسل روزانہ بیس بیس گھنٹے پڑھانے میں مصروف رہتے۔ صرف چار گھنٹے نماز، طعام اور آرام کے لئے دیتے۔ یہ انتھک محنت موصوف کے فنافی القرآن ہونے کی بین دلیل تھی۔ اسی جہد مسلسل کا یہ صلہ تھا کہ آپ کے دورۂ تفسیر کو علمی دنیا میں ایسی لازوال پذیرائی نصیب ہوئی۔ جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے آج ساری دنیا میں ان کا علمی فیضان جاری ساری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ آپ کا علمی فیضان ملکی سرحدوں سے تجاوز کر کے براعظم ایشیاء اور براعظم افریقہ تک جا پہنچا ہے۔ عرب ممالک کے علاوہ مشرق بعید افغانستان، ایران، انڈونشیا، ملایا اور برما وغیرہ سے مشتاقان علوم قرآنیہ کشاں کشاں آتے اور اس چشمۂ علم سے سیراب ہوتے آپ کا بے مثال علمی فیضان اس آیت مبارکہ کی عملی تعبیر تھا۔

کشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء

فتنوں کا تعاقب: قدرت نے شیخ القرآن کو ان تمام اوصاف سے مزین فرمایا تھا جو فتنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونے کے لئے درکار ہوتے ہیں۔ فتنوں کی سرزنش اور تعقب کے لئے ''ایمانی غیرت'' ایسی پر جوش تھی کہ انہیں ہمہ دم ان کے خلاف بے قرار اور آتش زیر پا رکھتی ''شجاعت وجرأت'' کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے فراعنہ اور جابر اور ظالم حکمرانوں سے ٹکر لینا روزمرہ کا معمول تھا۔ علم وفضل، فہم وفراست اور سیادت ووجاہت میں اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ان کے دل میں قادیانیت کے خلاف زبردست دردوسوز، بے چینی وبیقراری اور غیض وغضب پایا جاتا تھا اس شعلہ افشاں نفرت وبیزاری کا اظہار تقریروں میں کئے بغیر چین نہ آتا۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ: صدر ایوب خان ''فلیڈ مارشل'' بن جانے کے بعد ''مسند اجتہاد'' پر بھی براجمان ہونے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ انہوں نے اکبر بادشاہ کی طرح دین الٰہی تیار کرنے کے لئے ایک کارخانہ ''مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی'' کے نام سے قائم کیا اور مشہور مستشرق ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو امریکہ سے درآمد کر کے اس کا سربراہ بنایا۔ نشۂ اقتدار کی بدمستی، سرکاری ذرائع کی پشت پناہی، دین اور دین دار طبقہ سے عناد نے فلیڈ مارشل اور ڈاکٹر کو اس قدر انتہا پسند بنادیا کہ دین محمدی ﷺ کے متعلق ''روایتی اسلام''، ''فرسودہ اسلام'' اور ''جامد اسلام'' جیسی ایمان سوز اور دل آزار اصطلاحات کا

آزادانہ استعمال کرنے لگے سود اور شراب جیسی قطعی حرام چیزوں کو حلال قرار دیکر ملک میں بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دینے کی سعی لاحاصل کرنے لگے۔ فضل الرحمٰن نے ''اسلام'' کے نام سے انگریزی میں کتاب لکھی جو ۱۹۶۶ء میں انگلینڈ میں طبع ہوئی تھی۔ جس کی چیرہ دستیوں سے صحیفۂ مقدس اور وحی الٰہی بھی محفوظ نہ رہے۔ وہ یہاں تک جسارت کر گیا کہ قرآن کا کوئی خارجی وجود نہیں تھا نہ کوئی فرشتہ لے کر آتا تھا۔ یہ سب (نعوذ باللہ) افسانے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے وجدان اور ضمیر سے جو بات اٹھتی تھی وہی وحی اور وہی قرآن کہلاتا تھا۔

اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی شیخ القرآن نے جید علماء کرام کا ایک اجلاس دارالعلوم تعلیم القرآن میں طلب فرمایا۔ اور اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کی تدابیر زیر غور آئیں۔ اگرچہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ادارہ کے دوسرے ذمہ دار حضرات کے ملحدانہ اور ایمان سوز نظریات مجلّہ ''فکر ونظر'' اور اخبارات میں مشتہر ہو رہے تھے، تاہم شیخ کی تجویز پر مولانا سید احمد حسین سجاد بخاری مدیر ماہنامہ تعلیم القرآن اور حافظ ریاض احمد اشرفی خازن روزنامہ جھنگ راولپنڈی پر مشتمل دو رکنی کمیٹی بنائی گئی۔ تاکہ کتاب کا مطالعہ کر کے اسلام کے ابدی مسلمات اور بنیادی عقائد کے خلاف گمراہ کن عبارات کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ کے لئے لائحہ عمل وضع کیا جا سکے۔ چند روز بعد کمیٹی نے اپنی رپورٹ شیخ کو پیش کر دی۔ موصوف نے علماء کرام کا اجلاس بلا کر انہیں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے کفریات سے آگاہ کیا۔

پھر شیخ القرآن بے خوف وخطر آتش نمرود میں کود گئے، فلیڈ مارشل کے شوق اجتہاد اور فضل الرحمٰن کی ملحدانہ تحریفات کے خلاف سر بکف ہو کر میدان میں نکل آئے اور زبردست جذب وسرمستی، دلیری وشجاعت کے ساتھ برسر پیکار ہوئے کہ الحاد وزندقہ کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ اس عظیم فتنہ کے خلاف تندی، تلخی اور تیزی سے پے در پے ضربیں لگائیں اور اپنی آتش فشاں تقریروں سے ڈاکٹر کے ''ماڈرن اسلام'' کے خلاف ملک بھر میں آگ لگا دی۔ پورے ملک میں اس کے خلاف ایک طوفان بپا ہو گیا۔ علماء کرام اور عوام اس کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور فلیڈ مارشل کا مطلق العنان اقتدار اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا ''ماڈرن اسلام'' اس طوفان کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھانے لگا۔ بالآخر حالات کی سنگینی کے پیش نظر فلیڈ مارشل نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو ادارہ کی سربراہی سے برطرف کر دیا اور اس طرح عوام الناس کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور اپنے اقتدار کو بچانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا۔

مشینی ذبیحہ: ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ نظریات کا ایک شاہکار ''مشینی ذبیحہ کی حلت کا فتوی بھی تھا'' اس نے فتوی دیا کہ ''اسلام میں مشینوں کے ذریعہ حلال مویشیوں کو ذبح کرنے کی اجازت ہے صرف ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہونا ضروری ہے''۔ اس بیان کو اسلام میں تحریف کے مترادف قرار دیتے ہوئے ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کے علماء نے صدائے احتجاج بلند کی اور مشینی ذبیحہ کو حرام قرار دیا۔ چونکہ مذبح راولپنڈی کے قریب سہالہ میں واقع تھا اس لئے شیخ القرآن اور راولپنڈی کے دیگر علماء کرام پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت اجاگر کریں۔ شیخ نے اپنے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر اس فتوی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ''ایسی مذموم حرکتوں کا اصل منشاء مسلمانوں میں انتشار اور خلفشار پیدا کرنا ہے۔ یہ فتوی قرآن وسنت کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے اور مداخلت فی الدین کی مکروہ سازش ہے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے جس طرح سود اور شراب کو حلال قرار دینے کی ناپاک جسارت کی تھی اسی طرح اب وہ مسلمانوں کو حرام گوشت کھلانے کی شرمناک کوشش میں مصروف ہے اگر حکومت نے ایسی ایمان سوز پالیسی ترک نہ کی۔ تو پھر اس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے''۔

غلاف کعبہ کی نمائش: ۱۹۶۳ء میں سعودی حکومت نے غلاف کعبہ بمبئی کی ایک فرم سے تیار کرایا اور کچھ حصہ پاکستان میں بھی بنایا گیا تھا کراچی میں کچھ حصہ زیر نگرانی سعودی سفیر تیار ہوا، اور کچھ حصہ لاہور میں امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی صاحب کی نگرانی میں تیار کیا گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دونوں ٹکڑے تیار کر کے سعودی عرب بھیج دئے جاتے مگر دونوں ٹکڑے شہر شہر کوچہ کوچہ میں پھرائے گئے، تعزیہ کی طرح بازاروں میں اس کا جلوس نکالا گیا، اس کی نمائش اور زیارت کے پروگرام اشتہارات اور اخبار کے ذریعہ مشتہر کئے گئے، کراچی والے ٹکڑے کو مولانا عبدالحامد بدایونی لے کر شہروں میں

نمائش کراتے اور غلاف کعبہ کے فضائل ومناقب پر وعظ فرماتے رہے اور لاہور والے ٹکڑے کی زیارت کا افتتاح خود مولانا مودودی صاحب نے کیا اور پھر ملک بھر میں پھرایا گیا۔ غلاف کے ساتھ جو ناروا سلوک اور غیر شرعی حرکات وقوع پذیر ہوئیں انہیں دیکھ کر شیخ القرآن کی رگ حمیت بھڑک اٹھی اور اس طوفان بدتمیزی کو برداشت نہ کر سکے اور اس سلسلہ میں ایک بیان جاری فرمایا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء: مرزائیوں کی شرانگیزی کے باعث ایک مرتبہ پھر ملک کے سات کروڑ مسلمان قادیانیوں کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے اور بالاخر اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے جس کی خاطر بے پناہ قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ ہوایوں کہ ۲۹؍مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر نہتے مسلمان طلباء پر مرزائی غنڈوں نے بزدلانہ حملہ کر کے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا۔ اس واقعہ سے مسلمان سیخ پا ہو گئے اور سخت مشتعل ہو کر مذہبی اور سیاسی قائدین، طلباء اور عوام نے ملک بھر میں ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔ چونکہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت شروع ہوتے ہی حضرت شیخ القرآن کو پس دیوار زنداں بھیج دیا گیا تھا جس کی وجہ سے انہیں تاجدار ختم نبوت کے ساتھ اپنے عشق ومحبت کے جوہر دکھانے کا موقع میسر نہ آسکا۔ جس کی مکافات کے لئے ۱۹۷۴ء کی تحریک کی خاطر جانی، مالی، علمی اور عملی تمام تر توانائیاں ناموس رسالت کے تحفظ کے خاطر نچھاور کر دیں۔ اور تن، من، دھن کی بازی لگا کر مرزائیت کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور جس طرح سیدنا صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کی خاطر ''مسجد نبوی شریف'' کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز گردانا۔ یوں ہی شیخ القرآن نے بھی سنت صدیقی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، مرزائیت کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کے لئے دارالعلوم تعلیم القرآن کی مسجد کو مرکز قرار دے دیا۔ چنانچہ حالات کی سنگینی کے پیش نظر شیخ القرآن نے شہر کے مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کا ایک ہنگامی اجلاس ۳۰؍مئی ۱۹۷۴ء کو دارالعلوم تعلیم القرآن میں طلب کیا۔ جس میں طے پایا کہ سانحۂ ربوہ کے خلاف ۳۱؍مئی کو تمام مساجد میں جمعہ کے اجتماعات میں صدائے احتجاج بلند کی جائے اور اس واقعہ کے خلاف غم وغصہ کے اظہار کے لئے نماز جمعہ کے بعد جلوس نکالا جائے، جس کی ترکیب اس طرح ہو کہ تمام بڑی مساجد سے لوگ جلوس کی صورت میں راجہ بازار پہونچیں اور پھر ایک بڑے جلوس کی شکل میں حسب پروگرام روانہ ہوجائیں۔

چنانچہ ساڑھے تین بجے دارالعلوم تعلیم القرآن سے شیخ القرآن کی قیادت میں جلوس برآمد ہوا۔ ایک جلوس جامعہ فرقانیہ کوہاٹی بازار سے برآمد ہوا۔ جس کی قیادت مولانا عبدالحکیم کررہے تھے، جبکہ مرکزی جامع مسجد سے برآمد ہونے والے جلوس کی قیادت طالب علم لیڈر شیخ رشید احمد اور مولانا فیض علی فیضی کررہے تھے اسی طرح دوسری مساجد سے بھی جلوس نکل کر راجہ بازار میں بڑے جلوس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جلوس مختلف بازاروں سے گزرتا ہوا لیاقت باغ کے وسیع میدان میں پہنچ کر عظیم الشان جلسہ کی صورت اختیار کر گیا۔ جسے ہر مکتب فکر کے علماء نے خطاب کیا۔ شیخ القرآن نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''سانحۂ ربوہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں ملوث تمام مجرموں کو فی الفور گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے تا کہ عوام میں پائی جانے والی بے چینی کا ازالہ ہو سکے اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مسلمانوں کے دیرینہ اور متفقہ مطالبہ کو پورا کیا جائے'' مرزائیوں کے خلاف مسلمانوں میں زبردست ہیجان پایا جاتا تھا، ہر جانب مظاہرہ اور احتجاج شروع ہو چکا تھا۔ وقت کی نزاکت کے پیش نظر شیخ القرآن نے ۳؍جون ۱۹۷۴ء کو دارالعلوم تعلیم القرآن میں ملک بھر کے مقتدر علماء کرام اور مختلف جماعتوں کے قائدین کا ایک نمائندہ اجتماع طلب کر لیا۔ ادھر حکومت نے سانحۂ ربوہ میں ملوث مرزائی بلوائیوں کے خلاف کوئی ٹھوس اقدام کرنے کے بجائے تحریک کو کچلنے کی ٹھان لی۔ اس اجتماع کو ناکام بنانے کے لئے حکومت نے تین مندوبین مفتی زین العابدین، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف اور علامہ تاج محمود کو لالہ موسی اسٹیشن پر ریل سے اتارلیا۔

بہرحال اجلاس میں حکومت سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ مرزائیوں کو فی الفور غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور عوام سے مرزائیوں کی مصنوعات کا مقاطعہ کرنے اور سانحۂ ربوہ کے خلاف ہڑتال کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

علمی وجاہت: حضرت شیخ القرآن متبحر عالم، شعلہ نوا مقرر، کہنہ مشق مدرس تھے۔ موصوف حد درجہ ذہین وفطین تھے، فنون کی کتابیں مستحضر تھیں، اگرچہ حافظ قرآن نہیں تھے لیکن جستہ جستہ اکثر قرآن ازبر

یاد تھا، منطق کی مغلق اور لاینحل عبارات نوک زباں تھیں، معقول ومنقول پر یکساں عبور حاصل تھا۔ قرآنی علوم میں گہرا شغف اور جذبۂ تحقیق سے سرشار تھے۔ بے شمار آیات کی تشریح وتوضیح میں مقتدر مفسرین کی پوری پوری عبارات یاد تھیں۔ حضرت ممدوح کے فضائل وکمالات کے گلدستہ میں اس فضیلت وکمال کو گل سر بند کی حیثیت حاصل تھی۔ علم حدیث میں آپ کی نگاہ بہت غائر تھی، قرآن وحدیث کی روشنی میں فرق باطلہ کے رد میں کامل دسترس حاصل تھی جس کے مناظر دورۂ تفسیر کے دوران قابل دیدنی ہوتے تھے۔ اگرچہ تمام علوم میں کامل مہارت حاصل تھی لیکن دو علوم قرآن مجید اور منطق نہایت ذوق اور وجدان کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ بلند پایہ اساتذہ اور جید مدرسین کی صف اول میں شمار ہوتے تھے۔ آخر وقت تک تدریسی ذوق برقرار رہا۔ قرآن مجید اور مسلم شریف کا درس کا سلسلہ جاری رہا۔ علم وفضل، فہم وفراست اور اصابت رائے میں اپنے معاصر علماء میں بلند مقام کے مالک اور وقت کے مقتدر اور شہرۂ آفاق علماء کرام میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ علمی مباحث میں اکثر علماء آپ کا سامنا کرنے سے گریزاں تھے۔ ایسے واقعات بے شمار ہیں۔

تصانیف: حضرت شیخ القرآنؒ جس طرح جلیل القدر مفسر اور محدث تھے اسی طرح تصنیف وتألیف میں بھی ید طولی حاصل تھا۔ لیکن تبلیغی اور تدریسی مصروفیات نے اس فن میں کمالات کے اظہار کا موقع بہت کم فراہم کیا ہے، بایں ہمہ چند نادر الوجود اور محققانہ تصانیف باقیات الصالحات کے طور پر یادگار چھوڑی ہیں۔

بلغۃ الحیران: رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ کے تفسیری نکات وافادات کا بیش بہا مجموعہ ہے، جو اثنائے درس حضرت شیخ القرآن نے قلمبند کئے تھے اور مولانا سید نذر حسین شاہ بھی اس کام میں معاون تھے۔ اور تفسیر کے دیباچہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ ”یہ تقریریں جو آگے آتی ہیں حضرت صاحب نے غلام خان سے قلمبند کروائی ہیں اور بذات خود ان پر نظر فرمائی ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ تفسیر کے ترتیب وجمع میں حضرت خود شریک اور ذمہ دار تھے۔ یہ مختصر مگر جامع مانع تفسیر ذخیرۂ تفاسیر میں منفرد حیثیت کی حامل ہے

جواہر التوحید: مسئلہ توحید کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کے براہین قاطعہ سے لبریز ہے۔

تفسیر جواہر القرآن: چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کی لا تعداد تفاسیر زینت قرطاس بنی ہیں، مگر تفسیر جواہر القرآن کا اسلوب نگارش توحید کے بنیادی عقیدہ کو آشکارا کرنے سے متعلق ہے۔ اپنی انفرادیت اور افادیت کے اعتبار سے اردو تفاسیر کی سرتاج ہے۔ تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہزارہاں کی تعداد میں طبع ہو چکی ہے۔ حضرت شیخ نے آخری عمر میں نظر ثانی کر کے مفید اضافات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جو چھ ضخیم جلدوں میں تکمیل پذیر ہونا تھا۔ جس کی صرف ایک جلد سات سو صفحات پر محیط تھی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور یہ پروگرام تشنۂ تکمیل رہ گیا۔

کتب خانہ: دار العلوم تعلیم القرآن کے کتب خانہ کے علاوہ حضرت شیخ کا ذاتی کتب خانہ مختلف علوم وفنون کی نایاب کتب پر مشتمل تھا۔ قلمی مخطوطات اور نادر الوجود کتب کی فراہمی کا بے حد ذوق تھا اور یہ ذوق ساری زندگی جواں رہا۔ مارچ ۱۹۸۰ء میں دار العلوم کے صد سالہ جلسہ میں جب تشریف لے گئے تو دیوبند اور دلی سے کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ خرید کر لائے تھے حالانکہ یہی آپ کے وصال کا سال ثابت ہوا۔ کتابوں کی حفاظت اور ترتیب کا بے حد خیال تھا۔ کتابوں کی ترتیب دینے پر اپنے خادم محمد عبد المعبود کو مامور کیا اور اسے جامعہ اشرفیہ لاہور اور خانقاہ سراجیہ کے کتب خانوں کی ترتیب کا اندازہ دیکھنے کو بھیجا تاکہ صحیح ترتیب سے کتابوں کو سجایا جائے۔

دار العلوم تعلیم القرآن کے شعبہ جات: دار العلوم تعلیم القرآن شیخ القرآن کی زندہ جاوید علمی یادگار ہے جو حسب ذیل شعبوں پر مشتمل ہے۔

دورۂ تفسیر: یہ شعبہ انفرادی اور امتیازی شان کا حامل ہے اس کی تعلیمی مدت ۲۱ رجب سے ۲۳ رمضان تک ہے جس میں اندرون وبیرون ملک کے سینکڑوں طلباء ہر سال سند فراغت حاصل کرتے ہیں۔

درس نظامی: اس شعبہ میں درس نظامی کی تمام کتب پورے اہتمام اور معقول انتظام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں متعدد تجربہ کار اور محنتی اساتذہ تدریس کی خدمت انجام دیتے ہیں، جب کہ طلباء کی

مجموعی تعداد عموماً دوسو سے زائد ہوتی ہے۔

شعبۂ حدیث: اس شعبہ میں پانچ کہنہ مشق اساتذہ جو احادیث کی جرح وتعدیل میں کما حقہ عبور رکھتے ہیں اپنے علمی فیوض سے مستفیض کررہے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں علماء کرام فیض یاب ہوکر دنیا کے مختلف ممالک میں دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

شعبۂ حفظ قرآن وتجوید: شعبۂ افتاء، شعبۂ نشرواشاعت، شعبۂ ثانوی تعلیم کے علاوہ ازیں اپنے آبائی علاقہ کو علمی فیوضات سے مستفیض کرنے کی غرض سے ''دریہ'' میں ۱۹۵۲ء دارالعلوم حسنیہ کی بنیاد رکھی اور پھر ۱۹۶۸ء میں اٹک شہر میں ایک عظیم الشان مدرسہ ''جامعہ اشاعت الاسلام'' قائم کیا اور ساتھ ہی ایک وسیع اور عالی شان مسجد بھی تعمیر کی۔ وہیں آج شیخ کی آخری آرام گاہ بھی مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔

سانحۂ ارتحال: اپریل ۱۹۸۰ء میں عمرہ کی سعادت سے سرفراز ہونے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ بیت اللہ شریف کی زیارت سے شرف بار ہونے کے بعد محسن انسانیت ﷺ کے دربار گوہر بار میں آخری سلام پیش کرنے کے لئے مدینہ منورہ حاضری دی۔ پھر تبلیغ حق کے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں متحدہ عرب امارات پہنچے، جہاں کئی بڑے بڑے اور عظیم الشان جلسوں سے خطاب کیا۔ آخری جلسہ جس سے خطاب کرنے والے تھے دبئی کی سب سے بڑی مسجد میں منعقد ہوا۔ حضرت شیخ اپنے جانثاروں اور خدام کے جھرمٹ میں جلسہ گاہ تشریف لائے، تلاوت قرآن پاک ہورہی تھی کہ دل میں درد کی شکایت ہوئی، فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا لیکن دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔ اس طرح توحید خداوندی کا علمبردار، علم نبوت کا امین اور آفتاب علم ودانش کم وبیش ۷۵ سال تک اپنی تابانی سے مسلمانان عالم کے قلوب کو منور کرنے کے بعد ۱۳۹۹ھ ۲۴ رمئی ۱۹۸۰ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ (ماخوذ از بیس مردان حق ۲/ ۵۴۱-۵۸۰)

۱۲ حضرت مولانا ابوسلمہ شفیع صاحب بہاریؒ

نام: ابوسلمہ شفیع احمد (بہاری) رحمۃ اللہ علیہ (سابق امام عیدین کلکتہ میدان واستاذ حدیث وتفسیر

مدرسہ عالیہ کلکتہ ورکن شوری دارالعلوم دیوبند)

ولادت: مولانا کی ولادت دسمبر ۱۹۱۲ء میں بہار شریف ضلع نالندہ میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا حکیم امیر حسن صاحب اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے خسر مولانا اصغر حسن صاحب سے پڑھنے کے بعد مدرسہ قومیہ اور مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں تعلیم حاصل کی پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ میں داخلہ لیا، تعلیم کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل کا سفر کیا، ۱۹۳۶ء (۱۳۵۰ھج) میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فراغت حاصل کی۔

اساتذہ: مولانا کے اساتذہ میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خدمات: تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے وطن بہار شریف میں مدرسہ قومیہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے بحال ہوئے اور عرصہ تک درس وتدریس میں مصروف رہے۔

۱۹۴۲ء میں مدرسہ اسلامیہ کے نام سے نوادہ میں ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی جو آج بھی قائم ہے۔

۱۹۴۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ حدیث وتفسیر مقرر ہوئے۔

۱۹۷۲ء میں وہاں سے سبکدوشی حاصل کی اور ''ادارہ ترجمہ وتالیف'' کے نام سے ایک آزاد ادارہ قائم کیا جو مولانا کا اہم علمی، دینی، تبلیغی اور اصلاحی کارنامہ ہے مذکورہ ادارہ کے زیر اہتمام بہت سی مفید کتابیں شائع ہوئیں، جن کا مقصد اسلام کی نشرواشاعت اور معترضین اسلام کے شکوک واعتراضات کا جواب دینا ہے۔

مولانا کو لکھنے پڑھنے اور تصنیف کا شوق اوائل عمر ہی سے تھا چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے ۱۹۴۸ء میں امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) کی مشہور ومعروف کتاب ''معرفۃ السنن والآثار'' کی پہلی جلد تعلیق وتصحیح کے بعد شائع کی۔

دوسرا اہم کام ابن حزم الاندلسی (متوفی ۴۵۸ھ) کی ''اسماء الرجال والرواۃ'' کا پہلا ایڈیشن ہے جسے ادارۂ ترجمہ وتالیف نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا اس کتاب پر مولانا نے مفید حواشی تحریر

فرمائے ہیں۔

چونکہ ادارۂ ترجمہ تالیف کے قیام کے اغراض ومقاصد میں سیرۃ کے موضوع پر نایاب مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کو شائع کرنا بھی تھا، چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے ابن قتیبہ کی مشہور تصنیف ''کتاب المعارف'' کا وہ حصہ جس کا تعلق سیرت سے ہے اپنے چھوٹے صاحبزادے مولوی طلحہ بن ابوسلمہ ندوی سے اردو ترجمہ کرایا اور اسے بڑے اہتمام سے چھپوایا۔

مولانا مناظر حسن گیلانیؒ کی ''النبی الخاتم'' جسے علامہ سید سلیمان ندوی صاحبؒ بہت پسند فرماتے تھے عرصہ سے نایاب تھی ادارہ نے اسے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔

ڈاکٹر ظفیر احمد کی مشہور کتاب ''اتباع رسول'' دو حصوں میں ہے ادارہ نے شائع کیا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مضامین کا مجموعہ سید صاحب کے دیباچہ کے ساتھ شائع کیا، آپ تحریر میں ید طولی رکھتے تھے تحریر نہایت ستھرے ذوق کی حامل تھی۔

آپ کی تصنیفات: (۱) یکساں سول کوڈ اور اس کا اسلامی حکام پر اثر (۲) ختم رسالت اور قادیانی فتنہ (۳) اکبر کا الٰہی دین (۴) حجۃ الوداع (۵) تعلیمات قرآن۔

آپ ایک خوش بیان اور کہنہ مشق مقرر بھی تھے قدرت نے آپ کو بلند آواز بھی عطا کی تھی اسی بنا پر کلکتہ میدان میں (جہاں نماز عیدین کی جماعت کلکتہ کی سب سے بڑی جماعت ہوتی ہے) خطیب اور عالم کی ضرورت پیش آئی تو نظر انتخاب مولانا ہی پر پڑی۔ چند سال پہلے اس کی امامت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد فرمایا کرتے تھے جب مولانا آزاد اس سے دستبردار ہوئے تو ان کی جگہ پر مولانا ابوسلمہ مقرر ہوئے اور تاحیات یہ خدمت انجام دیتے رہے اس موقع پر آپ کے خطبات کلکتہ کے روزناموں میں رسالوں کی شکل میں چھپتے تھے اور دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے اسی امامت کی بنا پر مولانا بعد میں پورے ملک میں ''امام عیدین'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اسی کے ساتھ کلکتہ کی مختلف مساجدوں میں درس قرآن دیا کرتے تھے ان میں ٹیپو سلطان کی شاہی مسجد، چتر نجن ایونیو کی مسجد، راجہ بازار کی مسجد اور سبزی منڈی کی مسجد میں درس قرآن کی بڑی اہمیت وافادیت تھی۔

ایک موقع پر کلکتہ ہائی کورٹ میں قرآن مجید کے خلاف ایک اسلام دشمن نے مقدمہ دائر کیا تو مولانا کی تحریک پر عالموں، دانشوروں اور مسلم وکیلوں نے دفاع قرآن کمیٹی قائم کی، جس نے بروقت مسلمانوں کی رہنمائی کی، مولانا مرحوم نے دفاع قرآن کمیٹی کو بیس ہزار روپئے کی کتابیں عنایت فرمائیں جن کو فروخت کرنے کے بعد بیس ہزار کی رقم دفاع قرآن کمیٹی میں جمع ہوگئی مولانا قرآن کے نام پر عام چندہ کرنے کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

آپ نے مختلف اوقات میں چار دفعہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا سفر حج میں حرمین شریفین کے کتب خانوں سے علم حدیث کے متعلق مخطوطات اور نوادرات سے اخذ واقتباس فرماتے اور ہر دفعہ واپسی پر قیمتی کتابوں کا ذخیرہ ساتھ لے آتے۔ آپ کے شخصی کتب خانہ میں مکہ مکرمہ کے فضائل پر مشتمل مستند کتابوں کی ایک معتد بہ تعداد تھی جس کا آپ فخر سے تذکرہ فرماتے تھے۔

وفات: ۲۲/دسمبر ۱۹۸۵ء (۱۴۰۶ھ) کی دوپہر کو چار۔ پانچ ماہ کی طویل اور صبر آزما علالت کے بعد ۷۳سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ و انا الیہ راجعون

مأخوذ از (۵ویں تعزیتی جلسہ کے موقع پر مجلّہ حضرت مولانا ابوسلمہ شفیع احمدؒ کی خدمات وکارنامے شائع کردہ ادارہ ترجمہ وتالیف)

۱۳

حضرت مولانا محمد خلیل انگویؒ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

ماہ شعبان ۱۳۹۱ھ کے آخری عشرہ میں ۱۲اکتوبر ۱۹۷۱ء کو مولانا خلیل صاحب انگوی کا انتقال ہوا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ کی وفات کے بعد سند فراغت حاصل کی تھی (۱) اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ مولانا محمد خلیلؒ نے شاہ صاحبؒ سے بخاری پڑھ کر فراغت حاصل کی، شاہ صاحبؒ کی وفات ۱۳۵۲ھ ماہ صفر میں ہے اور مولانا محمد خلیل صاحبؒ نے ۱۳۵۱ھ میں جامعہ سے فراغت حاصل کی، (جاری)

خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں سے روحانی بیعت کا تعلق قائم تھا مظہر العلوم کھڈہ کراچی ،وزیر آباد (پنجاب) سجاول (سندھ) جامعہ قادریہ رحیم یار خاں (بہاول پور) جامعہ محمدیہ (جھنگ) کی مختلف علمی درسگاہوں میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف علوم دینیہ کی خدمت تدریس انجام دی۔ فرق باطلہ کی تردید خصوصاً مرزائیت وقادیانیت کی تردید میں شمشیر بے نیام تھے۔ مختلف امراض میں آخری عمر میں گرفتار ہو گئے نشتر ہسپتال ملتان میں زیر علاج تھے یہیں انتقال ہوا مرحوم ایک سنجیدہ بااخلاق خاموش وباوقار عالم، خوبصورت، خاموش سیرت انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت اور رحمت ورضوان سے سرفراز فرمائے آمین

خریفان بادہ ہا خوردند ورفتند　　تہی خمخانہا کردند ورفتند

کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذو الجلال والاکرام

شوال المکرّم ۱۳۹۱ھ سمبر ۱۹۷۱ء

(بصائر وعبر حصہ دوم ص/۶۳۴)

۱۴

حضرت مولانا عبدالحی غفران صاحبؒ

جامعہ ڈابھیل کے سابق استاذ قاضی اطہر مبارکپوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

مولانا عبدالحی بن مولانا محمد ہارون بن حافظ عبداللطیف بن میانجی فتح محمد ۱۳۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام غفران ہے۔ بعد میں اس کو شاعری کا تخلص قرار دیا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کر کے قصبہ کے بعض مدرسوں میں پڑھا۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) گئے۔ اس زمانہ میں یہ مدرسہ ارباب علم وفضل کا مرکز تھا۔ اور ہند وبیرون ہند کے طلبہ یہاں سے اکتساب فیض

اس سال شاہ صاحب نے بخاری پڑھائی، روئداد جامعہ میں ۱۳۵۱ھ میں فراغت حاصل کرنے والے طلباء کے اسماء میں مولانا خلیل کا تعارف اس طرح لکھا ہے ”محمد خلیل ولد مقبول الٰہی ساکن انگہ ضلع شاہپور“

* * *

کر رہے تھے۔ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہویؒ جیسے فضلاء روزگار سے مولانا نے تعلیم حاصل کر کے سند فراغت پائی اور اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ کوٹواری ضلع بلیا کے ایک مدرسہ میں کئی سال تک مدرس رہے۔ اور یہاں کے مسلمانوں کی علمی ودینی خدمت کی۔ اردو شاعری کا نہایت ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ نظمیں خوب کہتے تھے۔ بڑے صالح اور نیک عالم تھے۔ ان کی صورت سے نیکی اور شرافت ظاہر ہوتی تھی۔ اخلاق ومروت میں بہت آگے تھے۔ افسوس کہ اپنے والد کی حیات ہی میں جوانی کے ایام میں ۲۵/ذوالحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۰/نومبر ۱۹۴۶ء مغرب اور عشاء کے درمیان مبارک پور میں فوت ہوئے، اور روضہ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ تاریخ وفات یہ ہے۔

پاک طینت، نیک سیرت مولوی عبدالحی ::: کر درحلت آہ درعہد شباب
بہر تاریخ وفاتش اے شفا::: دہ عدد کم کردہ گو ”غفراں مآب“ (تذکرۂ علمائے مبارکپور)

۱۵

محمد یوسف اکھوڑوی کامل پوریؒ

جناب اختر راہی تحریر فرماتے ہیں:

مولانا محمد یوسف بن گوہر دین ضلع اٹک کے قصبہ اکھوڑی میں اندازاً ۱۹۰۲ء/ ۲۰-۱۳۱۹ھ میں پیدا ہوئے جن کے خاندان میں علم وفن کی روایت کئی پشتوں سے چلی آتی تھی مولانا گوہر دین، عربی، صرف، نحو کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور دور دراز سے طلبہ طلب علم کے لئے ان کے پاس آتے تھے مولانا محمد یوسف نے دیوبند اور ڈابھیل کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔

فقہ وحدیث میں ید طولیٰ حاصل تھا اور عربی زبان اور ادب پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے خاموشی سے علمی وتصنیفی کام کرتے ہوئے آبائی گاؤں میں مارچ ۱۹۶۴ء/ اور ۱۳۸۳ھ میں فوت ہوئے۔

مرحوم سادگی پسند متحمل مزاج خوش اخلاق انسان تھے ان کی حسب ذیل تصنیفات معلوم ہوسکی ہیں۔

تصانیف:

(۱) حاشیہ نصب الرایہ لاحادیث الهدایہ (عربی) نصب الرایہ علامہ جمال الدین ابو محمد عبد الله بن یوسف الحنفی الزیلعی (م ٧٦٢ھ) کی چاروں جلدوں میں ضخیم تالیف ہے مولانا محمد یوسفؒ کا یہ حاشیہ طبع مصر (۱۹۸۳ء) کے ساتھ شائع ہوا ہے نیز علمائے احادیث پر ان کی ایک طویل نظم اس کتاب میں شامل ہے۔

(۲) الوسائل المالیة لدولة الاسلامیة (اسلامی حکومت کے مالی ذرائع)

(۳) کتاب الوراثت

(۴) تذکرة التابعین (غیر مطبوعہ)

(۵) عربی زبان کی ایک نامکمل لغت

مولانا محمد یوسف صاحبؒ عربی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے اپنے استاذ گرامی مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی وفات پر طویل مرثیہ لکھا نفحة العنبر میں صفحہ نمبر ۲۵۱ میں ملاحظہ کیجئے (تذکرہ علمائے پنجاب جلد دوم)

۱۶

حضرت مولانا عبدالوحید صدیقی فتحپوریؒ

مولانا عبدالوحید فتحپوری جامعہ کے فاضل، علامہ شبیر احمد عثمانی کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں، آپ نے دورہ کے سال علامہ عثمانی کے درس بخاری کی تقریر ضبط کی تھی جس کی پہلی جلد مولانا محمد سعید بزرگؒ (مہتمم جامعہ ڈابھیل) نے اپنے دور اہتمام میں آج سے ستائیس سال پہلے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی طرف سے ''درس بخاری'' کے نام سے شائع کی تھی، کتاب کے شروع میں مقدمہ اور درس بخاری کا تعارف مولانا عبدالوحید صاحبؒ کے قلم سے ہے جس میں مولانا نے خود اپنی خدمات اور درس بخاری کی سرگذشت تحریر فرمائی ہے لہذا ان کی خدمات انہیں کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہیں۔ (مرتب)

تعلیم: راقم الحروف محمد عبدالوحید صدیقی ابن محمد عبدالعزیز صدیقی محرم ۱۳۲۶ھ (مطابق فروری ۱۹۰۸ء) بمقام فتحپور۔ یوپی۔ پیدا ہوا والد صاحب مرحوم ومغفور نے پیدائش ہی کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حافظ وعالم ہونے کی درخواست پیش کی اور بالکل ابتدائی زندگی سے دینی تربیت فرمائی سات سال کی عمر میں حفظ شروع کروایا اور پورے اہتمام سے نگرانی فرمائی دس سال پانچ ماہ کی عمر میں الحمد للہ حفظ پورا ہو گیا تو خود اس کے دور کا کام اپنے ذمہ لیا اور ایسا انہماک ہوا کہ پندرہ پندرہ پارے یومیہ سن سن کر رمضان المبارک سے پہلے پہلے خوب پختہ کرا دیا حضرت مولانا سید محمد ظہور الاسلام صاحبؒ بانی مدرسہ اسلامیہ فتحپور وخلیفہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰنؒ نے تراویح میں پورا کلام پاک سنا اور خوش ہو کر عالم ہونے کی دعا دی والد مرحوم اور سب حاضرین نے آمین کہی پھر خود ہی فارسی شروع کرائی کچھ دن پڑھانے کے بعد فرمایا اب تم عربی شروع کرو تم سے کچھ اور کام لینا ہے اور خود ہی عربی شروع کرائی اور پابندی کے ساتھ اسباق پڑھاتے رہے اور انتہائی شفقت سے پڑھاتے رہے فروری ۱۹۲۱ء میں بیمار ہوئے مگر میرا سبق برابر ہوتا رہا حتی کہ بیماری بڑھی اور ۲ مارچ ۱۹۲۱ھ تک سبق ہوا تھا کہ مرض بہت بڑھ گیا اور ۳ مارچ کو اپنے ماموں زاد بھائی مولوی حکیم سید عبدالحمید صاحب ڈلموی سے فرمایا کہ آج اسکا سبق تم پڑھا دو ناغہ نہ ہو تعمیل حکم میں انہوں نے اس دن پڑھا دیا ۴ مارچ ۱۹۲۱ء یوم جمعہ کی صبح کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة اور میرا سبق بند ہو گیا پھر چند دنوں بعد مدرسہ اسلامیہ فتحپور میں داخلہ ہو گیا قدوری تک تعلیم پہنچی تھی کہ والد صاحب مرحوم نے استاذ محترم ماسٹر حاجی ریاض الدین صاحب کے ذریعہ سے جو اس وقت گورنمنٹ ہائی اسکول علیگڈھ میں ملازم تھے مجھے مدرسہ عربیہ حافظیہ سعدیہ ریاست دادون ضلع علیگڈھ میں داخل کر دیا یہ مدرسہ ضلع علیگڈھ کی ایک ریاست دادون کے رئیس نواب محمد ابوبکر خانصاحب مرحوم نے صرف اپنی ذاتی آمدنی سے قائم کیا تھا اور اس کے مصارف کے لئے اپنی جائیداد کا ایک حصہ وقف کر دیا تھا۔

مولانا وجیہ الدین خانصاحب: وہاں میری خوش قسمتی سے ایک بہت ہی شفیق استاذ ومربی حضرت مولانا مولوی حافظ وجیہ الدین احمد خانصاحب مدظلہ بعہدہ صدر مدرسی فائز تھے (بعد میں وہ مدرسہ عالیہ رام پور کے پرنسپل ہو گئے اور اب وہاں سے پنشن پا کر اپنا دینی مدرسہ رام پور ہی میں چلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سایہ کو دائم وقائم رکھے آمین) انھوں نے میرے ساتھ خاص عنایت وسرپرستی کا معاملہ فرمایا مولانا ممدوح مدرسہ عالیہ رام پور کے ممتاز فاضل اور حدیث میں حضرت العلامہ سید محمد انور

شاہ کشمیری و حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے شاگرد رشید تھے انہوں نے مجھے انتہائی شفقت سے پڑھایا اور صحیح معنی میں میری علمی تربیت فرمائی مطالعہ کرنے کا ذوق پیدا فرمایا اور مطالعہ کرنے کے آداب تلقین فرمائے جس سے ساری عمر مجھے فائدہ پہنچتا رہا اور اب تک پہونچ رہا ہے ۱۹۳۰ء تک میں اس مدرسہ میں رہا اور جلالین، ہدایہ، مدارک، میرزاہد رسالہ، حمد اللہ وغیرہ تک کتابیں پڑھیں ۱۹۳۰ء میں وہاں سے رام پور ریاست میں آکر ''مدرسہ عالیہ'' میں داخلہ لیا درجۂ سوم میں داخلہ ہوا جس میں ہدایہ ثالث، حمد اللہ، شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ کتابیں تھیں سالانہ امتحان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کی طرح درجہ میں اول کامیاب کیا جس کی بنا پر انعامی وظیفہ کا مستحق ہوا اگلے سال درجۂ دوم میں بیضاوی شریف، ہدایہ رابع، قاضی مبارک، صدرا وغیرہ پڑھیں امسال بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امتحان سالانہ میں اول کامیاب ہوا اور انعامی وظیفہ حاصل کیا اس کے بعد درجۂ اول میں (جو یہاں کا آخری اور انتہائی درجہ تھا) شمس بازغہ، میرزاہد، امور عامہ، مقامات بدیع، طحاوی شریف وغیرہ پڑھیں یہ درجہ امام الحکمۃ حضرت مولانا فضل حق صاحب رامپوریؒ کے پاس تھا جو اس وقت مدرسہ عالیہ رامپور کے پرنسپل (صدر المدرسین) تھے اور مولانا عبد الحق صاحب خیرآبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے اور فن حکمۃ کے امام تھے میرزاہد، امور عامہ پر ان کا ایک علمی حاشیہ ہے جو طبع ہو چکا ہے یہ سال چونکہ سند فراغت ملنے کا تھا اس لئے پچھلے سالوں سے بھی زیادہ محنت کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مدرسہ عالیہ رام پور کی تاریخ میں پہلی بار یو۔ پی کے ایک طالب علم کو اول ڈویژن اور اول نمبر کی کامیابی حاصل ہوئی فالحمد لله على ذلك ۔

دوران سال ہی میں اپنے استاذ شیخ الجامعہ کے توسط اور سفارش کے ساتھ حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیری شیخ الجامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورتؒ کی خدمت میں درخواست ارسال کی کہ اگلے سال جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حدیث پاک پڑھنے کے لئے داخلہ منظور فرمالیا جائے حضرت شاہ صاحب اور حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے حدیث شریف پڑھنے کی ترغیب بھی استاذ محترم حضرت مولانا حافظ وجیہ الدین احمد خانصاحب رامپوریؒ نے دی تھی اس غریب طالب علم پر حضرت مولانا کا یہ خاص الخاص احسان تھا کہ حدیث پاک کی تعلیم کے لئے ان بزرگوں کے پاس حاضری کی ترغیب ہی نہیں بلکہ حکم دیا ورنہ رام پور ہی مکتبۂ فکر کا عام ذہن یہ تھا کہ مسائل تو سب فقہ میں آجاتے ہیں حدیث تو بس تبرک کے طور پر پڑھ لینی چاہیے یہی مجھ سے بھی کہا گیا مگر اللہ تعالیٰ دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا وجیہ الدین صاحب کو جنہوں نے ان بزرگوں کے قدموں تک پہنچادیا۔

علامہ عثمانی کی خواب میں زیارت: درخواست کی منظوری ابھی تک نہیں آئی تھی کہ ایک شب میں نے خواب میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کو دیکھا اس سے پہلے کبھی حضرت کی زیارت نہیں کی تھی خواب ہی میں عرض کیا کہ میں ڈابھیل آکر حدیث پاک پڑھنا چاہتا ہوں آپ اجازت دے دیں، ہنس کر فرمایا اجازت ہے آجاؤ انشاء اللہ ضرور پڑھاؤنگا۔ صبح کو مدرسہ پہنچ کر اپنے بعض ساتھیوں سے خواب بیان کیا تو ایک ساتھی مولوی عزیز الرحمٰن صاحب پشاوری نے کہا حلیہ بتاؤ کیا تھا میں نے بتایا قد دراز۔ ڈاڑھی بھری ہوئی بدن سڈول۔ سفید عمامہ باندھے ہوئے نگاہیں جھکی ہوئیں۔ کہنے لگے میں نے حضرت مولانا کو دیکھا ہے بالکل یہی حلیہ ہے تم نے صحیح دیکھا جاؤ مبارک ہو میں بہت خوش ہوا اور اسے فال نیک سمجھا چند دنوں بعد، منظوری بھی آگئی۔

جامعہ ڈابھیل میں آمد: بعد رمضان میں نے شوال ۱۳۵۱ھ کے ابتدائی عشرہ میں اپنے ایک آٹھ سالہ رفیق درس مولوی سید مسعود علی صاحب علیگڈھی کے ساتھ ڈابھیل پہنچ گیا اس وقت اساتذہ میں سے حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ پہنچ چکے تھے جلد ہی داخلہ کے امتحان کا اعلان ہوا اور دورہ کے طلبہ کا امتحان حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ کے سپرد ہوا میں نے تازہ پڑھی ہوئی درسی کتب، قاضی مبارک، صدرا، حماسہ اور طحاوی شریف میں امتحان دیا اور ضابطہ کے مطابق داخلہ کے امتحان کے بعد الحمد للہ دورۂ حدیث میں داخلہ منظور ہو گیا اسباق کی تقسیم کا اعلان اس طرح کیا گیا کہ بخاری شریف حضرت علامہ کشمیریؒ کے پاس اور ترمذی شریف حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس اور ابوداؤد اور مسلم شریف حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ کے پاس۔ پہلے حضرت مولانا سراج احمد صاحبؒ کے پاس اسباق شروع ہوئے پہلے ہی دن فرمایا جبکہ ابوداؤد شریف شروع

کرائی کہ کتاب مجھ سے حل کرلو اور تقریر حضرت شاہ صاحب اور مولوی شبیر احمد صاحب کی سننا۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب کا حق ادا فرماتے اور اس خوبی سے مسلک حنفی کے ساتھ احادیث کی تطبیق فرماتے کہ ذرا بھی اشکال باقی نہ رہتا تقریر طویل نہ ہوتی مگر مسئلہ پوری طرح منقح ہوجاتا چند ہی دن گذرے تھے کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ دیوبند سے تشریف لے آئے اور ساتھ ہی یہ خبر لائے کہ حضرت شاہ صاحب کی طبیعت ناساز ہے ابھی نہ آسکیں گے آنے کے بعد ہی ترمذی کا سبق شروع ہوا پہلے دن ہی کے سبق کا قلب پر یہ اثر پڑا کہ اللہ تعالی نے بڑا ہی فضل فرمایا کہ اس مبارک درسگاہ تک اوران بلند پایہ اساتذہ تک پہونچادیا اس پر جس قدر بھی اس کا شکرادا کیا جائے کم ہے اس وقت میرا حافظہ بہت اچھا تھا پوری تقریر محفوظ ہوگئی لیکن معاً یہ خیال آیا کہ اس حافظہ کا اعتبار نہیں کچھ دنوں بعد یہ تقریریں اور یہ خاص علمی مباحث ذہن میں نہ رہینگے اور پھران سے استفادہ ممکن نہ رہے گا اس لئے یہ تقریریں اسی تفصیل کے ساتھ لکھ لینی چاہیے اسی دن سے درسگاہ میں درس کے ساتھ ہی لکھنا شروع کردیا اور اللہ ہی کا فضل شامل حال رہا کہ اس نے لکھنا آسان کردیا کوشش یہ کی کہ تقریر حتی الوسع حضرت ہی کے الفاظ میں ضبط کی جائے حضرت اپنے وقت کے مسلم صاحب لسان وصاحب بیان تھے تقریر کا طرز بہت ہی پروقار اور دلنشین تھا مشکل حقائق ومضامین کو سہل الفہم کر کے بیان کردینا آپ کا خاص کمال تھا رک رک کر تقریر فرماتے مگر روانی میں فرق نہ آتا لکھنے والا اگر متوسط رفتار سے لکھتا رہے تو پوری تقریر لکھ سکتا تھا میں نے یہی کوشش کی اور الحمدللہ اسی کے کرم سے پوری تقریر لکھی جاتی رہی۔

العبد یدبر و الله یقدر : ادھر یہ اسباق ترمذی شریف۔ ابوداؤد شریف۔ مسلم شریف جاری تھے ادھر عام طلبہ کو شاہ صاحب کا بے چینی سے انتظار تھا لیکن اطلاعات مایوس کن آنے لگیں تو دل ٹوٹنے لگے دورۂ حدیث کی اس جماعت میں متعدد طلبہ وہ تھے جو بعض مدارس کے اچھے اساتذہ تھے اور صرف شاہ صاحب سے استفادہ کی خاطر آئے تھے مگر العبد یدبر و الله یقدر ماہ صفر میں ان کے وصال کی اطلاع نے سب کو غمزدہ۔ افسردہ وپژمردہ کردیا اور اس فیض وشرف سے ہم سب محروم ہوگئے مدرسہ میں ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوئی اور جلسۂ تعزیت ہوا اس میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی

نے فرمایا:

تم کو تو افسوس ہونا ہی چاہیے کہ تم شاہ صاحب کے فیوض کی تمنا میں طویل سفر کر کے یہاں آئے تھے لیکن تمہاری تسلی کا سامان تو پھر بھی فراہم ہوہی جائیگا روتے ہم ہیں کہ ہمارے سروں پر ان کا سایہ نہ رہا مشکل سے مشکل مقام جو ہفتوں کی کتب بینی اور تلاش سے حل نہ ہوسکتا تھا شاہ صاحب کے پاس پہنچتے ہی منٹوں میں ایسا حل ہوجاتا تھا کہ گویا کچھ تھا ہی نہیں پھر شاہ صاحب کی وسعت علمی اور قوت حافظہ کے متعدد واقعات بیان فرمائے ان میں سے ایک ناظرین کرام بھی ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت شاہ صاحب کی وسعت علمی کا ایک واقعہ : فرمایا پارہ ۲۳ سورۂ ''ص'' میں سیدنا داؤد علیہ السلام کے ایک امتحان کا ذکر ہے کہ اچانک چھت سے کود کر دو آدمی انکی خلوت گاہ میں جہاں وہ مصروف عبادت تھے پہونچے اور کہا کہ ہم دو فریق میں جھگڑا ہے آپ اسے طے کردیں اور ابھی طے کریں حضرت داؤدؑ ان کے اس طرح خلل انداز ہونے سے مکدر اور پریشان ہوئے اور ان کی خلوت مع اللہ اور عبادت میں خلل پڑ گیا اور فیصلہ کرنے لگے یہ مجمل واقعہ ہے اسرائیلیات میں بہت بھونڈے طور پر حضرت داؤدؑ پر رکیک اخلاقی الزامات لگائے گئے ہیں اہل حق مفسرین نے متفقہ طور پر حضرت داؤدؑ کی براءت کا اعلان کیا ہے اور صاف صاف کہا ہے کہ حضرت داؤدؑ نبی تھے اور انبیاءؑ معصوم ہوتے ہیں ان سے صغیرہ کا صدور بھی نہیں ہوتا نہ کہ کبیرہ کا اس لئے یہ اہل کتاب کا بہتان ہے یہ تو اہل حق کی متفق علیہ بات تھی جس سے ایک معصوم نبی کی فحش سے براءت ہوگئی مگر یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ فی الحقیقت وہ واقعہ کیا تھا جس کو قرآن نے ''فتناہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت علامہ عثمانی نے فرمایا: کہ میں نے ''فوائد القرآن'' لکھنے کے سلسلے میں اس واقعہ کی تحقیق میں تمام کتب متداولہ چھان ڈالیں جہاں جہاں سے اس کی تفصیل ملنے کا امکان تھا سب کچھ دیکھ لیا مگر مشکل حل نہ ہوئی ہفتہ بھر کی چھان بین کے بعد مجبوراً شاہ صاحب کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب کہ وہ قیلولہ فرمانے کو لیٹ گئے تھے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے اور فرمایا اس وقت کیسے تکلیف کی میں نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ تمام متداول کتابیں چھان چکا ہوں کہیں کوئی تشفی بخش بات

نہیں ملی آپ کے ذہن میں کوئی چیز ہو تو بیان فرمائیں۔ فرمانے لگے ایک چیز ذہن میں ہے آپ کو دکھاتا ہوں شاید آپ کا کام نکل سکے یہ فرما کر اٹھے اور الماری سے مستدرک حاکم نکال لائے اور بالکل غیر متعلق جگہ سے ایک روایت سامنے کردی کہ اسے پڑھیے بس اسے پڑھنا تھا کہ سب گرہیں کھل گئیں اور پورا مسئلہ حل ہوگیا شاہ صاحب کی وسعت علمی اور قوت حافظہ پر ششدر رہ گیا جو مسئلہ ہفتوں کی چھان بین سے حل نہ ہوسکا تھا شاہ صاحب نے منٹوں میں اس طرح حل کردیا گویا کہ وہ اس کے لئے ابھی تیاری کر کے بیٹھے تھے پھر فرمایا یہ تھے شاہ صاحب۔ اللہ تعالی کی ہزار ہا ہزار رحمتیں شاہ صاحب پر، جو ہم کو یتیم کر کے اللہ کے قرب میں پہنچ گئے۔

(نوٹ) واقعہ طویل ہے یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں حضرت الاستاذ علامہ عثمانیؒ کے فوائد القرآن میں سورۂ ''ص'' آپ پڑھ لیں۔

درس بخاری کی تقریر: اس سانحہ کے بعد بخاری شریف کا سبق حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے سپرد ہوا اور ترمذی شریف جو اس وقت تک باب ماجاء فی الترجیع فی الاذان کے ختم تک ہوچکی تھی حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ کے پاس آگئی جس کا پہلا سبق ۱۳اصفر ۵۲ھ یوم چہارشنبہ کو باب فی افراد الاقامۃ سے شروع ہوا حضرت علامہ عثمانی کے ہاں ۱۳اصفر ۵۲ھ یوم چہارشنبہ بوقت ساڑھے آٹھ بجے صبح بخاری شریف کا سبق شروع ہوا میں چونکہ ترمذی شریف کے درس میں حضرت الاستاذ علامہ عثمانیؒ کی وسعت علم و نظر سے بہت زیادہ متأثر اور طرز تقریر سے مانوس ہوچکا تھا اس لئے اہتمام کے ساتھ بخاری شریف کی تقریر لکھنی بھی شروع کردی کچھ دنوں کے بعد ایک شب جب میں حضرت کی خدمت میں کچھ پوچھنے کے لئے بعد نماز عشاء حاضر ہوا تو دریافت فرمایا تم جو درس میں لکھتے ہو یہ صرف نوٹ ہوتے ہیں یا پوری تقریر بخاری کی لکھ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت کی پوری تقریر لکھتا ہوں فرمایا اب تک جو کچھ لکھ چکے ہو مجھکو دکھلانا اگلے دن میں نے لکھے ہوئے اجزاء حضرت مولانا یحیی صاحب صدیقی خادم خاص حضرت مولانا کے ذریعہ حضرت تک پہنچادیئے چند دنوں بعد وہ اجزاء واپس فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ کل اجزاء دیکھ لئے ہیں تم ڈھنگ

سے لکھ رہے ہو اسی طرح لکھتے رہو اور جہاں کچھ رہ جائے یا کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو یہاں آکر پوچھ لیا کرنا۔ موقعہ پا کر میں نے اپنا وہ خواب بیان کردیا جو رام پور میں پچھلے سال دیکھا تھا تو بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ تعبیر تو سامنے آگئی کہ تم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں نے وعدہ کیا ہے اب اللہ نے تمہارا خواب سچا کر دکھایا اور میرا خواب کا وعدہ پورا کرا رہا ہے پھر جب کوئی بات قابل دریافت ہوتی تو میں بعد نماز عشاء حاضر ہو جاتا اور پیر دبانے لگتا پھر اپنی بات عرض کرتا حضرت پورے انبساط کے ساتھ مسئلہ کی تقریر فرماتے کبھی کبھی جاڑے کی راتوں کے گیارہ بج جاتے مگر تقریر پوری فرمادیتے اس طرح حضرتؒ سے برابر فیض حاصل ہوتا رہا میری بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس تعلیمی سلسلے میں مجھے حضرت کی خاص نظر عنایت و شفقت نصیب رہی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت مولانا کسی سوال پر مکدر ہوئے ہوں ہمیشہ مسرت و بشاشت کا اظہار فرماتے اور پوری شفقت کے ساتھ جواب عنایت فرماتے جس سے پورا انشراح و اطمینان حاصل ہو جاتا۔

چونکہ بخاری شریف تاخیر سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس سال حضرت نے بڑی محنت فرمائی حتی کہ وہ فضلاء اور اساتذہ جو حضرت شاہ صاحب ہی سے استفادہ کی غرض سے آئے ہوئے تھے اور برسوں پڑھا کر آئے تھے وہ بھی بہت ہی خوش اور مطمئن رہے کچھ ہی دنوں بعد عصر کے بعد بھی سبق ہونے لگا اس محنت شاقہ کا اچھا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۳ رجب ۱۳۵۲ھ کو بخاری شریف ختم ہوگئی پورے سال اللہ تعالی کا معاملہ میرے ساتھ بڑے ہی لطف و کرم کا رہا بحمد للہ ایک سبق بھی ناغہ نہیں ہوا میں نے اپنی اس لکھی ہوئی تقریر میں اس کا التزام اول دن ہی سے رکھا کہ تاریخ درس مسلسل لکھتا رہا جہاں سے سبق شروع ہوتا حاشیہ پر تاریخ لکھ دیتا۔

امتحان سالانہ میں بھی اللہ تعالی نے انتہائی کرم فرمایا اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تاریخ میں پہلی بار دورۂ حدیث میں یو۔ پی کا طالب علم (جن کو وہاں ہندوستانی کہا جاتا تھا) اول نمبر پر کامیاب ہوا یہ محض اللہ کا فضل و کرم تھا ورنہ اس سال دورۂ حدیث میں وہاں بڑے ذہین و ذی استعداد طلبہ اور

بعض وہ حضرات بھی شریک تھے جو برسوں پڑھا چکے تھے۔

سالانہ جلسہ اور کامیابی پر اساتذہ کی دعائیں: بعد امتحان جلسۂ دستار بندی ہوا جس میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ تشریف لائے تھے بہت کامیاب جلسہ ہوا تقریروں کے بعد تقسیم اسناد اور دستار بندی کی گئی مدرسہ میں تعطیل کا اعلان ہوا اور طلبہ اپنے اپنے وطن جانے کے لئے رخت سفر باندھنے لگے میں نے بھی تیاری کی اساتذہ سے ملنے کے بعد آخر میں حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا بہت خوش ہوئے اول پاس ہونے پر مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا تمہاری منطق تمہارے کام آگئی اور تم کو اول نمبر کی کامیابی حاصل ہوئی معانقہ کے ساتھ رخصت فرمایا اور حکم دیا کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب سے تعلق قائم رکھنا وہاں سے حضرت مولانا عثمانیؒ کی خدمت میں آخری سلام کے لئے حاضر ہوا تو حضرت نے کامیابی پر مبارک بادی اور بہت سی دعائیں دیں اور فرمایا کہ اپنی لکھی ہوئی تقریر مجھے دیدو میں دیکھ کر واپس کردوں گا مجھے اس سے بڑی مسرت ہوئی کہ حضرت خود ملاحظہ فرمالیں گے تو انشاء اللہ جو غلطیاں اس میں ہوئی ہوں گی ان کی اصلاح ہوجائے گی اور تقریر مستند ہوجائے گی میں نے پوری تقریر جو خاصی ضخیم تھی پیش کردی حضرت نے مولانا محمد یحیی صاحب کو حوالہ کرتے ہوئے فرمایا اسے احتیاط سے بکس میں رکھ دینا میں حضرت سے رخصت ہوکر وطن چلا آیا اور اواخر شعبان ۵۲ھ ہی میں گھر سے حضرت والا کے پاس دیوبند عریضہ ارسال کیا اور اس میں درخواست کی کہ مدرسہ کی سند تو مل گئی مگر تمنا ہے کہ حضرت والا اپنے قلم سے چند الفاظ تحریر فرمادیں تو وہ میرے لئے اصل سند و باعث صد افتخار ہوں گے حضرت والا نے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ حضرت ہی کے الفاظ میں پڑھ لیں۔

مکتوب گرامی علامہ عثمانیؒ

”بندہ تم کو ان طلبہ میں سمجھتا ہے جن پر مدرسہ فخر کرسکتا ہے“

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ بمطالعہ برادر عزیز سلمہ اللہ تعالی۔ بعد سلام مسنون آنکہ خط پہنچا الحمد للہ بندہ خیریت سے ہے نزلہ وغیرہ میں کمی ہے البتہ عزیزم مولوی محمد یحیی سلمہ بیس بائیس روز

سے چوتھیا بخار میں مبتلا ہیں مسہل بھی ہوئے لیکن بخار نہیں رکا دعا کرتے رہیں۔ اپنے والد ماجد کی خدمت میں میرا اسلام عرض کردیں انشاء اللہ چند روز میں کوئی تحریر بطور سند لکھ کر تمہارے پاس روانہ کردونگا دس پانچ روز میں مجھے ذرا یاد دلا دینا بندہ تم کو ان طلبہ میں سمجھتا ہے جن پر مدرسہ فخر کرسکتا ہے اور اللہ تعالی کے فضل ورحمت سے امیدوار ہے کہ آئندہ تم کو بہت کچھ ترقی نصیب کریگا۔ والسلام

از دیوبند ۴ رمضان المبارک ۵۲ھ

سند حدیث از قلم علامہ عثمانیؒ: بہت دن اس کے بعد گزر گئے پھر حضرت والا نے ۸ شوال ۱۳۵۵ھ کو ایک والا نامہ تحریر فرمایا جو اجازت پر مشتمل تھا اور حضرت والا کے دست اقدس سے سند حدیث اور اس کے درس کی اجازت تھی۔ حضرت ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلاۃ و السلام علی سیدنا محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

بعد حمد وصلوۃ گذارش آنکہ برادر عزیز مولوی حافظ عبد الوحید صدیقی فتحپوری ریاست رام پور وغیرہ میں فنون کی تکمیل کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں بغرض تحصیل علم حدیث ۱۳۵۲ھ میں داخل ہوئے اسی سال حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی (جو اپنے زمانہ میں باعتبار علم وفضل وجامعیت کمالات نظیر نہیں رکھتے تھے) وفات ہوئی تھی لہذا برادر مذکور مع اپنے رفقاء کے اس عاجز ہیچمدان کے پاس تحصیل بعض کتب حدیث میں مشتغل ہوگئے (صحیح بخاری ابتداء سے انتہاء تک اور جامع ترمذی کا ایک حصہ اور دوسری کتب حدیث جامعہ اسلامیہ کے دوسرے اساتذہ کے ہاں ختم کیں، عزیز مذکور کی نجابۃ وسعادۃ، خوش اخلاقی، تہذیب وحق شناسی اور تحصیل علم میں انتہائی کاوش کو دیکھتے ہوئے سب اساتذہ اور منتظمین جامعہ ان سے خوش رہے اور میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ میری عمر میں بہت تھوڑے طالب علم ایسے آئے ہیں جنمیں باوجود نو عمر ہونے کے صلاح ورشد، ذکاوت وفطانۃ، علمی استعداد اور ذوق صحیح اس طرح جمع ہوئے ہوں مجھے اللہ کے فضل سے ان کی نسبت بہت اچھی

توقعات ہیں اس لئے ان کو اجازت دیتا ہوں کہ کتب حدیث کے درس میں بشروطہ المعتبرہ مشتغل رہیں اور علم دین کی خدمات ممکنہ انجام دیتے رہیں اللہ تعالیٰ ہمارا سب کا خاتمہ اپنی خوشنودی میں فرمائے وھو الھادی الی سواء السبیل

شبیر احمد عثمانی دیوبندی عفا اللہ عنہ ۸؍شوال ۱۳۵۵ھ

(نوٹ) بوقت تحریر بالا حضرت دار العلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے۔

مکتوب گرامی: میری لکھی ہوئی تقریر حضرت ہی کے پاس تھی کہ حضرت نے اگلے سال ۶ صفر ۱۳۵۳ھ میں والا نامہ تحریر فرمایا از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنھم بمطالعہ برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون آنکہ تمہارے کئی خط پہنچے میں پہلے تو مشغول رہا پھر تکلیف دانتوں میں ہوگئی ان کے نکلوانے میں کئی روز سے مبتلاء ہوں اب نیچے کے سب نکل گئے اوپر کے پانچ باقی ہے وہ بھی ہفتہ عشرہ میں نکل جائینگے اس کے تین مہینے بعد مصنوعی دانت لگوانے کا خیال ہے کھانے پینے کی بہت دقت ہے اور بولنے میں بھی قدرے تکلف ہوتا ہے کئی روز سے سبق بھی نہیں پڑھایا آپ سے کسی طرح کی ناراضی نہیں بلکہ تمہاری محبت اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور برابر خیال ہے کہ کسی مناسب موقع پر تمہیں کام میں لگادیا جائے اپنے پاس یا کسی اور جگہ تم کچھ فکر مت کرو انشاء اللہ کوئی مناسب صورت نکل آئیگی۔ ربیع الاول کے آخر میں قصد حیدر آباد جانے کا ہے وہاں کوئی موقع ہوا تو خیال رکھا جائیگا بہر حال میں تمہاری خیر خواہی سے غافل نہیں تمہاری لکھی ہوئی تقریر سے مجھے امسال بہت سہولت ہوگئی لیکن اس کو ذرا مرتب ومہذب کرنے کا خیال ہے اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کرو اپنے والد صاحب اور جملہ اعزہ واقارب سے بندہ کا سلام کہہ دیں اور میری صحت کے لئے دعا کرتے رہیں۔ از ڈابھیل ۶ صفر ۱۳۵۳ھ

چونکہ اس خط کی روشنائی بہت ہلکی ہوگئی ہے اس لئے عکس صاف نہیں میں نے اسی غرض سے اپنے قلم سے اس تحریر کا نقل کردیا ہے کہ اب تحریر کا پڑھنا انشاء اللہ آسان ہوجائیگا۔

مجھ کو اس جملے سے کہ ”تمہاری لکھی ہوئی تقریر سے مجھے امسال بہت سہولت ہوگئی“ جس قدر خوشی ہوئی اس کا اندازہ بھی ہر ایک کو نہیں ہوسکتا پھر اس کا اظہار کہ اس کو مرتب ومہذب کرنے کا خیال ہے کیا خوش کن اور حوصلہ افزاء ہے اس کے بعد یہ تقریر برسوں حضرت ہی کے پاس رہی حضرت والا نے حرف حرف اسے پڑھا کہیں کہیں اس پر حاشیے بھی تحریر فرمائے جابجا تصحیح بھی فرمائی کہیں کتب کا حوالہ بھی دیا کہ وہاں دیکھو غرض پوری تقریر من اولہ الی آخرہ حضرت علامہ کی نگاہ سے گذر گئی ۴ صفر ۱۳۵۷ھ ایک دار الاقامہ میں کچھ اجزاء واپس فرماتے ہوئے جو تحریر فرمایا وہ حسب ذیل ہے۔

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ بمطالعہ برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون! آنکہ عدیم الفرصت بہت ہوں اس لئے جواب خطوط میں تاخیر ہوجاتی ہے کچھ اور خیال نہ کریں وہ تو میں سمجھتا ہوں کہ تم یہاں آنے سے معذور رہے عذر واضح ہے مجھے اس پر ملال کیوں ہوتا آپ مطمئن رہیں...... الخیر فیما وقع بقیہ اجزاء تقریر کے عنقریب روانہ کردئے جائینگے اپنے والد، چچا، ماموں صاحبان کو اور سب گھر والوں کو سلام مسنون کہہ دیجئے عزیزم مولوی محمد یحیی سلمہ کی طرف سے سلام مسنون۔

از ڈابھیل ضلع سورت ۴ صفر ۵۷ھ

یہ سن ستاون یعنی پانچ سال بعد کا دار الاقامۃ ہے واقعہ یہ تھا کہ حضرت والا میری لکھی تقریر کی نقل کرا رہے تھے جتنی نقل ہوجاتی واپس فرمادیتے اور صفر ۵۷ھ تک جو اجزاء باقی رہ گئے تھے وہ وہیں تھے جن کی نقل نہ ہوسکی تھی اس کے بعد یہ اجزاء بھی نقل ہونے کے بعد حضرت والا نے واپس فرمادئے الحمدللہ وہ پوری تقریر کتابی شکل میں میرے پاس محفوظ ہے۔

تم سے کچھ اور کام لینا ہے: میں قریب قریب ہر سال رمضان المبارک میں حضرت کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا اس درمیان میں حضرت نے متعدد بار فرمایا اور تحریر بھی فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم میرے پاس رہو مگر میں اپنے والدہ مرحومہ کی پیرانہ سالی کیوجہ سے نہ جاسکا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی صدارت تدریس کے زمانہ میں حضرت نے دوبارہ جامعہ میں تدریس کی خدمت کے لئے طلب فرمایا پھر دار العلوم دیوبند کی صدارت اہتمام کے دور میں دار العلوم کی تکمیل معقولات کے درجہ کے لئے انتخاب فرمایا اور طلب فرمایا مگر یہ ناچیز اپنی مجبوریوں کی وجہ سے تعمیل کی سعادت حاصل نہ کرسکا یا یوں سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ”مدرسہ اسلامیہ فتحپور“ ہی کی خدمت مقدر ہوچکی تھی اس لئے قدم کہیں نہ نکل سکے حتی کہ قریب تر جگہ لکھنؤ دار العلوم ندوۃ العلماء کے لئے مخدومی حضرت مولانا

منظور نعمانی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلھما العالی نے متعدد بار طلب فرمایا مگر وہاں بھی حاضری نہ ہوسکی تب میں سمجھا کہ بانی مدرسہ اسلامیہ فتحپور حضرت مولانا شاہ سید محمد ظہور الاسلام صاحبؒ نے مجھے عربی شروع کراتے وقت جو جملہ فرمایا تھا کہ تم عربی شروع کروتم سے کچھ اور کام لینا ہے دراصل یہی مدرسہ اسلامیہ کا کام لینا تھا چونکہ وہ ایک خدارسیدہ بزرگ تھے اگر انہیں یہ کشف ہوا تو تعجب نہیں۔ **یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید**

درس قرآن: فراغت کے بعد جب سے فتحپور میں قیام ہوا تھا اسی وقت سے حضرت علامہ عثمانیؒ نے بار بار امر فرمایا کہ محلّہ کی مسجد میں درس قرآن شروع کردو اس سے تم کو بھی فائدہ ہوگا اور سامعین کو بھی مگر خالصاً لوجہ اللہ اور احتساباً کرنا معاوضہ کا خیال بھی نہ کرنا ساتھ ہی مدینہ پریس بجنور کا شائع کردہ اپنے ”فوائد القرآن“ والا قرآن پاک ہدیۃً مرحمت فرمایا پھر والا نامہ آیا تو تاکید فرمائی اور جب میں نے تعمیل ارشاد میں درس قرآن شروع کرکے اطلاع دی تو بہت خوش ہوئے اور چند تفسیروں کے نام تحریر فرمائے کہ ان کو خاص طور سے مطالعہ میں رکھو اللہ کا احسان ہے کہ اس سلسلہ سے مجھ کو خود فائدہ پہنچا اور قرآن پاک سے خصوصی لگاؤ پیدا ہوگیا۔ الحمد للہ ولہ الشکر والمنۃ کہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور میرے لئے وسیلۂ نجات بنائے اور رہبری فرمانے والے حضرت الاستاذؒ کے مراتب قرب میں ترقی وازدیاد نصیب فرمائے آمین انتھی۔ مولانا عبد الوحید صاحب (المتوفی ۹؍۱۴۱۸ھ) کے درس قرآن کے اجزاء تیسیر القرآن کے نام سے طبع ہوئے ہیں۔ (ع۔ر)

۱۷ مولانا جمال الدین لبیب انوری مالیگانویؒ

سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے کہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دارالافتاء کے فارغ طالب علم مولوی مفتی انجم بن جمال احمد مسلم نگر مالیگانوی زید مجدہ کے ذریعہ معلوم ہوا تھا کہ مولانا جمال الدین لبیب انوری مالیگانوی کی خود نوشت سوانح حیات مالیگاؤں میں ہے میری خواہش پر انہوں نے اسکی ایک نقل حاصل کرکے مجھے دی، فضلائے جامعہ کے تذکرہ میں مولانا جمال الدین کے خودنوشتہ حالات زندگی سے انہیں کے الفاظ میں کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

الحمدللہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الکریم

منظور ہے گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

ناظرین کرام! راقم السطور بفضلہ تعالیٰ شب قدر ۲۷؍رمضان ۱۳۲۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۰۸ء میں ایک متوسط مومن انصار گھرانے میں پیدا ہوا حضرت والد ماجد قبلہ الحاج حافظ فیض اللہ صاحب جو حافظ قرآن ہیں اور خوش قسمتی سے کچھ دنوں بعد محلے کی نئی مسجد میں امام بھی ہوگئے اس تقریب سے محلے کے بچے دن میں گھر پر اور کاروباری حضرات بوقت شب مسجد میں والد صاحب مدظلہ سے قرآن پاک پڑھنے آتے تھے بنابریں والد صاحب نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ صغر سنی ہی میں کمترین کو ان طلباء کے ساتھ قرآن پڑھنے کے لئے بٹھا دیا تھوڑے ہی دنوں میں قرآن مجید ختم کرلیا بعدہ حضرت والد نے کئی مرتبہ سن سنا کر اتنا پکا اور رواں کردیا کہ مجلس قرآن خوانی میں حفاظ کے برابر پارے ختم کرلیتا تھا پھر قسمت کی یاوری سے مدرسہ بیت العلوم جو اس وقت مہاراشٹر کی واحد دینی درسگاہ سمجھی جاتی تھی ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء میں والد صاحب نے داخل کردیا بہر حال اللہ کے فضل وکرم سے دس سال کی مدت میں قاعدۂ اردو سے بخاری شریف تک اور ساتھ ہی فن تجوید وقرأت سے فارغ ہوا سند ودستار حدیث وقرأت مدرسہ بیت العلوم کے منعقدہ جلسۂ دستار بندی ربیع الاول ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۸ء میں ہم دس قاریوں اور گیارہ مولویوں کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا قاری محمد ضیاء الدین احمد الہ آبادی کے مبارک ہاتھوں سے عطا کی گئی۔ ۱۳۳۶ھ میں جب برائے تعلیم مدرسہ بیت العلوم میں داخل ہوا تو حسب ذیل علماء کرام وہاں مسند درس وتدریس پر متمکن تھے جن سے اکتساب علم کا موقع ملا۔ جناب ماسٹر تاج محمد صاحب مدظلہ مدرس اردو اور حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ صاحب سابق امام بڑا قبرستان مالیگاؤں معلم حفظ وار دو دینیات اور حضرت مولانا قاری محمد حسین صاحب معلم تجوید ودرس نظامی اور حضرت مولانا یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ مدرس فارسی وعربی نائب صدر۔ اور حضرت زبدۃ الفقہاء وعمدۃ الفضلاء جامع شریعت وطریقت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ صدر مدرس تھے (جن کی یادگار مدرسہ اسلامیہ بڑا قبرستان مالیگاؤں ہے) پھر ۱۳۴۸ھ ۱۹۳۰ء

میں درسیات کی بعض کتابیں جن کا تعلق فنون عربیہ منطق، فلسفہ، ادب، بلاغت، وغیرہ سے تھا اس کی تکمیل کیلئے حسب مشورہ مولانا نقی صاحب جو مولانا اسحٰقؒ کی وفات کے بعد مدرسہ بیت العلوم کے صدر مدرس تھے اور بعد میں وہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے مہتمم بھی ہوئے ہیں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا مبارک سفر پیش آیا جو اس وقت اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے بقول مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم اعلی ندوۃ المصنفین دہلی ہندوستان کی سب سے بڑی درسگاہ سے کچھ اونچی ہی درسگاہ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ راقم الحروف جب وہاں داخل ہوا تو حسب ذیل علماء کرام و اساطین امت مسند درس وتدریس پر متمکن اور جلوہ گر تھے حضرت مولانا عبدالجبار صاحب پشاوریؒ، حضرت مولانا یوسف صاحب پشاوریؒ شاگرد خاص مولانا برکات احمد ٹونکیؒ، حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ ایم، اے فاضل دیوبند حال صدر سنی دینیات علی گڑھ یونیورسٹی، حضرت مولانا حافظ قاری مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ ناظم اعلی ندوۃ المصنفین دہلی، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ناظم اعلی جمیعت علماء ہند دہلی اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ مرتب فیض الباری وترجمان السنۃ نزیل مدینہ منورہ اور حضرت مولانا سید محمد ادریس صاحبؒ (مرحوم) خادم خاص حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا محمد یحیی صاحبؒ خادم خاص حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، سراج البلغاء ادیب الادباء حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ شارح مسلم طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ و حضرت علامہ العصر فرید الدہر بخاری زمانہ نعمانی آوانہ شیخ العلماء والمحدثین مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ صدر المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل علامہ کشمیریؒ سے بوجہ وفات آنجناب ۱۳۵۲ھ میں باقاعدہ شرف تلمذ حاصل نہیں ہوا تاہم بسا اوقات چہار سالہ دور طالب علمی میں آپ کے مواعظ اور آپ کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا ہے اور کئی دفعہ آپ کے درس میں بھی بحالت درس بخاری شریف بیٹھنے اور استفاضہ کا موقع نصیب ہوا۔ بہر حال

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

غرض مذکورہ بالا قدسی صفات سے مسلسل چار سال تک فیضیاب ہونے کا زریں موقع ہاتھ

آیا اور سند فراغت حسب ذیل وگراں قدر الفاظ کے ساتھ اساتذۂ مذکورہ بالا حضرت مولانا احمد صاحب بزرگؒ مہتمم مدرسہ کی دستخطوں سے مزین ہو کر ملی۔

فمنهم صاحبنا واخونافی الله المولوی القاری جمال الدین ابن حافظ فیض الله قد دخل فی هذه المدرسة وقرأ الصحاح الستة والكتب الدرسية وفاز بجد واجتهاد وبمناسبة تامة واستعداد

ساتھ ہی مدرسہ کے سالانہ جلسۂ دستار بندی میں جمیعت علماء ہند کے صدر علامہ مفتی کفایت اللہؒ کے مبارک ہاتھوں سے ہم سب کی دستار بندی ہوئی الحاصل

گرچہ خردیم نسبتے ہست بزرگ   ذرۂ آفتاب تابانیم

بعدہ بسلسلہ مدرسی چانڈوڑ کے چشمۂ رحمت اور مالیگاؤں کے عین العلوم بیل باغ وعثمانیہ دارالعلوم موجودہ تعلیم النساء نیاپورہ انجمن حمایت اسلام میں کئی سال اور اسکے بعد عروس البلاد بمبئی میں بحیثیت اسپیشل قرآن ٹیچر سترہ سال تک کام کیا پھر بفحوائے کل شئی یرجع الی اصلہ اپنے وطن مالیگاؤں کے مدرسہ ملت میں بحیثیت مدرس عربی ایک سال اور ۱۳۷۵ھ سے آج تک مدرسہ اسلامیہ (بڑا قبرستان) میں بحیثیت صدر مدرس وناظم تعلیمات کے فرائض منصبی انجام دے رہا ہوں جو ۱۳۶۸ھ ۱۹۴۸ء سے بحیثیت مدرسہ شبینہ جاری تھا مگر ۱۳۷۵ھ سے کمترین کے ذریعہ دن میں جاری کر دیا گیا۔ آج اس میں میرے علاوہ دس مدرس اور تقریبا تین سو ساٹھ طلباء قرآن، حفظ قرآن، اردو، فارسی، عربی، کی ادنی سے اعلی تک کتابیں پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں۔ ساٹھ طلباء بیرون جات کے طعام وقیام کا انتظام بھی ہے اور مالیات کی فراہمی اور اسی کا بجٹ ودیگر ضروری انتظامی امور کی مستعدی سے الحاج عبدالقادر پہلوان عبدالقادر غلام دستگیر اپنی ماتحت ارکان منصرمہ کے ذریعہ انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالی اسکے جملہ معاونین ومخلصین کو اپنی رحمت خاص سے نوازے اور نیک عمل کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ (امین ثم امین)

شعر وسخن میں حضرت علامہ مولانا عزیز میرے استاد ہیں، تقریر وتحریر کی ابتدائی مشق زیادہ تر

ہندوستان کے مشہور ادیب اردو و عربی حضرت مولانا عبدالحمید صاحب نعمانیؒ سابق مدرس مدرسہ بیت العلوم اور مولانا عزیر کی توجہات جمیلہ کی رہین منت ہے جزاهم الله عنى خير الجزاء يوم الجزاء

من نہ گویم طاعتم بپذیر   قلم عفو بر گناہم کش (سعدیؒ)

العاصی پر معاصی کمترین مولوی جمال الدین لبیب انوری صاحب مالیگانوی

مولداً اعظمی اباً و جداً حنفی مذهبا و مسلكا غفرالله له ولوالديه ولاستاذيه ولمن له حق عليه

تدریسی خدمات: ۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۴۸ھ میں پہلی بار تعلیمی خدمات کا سلسلہ مدرسۂ چشمۂ رحمت چاندوڑ ضلع ناسک مسجد سگراں میں شروع ہوا چونکہ مدرسہ مسجد سے متعلق تھا اسی لئے مسجد کی امامت اور خطابت بھی میسر ہوئی۔ یہ سلسلہ ایک سال تک چلتا رہا۔ کئی لڑکے لڑکیاں ناظرہ قرآن ختم کیں اور کچھ بچے فارسی میں گلستاں تک بھی پڑھے اس کے بعد کئی سال حافظ محمد صدیق صاحب اسپیشل قرآن ٹیچر مدرسہ صبیات میونسپل مالیگاؤں میں مدرس تھے ان کی رخصت لینے پر ان کی جگہ میں تجوید اور تعلیم قرآن کا مبارک کام انجام دیا۔ پھر قسمت کی یاوری سے وبفضل اللہ وعونہ حضرت مولانا محمد نقی صاحب صدر المدرسین مدرسہ بیت العلوم جن کے پاس ہم نے ایک سال تک ہدایہ اولین کا درس لیا تھا۔ ان کے اس مشورہ پر کہ دارالعلوم دیوبند کے اہم اساتذہ علوم وفنون عربیہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں آگئے ہیں لہذا تم دیوبند جانے کے بجائے اسی مدرسہ میں داخلہ لے لو اور وہاں کے اساتذہ سے میرا تعلق ہے وہ انشاء اللہ میری سفارش پر داخلہ کر لینگے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء چودہ یا پندرہ تاریخ تھی ہم اور مولوی محمد مرتضی حسن ساکن محلّہ قلعہ مالیگاؤں نے امتحان داخلہ دیا امتحان میں کنز الدقائق، شرح جامی، مرقات اور نفحۃ الیمن تھی۔ نتیجہ میں ہمیں شرح تہذیب، نفحۃ الیمن، کنز اور شرح جامی ملی۔ بوقت داخلہ ہمارے دوست مولوی محمد مرتضی حسن صاحب مالیگانوی ممتحنین کی نظر میں ہم سے زیادہ ہوشیار تھے مگر مولانا کو خانگی کچھ دشواریاں تھیں کہ وہ مالیگاؤں آکر اور اپنے گھر والوں کو لے کر سورت مومن برادری کے محلّہ میں ٹھہر گئے اور مزید تعلیم کے لئے مدرسہ حسینیہ راندیر جو ان کی پرانی درسگاہ تھی داخلہ لے لیا۔ پھر چند سال بعد مولانا محمد الیاس امام وخطیب منارہ مسجد کے ساتھ دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں

سے تکمیل کی سند لی مگر ہم جامعہ اسلامیہ میں برابر فارغ ہونے تک چار سال ڈٹے رہے اللہ کی مہربانی سے پہلے ہی سال سہ ماہی امتحان کے وقت شرح جامی میں پچاس نمبر حاصل کیا یعنی اول نمبر اور سال کے آخر میں اسی کتاب میں انعامی مقابلہ میں ہم کامیاب ہوئے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں یہ انعام علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث جامعہ وسابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے مبارک ہاتھوں سے ملا۔ اس ہمت افزا کلمات کے ساتھ کہ ”لو بھائی مبارک ہو بڑے بزرگ کی کتاب میں یہ انعام مل رہا ہے“ معاً ایں جانب دل میں یہ خیال آیا کہ انعام دینے والے کس بزرگ سے کم ہیں۔ ع

کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

بہر حال اس طرح یہ سلسلۂ نیک مسلسل چار سال تک چلتا رہا جس میں درس نظامیہ کی تمام اہم کتابیں ختم ہوئیں اور ہمیشہ اعلی نمبروں سے کامیابی ہوتی رہی خاص طور پر مختصر المعانی، جلالین شریف، اور بیضاوی اور دورۂ حدیث کی تمام کتابوں میں قابل رشک کامیابی حاصل ہوئی۔ جب کہ ہر سال بیماریوں کا سلسلہ بھی جاری رہا کیونکہ مدرسہ شہر کی عیدگاہ کے سامنے ایک باغیچہ میں واقع ہے اس کے باہر بڑے بڑے دو تالاب ہیں جس کی وجہ سے بکثرت بڑے بڑے مچھر پیدا ہو جاتے تھے اور مدرسہ تالاب کے قریب ہونے کی وجہ سے وہ مچھر غریب طلباء کے ساتھ اٹکھیلیاں کیا کرتے تھے نتیجہ کے طور پر ہم اور دیگر طلباء کو ملیریا کا بخار ہو جاتا تھا پہلے سال پندرہ روز مبتلا رہے دوسرے سال ایک مہینہ تیسرے سال ڈیڑھ مہینہ چوتھے سال دو مہینہ مسلسل مبتلا رہے اور یاد آتا ہے کہ اگرچہ امتحان میں کمزوری کی وجہ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے مگر اس خیال سے کہ یہ آخری سال ہے اگر امتحان میں نہیں بیٹھے تو آئندہ سال پھر آنا پڑیگا اس لئے چارونا چار امتحان میں بیٹھ گئے مگر یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو شاہ صاحب کی وفات کے بعد ہماری بخاری شریف کے استاذ تھے اور امتحانی سوالات بھی انہوں نے مرتب فرمائے تھے ہمارے ایک دوست ساتھی جو مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کے بھتیجہ تھے اور اساتذہ کے پاس ہی اکثر رہا کرتے تھے انہوں نے امتحان ختم ہونے کے بعد ایک دن کہا کہ لو میاں حضرت مولانا تو آپ کی بڑی تعریف کر رہے تھے تمام اساتذہ کی موجودگی میں۔ اور

علامہ عثمانی نے تمہارے متعلق فرمایا کہ ”میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص مر کے بچے گا وہ ایسا لکھ سکتا تھا“ تو تمام اساتذہ جو مختلف علوم وفنون کی تعلیم گزشتہ سالوں میں دے چکے تھے انہوں نے بیک آواز فرمایا کہ ”اگر وہ بیمار نہیں ہوتا تو کوئی طالب علم اس کے آگے نہیں جا سکتا تھا“ اس خوشخبری کو سنتے ہی اپنی بیماریوں اور کمزوریوں کا خیال کرتے ہوئے اور پھر اس پر اساتذہ کی شہادت اس پر ہم نے امیر مینائی کا یہ شعر چسپاں کر دیا کہ

فلک نے پیس کے گو سرمہ کر دیا ہم کو
مگر حسینوں کی نظر میں ہیں سمائے ہوئے

پھر ہم جب آخری ملاقات کے لئے مہتمم مدرسہ مولانا احمد صاحب بزرگؒ سے ملے تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ رمضان شریف کی چھٹی گزار کر آپ یہاں آجائیں درجۂ تجوید خالی ہے پہلے اسمیں پڑھاؤ چونکہ ہمیں آپ کو اس درجہ میں رکھنا نہیں اس لئے جیسے ہی کسی اور قاری کا تقرر ہو گیا تو ہم آپ کو درجۂ فارسی اور عربی کے لئے مقرر کر دینگے چونکہ آپ کے جیسا طالب علم اس مدرسہ میں ہونا چاہئے یعنی جس مدرسہ میں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادیؒ اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا سراج احمد صاحبؒ، علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ جیسے اساطین امت مدرس ہوں۔ مگر بدقسمتی کہ جب ہم فراغت کے بعد گھر پہنچے تو ہم نے اپنی بیماریوں کا تذکرہ کیا اس کے بعد مہتمم صاحب کا آرڈر بتلایا تو حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تم وہاں بیمار رہتے ہو اس وجہ سے میری ہمت نہیں ہوتی کہ تم کو وہاں جانے کی اجازت دوں چونکہ میں ان کی اولاد میں سے تھا ان کی پرورش میں نشو ونما پایا تھا اور پھر وہ میرے پہلے استاذ بھی تھے اس لئے میں ان کی مرضی کے خلاف نہیں کر سکتا تھا اس کے بعد مالیگاؤں میں پہلے شبینہ مدرسہ عین العلوم میں ۱۹۳۷ء تک اور دن میں انجمن ہدایت اسلام کے نئے قائم کردہ مدرسہ عثمانیہ دارالعلوم میں پڑھایا جو اب تعلیم النساء کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اس کے بعد اپنی ایک ضرورت سے ایک ٹیوشن پر بمبئی میں پچاس روپئے ماہوار بلایا گیا جنوری ۱۹۳۸ء میں ایک پارٹ ٹائم اور ایک فل ٹائم جگہ اسپیشل قرآن ٹیچر میونسپل بمبئی کے لئے نکلی ایک ماسٹر صاحب جو ہم کو مڈل کلاس کا جغرافیہ پڑھایا کرتے تھے تا کہ ہم ٹیوشن میں مڈل کلاس کے طالب علموں کو پڑھا سکیں، ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ میری تنخواہ صرف پچاس روپئے ہے وہ بھی اہل حدیث کی مسجد میں صبح نماز پڑھکر مجھے جانا پڑتا ہے پھر وہاں سے دو بجے واپس آتا ہوں تو انہوں نے بتلایا کہ آجکل میونسپل مدارس میں قاریوں کے لئے دو جگہ نکلی ہوئی ہیں۔ میں جناب عمر صاحب ایم۔ اے سپرنٹنڈنٹ اردو مدارس بمبئی برائے صبیان کے دولتکدہ پر ان کے بچوں کو پڑھانے جاتا ہوں وہاں پر آپ کے متعلق تذکرہ کر دونگا۔ یہ خوشخبری سن کر بھی میں اس خیال سے مایوس ہو گیا کہ میں بمبئی میں نیا ہوں اور تعلقات مفقود ہیں پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دو جگہ کے لئے پچھتر آدمی امیدوار ہیں جس میں کچھ میونسپل مدارس کے مدرسین بھی شامل ہیں۔ اتفاقاً امیدواری کی آخری تاریخ سے ایک دن پہلے یعنی انتیس جنوری ۱۹۳۸ء کو ہمارے دور کے ایک ماموں تھے جو بڑے مہربان تھے ان سے تذکرہ کیا کہ اس جم غفیر میں ہم کامیاب ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا ”بھائی کامیابی اور ناکامی موقوف ہے عرضی دینے پر لہذا آج ہی آپ عرضی دے دیں بلا تاخیر کے“ چنانچہ ہم گھر آئے بھی نہیں لفافہ اور کاغذ خریدا اور عریضہ لکھا ہمارے مرحوم دوست محمد عمر رجب ایم۔ ایل۔ اے۔ بمبئی سے آفس کا پتہ لکھوایا اور فوراً بھائی کلہ سے جنرل پوسٹ آفس آیا اور وہاں خط ڈالدیا۔ اب ایک روز ماسٹر صاحب فرمانے لگے کہ تمام قراء کو انٹریو کا کال جا چکا ہے آپ کو ملا یا نہیں؟ تو ہم نے کہا کہ نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ آپ محمد عمر صاحب سے ملیں اور کہیں کہ انتیس تاریخ کو ہم نے بھی عریضہ کیا ہے یہ سن کر انہوں نے فرمایا کہ جب آپ نے عریضہ کر دیا ہے تو وہاں آکر کہئے کہ میں نے بھی عریضہ کیا ہے میرے عریضہ پر غور کیا جائے چنانچہ مقررہ دن جو جمعہ کا دن تھا بعد نماز جمعہ جب میں گلڈر ٹینک بلڈنگ پہنچا اور امیدواروں کی لسٹ دیکھا تو میرا نام روشنائی سے امیدواروں کے آخر میں لکھا ہوا تھا اندازہ ہوا کہ صاحب نے عریضہ کی تلاشی لی ہے عریضہ دیکھا ہے اور آخر میں نام لکھوا دیا ہے اس واسطے اصل امیدواروں کی بحث ختم ہو گئی اسی طرح حالات سازگار ہوتے گئے کیونکہ بہت زیادہ امیدوار تھے اور ہمارا نام آخر میں تھا اور امتحان ایک مقررہ بورڈ لے رہا تھا جس میں جامع مسجد کے خطیب مولانا غلام محمد صاحب اور مفتی محی الدین اکرمی صاحب اور صفیہ بیگم سر غلام حسین ہدایت اللہ جناب احمد علی صاحب سپرنٹنڈنٹ ایڈٹ مدارس بمبئی اور محمد عمر ایم۔ ایل۔ اے۔ سپرنٹنڈنٹ اردو مدارس صبیان

چونکہ جگہ ..... تھی اور امید وار بہت زیادہ اس واسطے انٹر یو بڑی جانچ کے ساتھ ہو رہا تھا اس لئے ہمارا نمبر چوتھے روز آیا جہاں سے فارغ تھے وہاں کی سندیں بتادی انہوں نے عم یتساء لون کی سورۃ ہم سے پڑھوائی چونکہ اس وقت ہماری عمر تیس سال کی تھی یعنی (جوان العمر تھے) اس لئے بڑی مصری میں بڑے آب وتاب کے ساتھ پورا رکوع سنادیا الحمدللہ کسی نے کہیں ٹوکا نہیں ۔ پھر قواعد تجوید سے سوالات ہونے لگے ہم سے پوچھا گیا کہ آپ نے لبالمرصاد کی راکو پر پڑھا ہے؟ تو ہم نے کہا جی ہاں ۔ تو پوچھنے لگے کیوں؟ تو ہم نے اس سوال کا جواب کچھ اس طرح سے دیا کہ را کے پر اور باریک پڑھنے کے سارے قاعدے بیان کردئے اور جواب کی تقریر کچھ اس طرح مربوط تھی کہ وہ سب بڑے غور سے سنتے رہے اور کچھ بولے نہیں ۔ پھر خطیب صاحب نے قاری محی الدین صاحب سے پوچھا کہ آپ کچھ پوچھینگے؟ تو انہوں نے کہا نہیں ۔ شاید اس لئے کہ انہوں نے خیال کیا ہو کہ ایک بات پوچھو تو دس جواب دیتا ہے ایسی صورت میں مزید پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ پھر جامع مسجد بمبئی کے خطیب جناب مولانا محمد غلام صاحب نے فرمایا کہ کیا آپ عالم بھی ہیں؟ تو میں نے کہا جی ہاں تو انہوں نے کہا کہ وجعلنا اللیل لباسا وجعلنا النہار معاشا ابھی آپ نے پڑھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کام کرنے کے لئے ہے اور رات آرام کرنے کیلئے اور بہت سے لوگ رات میں کام کرتے ہیں اور دن میں آرام کرتے ہیں تو اسمیں کوئی گناہ تو نہیں ہے؟ تو ہم نے اس کے جواب میں ایک زبردست تقریر کی کہ اللہ نے دعوی کیا کہ جو کچھ ہم نے پیدا کیا وہ سب انسان کے فائدہ کے لئے انسان کی فطرت کے موافق اس کا فائدہ اسمیں ہے کہ وہ دن میں کام کرے اور رات میں آرام کرے ۔ پھر اس سوال کے جواب میں کہ بہت سے لوگ رات میں کام کرتے ہیں اور دن میں آرام کرتے ہیں تو کیا اسمیں کوئی گناہ ہے؟ تو ہم نے کہا کہ شریعت میں امور دو قسم کے ہیں ایک امور تکوینی اور دوسرا امور تشریعی ۔ کیونکہ ہم نے ان دونوں باتوں کو سمجھانے کے لئے قرآن وحدیث کی بہت سی آیتیں اور احادیث اکٹھا کردی تھیں اسواسطے ایک صاحب نے پوچھا کہ وجعلنا فوقکم سبعا شدادا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کا وجود ہے مگر سائنس داں آسمان کے وجود کا انکار کرتے ہیں لہذا آپ نقلی دلائل سے نہیں بلکہ عقلی دلائل سے آسمان کا وجود ثابت کریں ۔ چنانچہ مڈل کلاس کے جغرافیہ میں جو کچھ لکھا تھا اسی کے پیش نظر ہم نے کہا کہ چاند اتنا بڑا کرہ ہے کہ اس میں دنیا کی ایک چوتھائی زمین سما سکتی ہے اور سورج اتنا بڑا کرہ ہے کہ ایسی چار زمینیں اس میں سما سکتی ہیں تو اگر آسمان کا وجود نہیں ہے تو کیا اتنے بڑے بڑے کرے بغیر کسی سہارے کے ٹھہرے ہوئے ہیں؟ تو خطیب صاحب نے فرمایا کہ ہاں! اسمیں ایک مقناطیسی اثر ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اوپر کھینچے ہوئے ہیں تو ہم نے اس بات کو یہیں چھوڑ دیا اور ان سے پوچھا کہ آسمان جب نظر آرہا ہے تو سائنس داں اس کے وجود کا کیوں انکار کررہے ہیں آخر آسمان کا وجود مان لینے میں کیا خرابی ہے؟ تو ہم نے سوچ لیا تھا کہ اگر یہ ایسا کہیں کہ اتنی بڑی چیز بغیر سہارے کیسے ٹھہر سکتی ہے تو ہم بھی کہہ دینگے کہ جس کی وجہ سے وہ اوپر کھینچا ہوا ہے اس میں بھی ایک مقناطیسی اثر ہے ہم نے پوچھا کہ آخر ایک چیز نظر آتی ہے تو سائنس داں انکار کیوں کرتے ہیں؟ ہاں! جو چیز نظر نہیں آتی ہے اگر اسکا کوئی انکار کرے تو ایک حد تک اس کو معذور سمجھا جاتا تو اس کا جواب دیا جاتا جیسے اگر کوئی شخص خدا کا انکار کرے یا کوئی شخص کسی شہر کا انکار کرے جس کو دیکھا نہ ہو تو اس کو دنیا کے بنانے والے کے وجود پر دلیل پکڑینگے اور یہاں ایک چیز نظر آتی ہے پھر بھی سائنس داں اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں آخر کیا خرابی ہے وجود کے مان لینے پر؟ اس پر کوئی جواب کسی سے بن تو پڑا نہیں اس پر احمد علی صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ سے کوئی پوچھے تو آپ کیا جواب دینگے؟ اس پر غلام محمد خطیب صاحب نے فرمایا کہ جب آپ ان کے سوال کا جواب نہیں دے سکتے تو آپ کو پوچھنے کا کیا حق ہے؟ اور ایک جواب وہی جو یہ دے رہے ہیں اس پر جمال الدین دل ہی دل میں پکار اٹھے ’’مدعی لاکھ پے بھاری ہے گواہی تیری‘‘ کیونکہ وہی صدر ممتحن تھے پھر تو سب ٹھنڈے پڑ گئے اور ہمارا صحیح پتہ پوچھنے لگے اور عمر پوچھنے لگے جس سے ہم کو ایک گونا اطمینان ہوا کہ ’’کچھ نہ کچھ ہو کر رہیگا گر اسے منظور ہے‘‘ چنانچہ جیسے جب کسی باپ کو خبر ہوتی ہے کہ زچگی ہوگئی تو بے چین ہو جاتا ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے کہ آنے والا لڑکا ہے یا لڑکی؟ اسی طرح ہم کو بھی بے چینی ہوئی کہ معلوم کرنا چاہئے کہ نتیجہ کیا نکلا؟ یہ معلوم کرنے کے لئے ہم رات میں عمر محمود صاحب کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا کہ بھائی افیشیل بات بتائی نہیں جاتی مگر آپ آئے ہیں تو بتلا دیتا ہوں لیکن اگر آپ نے کسی سے بتلا دیا اور وہ شکایت مجھ تک آئی تو میں انکار کردونگا ۔ بہر حال آپ

ہماری نظر میں دوسرا نمبر ہے پہلا نمبر جامع مسجد کے امام مولانا شیخ محمود کوکنی فاضل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا مگران کی عمر کم ہے اورلڑکیوں کی اسکول میں بھیجنا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ جب اس پر بحث اسکول کمیٹی میں آئے تو وہ مسترد کردئے جائے اور آپ کوفل ٹائم پر مقرر کردیا جائے۔ اوراگر ایسا نہ ہوا تو پارٹ ٹائم آپ کومل کررہیگا تو آپ ہرگز اسکا انکار نہ کریں چونکہ ایک اور قاری صاحب عنقریب ریٹائر ہونے والے ہیں تو ظاہر ہے کہ آج جو پارٹ ٹائم پر ہوگا اسی کوفل ٹائم پر مقرر کردیا جائیگا۔ اسی دوران جہاں ہم ٹیوشن پر تھے انہوں نے ایک روز ہم کو بہت زیادہ سخت سست کہہ دیا تو ہم نے ان سے آہستہ سے پوچھا کہ ہم کل سے نہ آئیں؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کی مرضی۔ اس کے بعد ہم بال بچوں کو لے کر گھر چلے آئے۔ ایک مہینہ کے بعد انٹریو آفس سے آڈر آیا کہ آپ کا تقرر فل ٹائم پر ہوگیا ہے لہذا اکیس مارچ ۱۹۳۸ء کو اپنے کام پر رجوع ہوں۔ آرڈر کے ساتھ ہی زبانی کہا گیا کہ آپ اپنی نیک چلنی سے متعلق دو معزز آدمیوں کی تصدیق لائیں چونکہ لڑکیوں کی اسکول میں بھیجنا ہے اور وہاں پر ہر عمر کی لڑکیاں ہیں اور مختلف مزاج کی استانیاں ہیں۔ چنانچہ ایک تصدیق محمد عمر رجب ایم۔ ایل۔ اے بمبئی اور دوسری تصدیق محمد عرفان صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا خلافت کمیٹی سے لے کر داخلہ کردیا اور ہم اپنے کام پر انگیز ہوگئے آگے چل کر جب اس کا تذکرہ سیٹھ صاحب سے ہوا جن کے پوتے اور پوتیوں کو جو مختلف عمر کے تھے ٹیوشن پڑھاتا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تصدیق نامہ مجھ سے کیوں نہیں لے لیا؟ اور میں وہ آدمی ہوں کہ جب میں کشمیر میں رہتا تھا اور جوان تھا تو ایک ایڈورڈ ہفتم کو تہنیت نامہ پڑھکر سنایا تھا تو اس نے میری سچائی اور نیک نیتی کی تصدیق کی تھی۔ بہرحال اس شان کے ساتھ ہمارا تقرر اسپیشل قرآن ٹیچر برائے اردو مدارس صبیاں میونسپل بمبئی ہوگیا پندرہ سال تک اسپیشل قرآن ٹیچر رہے کانگریسی حکومت آنے کے بعد تین سال تک اردو درجۂ دوم کے مدرس رہے۔

اپنی زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ : پہلا واقعہ جب ہم بفضل اللہ تعالی چوبیس ربیع الاول ۱۳۴۶ھ کے منعقدہ جلسۂ دستار فضیلت مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں کا مدرسہ چراغ علوم کے سامنے ہوا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ و مولانا قاری ضیاء الدین الہ آبادیؒ کے مبارک ہاتھوں سے سند تجوید و دستار فضیلت حاصل ہوئی۔ دوسرا سب سے بڑا واقعہ جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسلسل چار سال رہ کر اساطین امت اور بے مثال اساتذہ سے علوم وفنون عربیہ کا درس پوری جد وجہد سے لیا اور پھر اپنے بزرگوں کی دستخطوں سے سند فراغت علوم عقلیہ ونقلیہ سے ملی۔ اور وہ واقعہ بھی ناقابل فراموش ہے جب داخلہ کے پہلے سال کے جلسۂ دستار فضیلت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مقابلہ میں پہلے نمبر آنے والوں کو انعامات مل رہے تھے چونکہ ہم شرح جامی کی دو جماعتوں میں جس میں سے ایک جماعت کو مولانا عبد الجبار صاحب پشاوریؒ صدر سابق جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پڑھا رہے تھے اور دوسری جماعت کو مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی پڑھا رہے تھے پاس ہو رہی تھی اول الذکر کے پاس بحث اسم اور ثانی کے پاس بحث فعل تھی جس میں ہم شریک تھے ان دونوں جماعتوں میں ایک ہی انعام کا اعلان تھا اور اسی انعام میں ہم کامیاب ہوئے تو حضرت شاہ صاحبؒ جلسہ میں جب ہم کو انعام دینے لگے تو فرمایا کہ ''لو بھائی مبارک ہو آپ کو بڑے بزرگ کی کتاب انعام میں مل رہی ہے'' معاً ہمارے دل میں خیال آیا کہ انعام دینے والے بھی کچھ کم بزرگ نہیں ہیں۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے بارے میں علامہ کشمیریؒ کی وفات کے بعد ڈاکٹر محمد اقبال نے جو منقبتی الفاظ شائع کئے تھے اس میں فرمایا تھا کہ'' گزشتہ دو سو سال میں تاریخ اسلامی نے ایسا محدث نہیں پیدا کیا'' اور خود ہم لوگوں سے حضرت کی وفات کے بعد مدرسہ جامعہ میں دو دن قرآن خوانی کروائی گئی تھی اور تیسرے روز جلسۂ تعزیت منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ نے کی تھی اس جلسہ میں ایک نظم بطور مرثیہ لکھ کر ہم نے بھی سنایا تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ

وہ تیرا درس بخاری اور تحقیق انیق   جس میں مانا تھا تجھے دنیا نے یکتائے زمن
اس کی برکت سے نہ کچھ معمور ہے ہندوستاں   بلکہ ہے مرہون منت آج تک چین ویمن
یوں تو دنیا میں بہت آئے محدث اور فقیہ   لا نہیں سکتا مگر ثانی تیرا چرخ کہن

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات میرے لئے غم واندوہ کے سلسلہ کی ایک زبردست کڑی ہے کہ جس سال ہمیں باقاعدہ ان سے پڑھنا تھا اسی سال انکی وفات ہوئی۔ یوں تو غیر رسمی طور پر بسا اوقات شاہ صاحب کی درس بخاری میں خاص طور پر بخاری شریف کے افتتاح اور اختتام کے وقت آپ کی

تقریر و تعلیم سے بہر حال مستفید ہونے کا موقع ملا۔

صحافتی زندگی اور اسکا آغاز: یوں تو جہاں تک مضمون نگاری کا تعلق ہے اس کی مشق مدرسہ بیت العلوم کی طالب علمی کے زمانہ ہی سے تھی مولانا عبد الحمید صاحب نعمانیؒ اور مولانا محمد یوسف صاحب عزیز کے زیر تعلیم شروع ہوگئی تھی لیکن اخبارات اور رسائل میں اس کا سلسلہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فارغ ہونے کے بعد بڑی شان وشوکت سے شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں کئی اصلاحی اور تنقیدی مضامین شائع ہوئے مختلف اخبارات ورسائل میں۔ باہر سے فراغت کے بعد ہمارے رفقائے علم وادب دوست اور ساتھیوں نے ادب کے نام سے ایک قلمی پرچہ جاری کیا جو مختلف انجمنوں اور کلبوں میں دو دو تین تین دن کے لئے رکھ دیا جاتا پھر اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مدرس و مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک رسالہ ''غایات النسب'' کے نام سے شائع کیا جس کا دوسرا نام تھا ''مساوات اسلامی اور اسکی حقیقت'' ہم نے اس کے جواب میں بعنوان ''مساوات مفتی دارالعلوم اور اس کی حقیقت'' رسالۂ مومن جو بدایون سے نکلتا تھا مولانا محمود الحسن صاحب کی ادارت میں، اس کو مساوات نمبر میں شائع کیا جو باریک حرفوں میں اٹھارہ صفحات پر مشتمل تھا اگر رسالہ کی عام کتابت کے موافق لکھا جاتا تو وہ چالیس صفحات سے کم کا نہ ہوتا۔ اسی طرح ایک جلسہ جو سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی برسی کے طور پر منعقد کیا گیا تھا اس کے لئے ہم نے ایک مختصر رسالہ ''مختصر سوانح عمری حاجی امداد اللہؒ'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد ہمارے شفیق استاذ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب عزیزؒ نائب صدر مدرسہ بیت العلوم کی وفات پر ایک جلسہ وفات کے ایک سال کے بعد یعنی ۱۹۵۸ء میں فرحت منزل کے پاس منعقد کیا گیا جس میں حضرت مرحوم کے شان عالمانہ کے عنوان پر ایک مضمون لکھنے اور پڑھنے کے لئے بانیان جامعہ نے ہم سے درخواست کی تھی اور وہ مضمون جو کئی صفحات پر مشتمل تھا بیک جنبش قلم لکھ کر جلسہ میں سنا دیا اور دو سال کے بعد وہ تمام نظمیں اور مضامین جو مشاعرۂ یوم عزیز کے جلسہ میں پڑھی اور سنائی گئی تھیں ترتیب دیکر ہم نے اپنے خرچ سے شائع کیا۔ چونکہ مدرسہ اسلامیہ کے جملہ امور ضروریہ سے تعلق اس خاکسار کا شروع ہی سے رہا اسلئے کوئی قابل

ذکر تصنیف کا موقعہ نہیں ملا اگر چہ گذشتہ کئی سال سے اسکا ارادہ کر رہا ہوں معلوم نہیں اس پیرانہ سالی اور بیماریوں کے ہجوم میں اس کا موقعہ ملتا ہے یا نہیں؟ اگر چہ ہم مذکورۃ الذیل شعر کے پیش نظر تادم آخر اس ارادہ سے باز نہیں آسکتے کہ۔

کٹے سر تو کٹنے دے کوچے میں اسکے   قدم اسکے در پر بڑھائے چلا جا

دعوت وارشاد کے متعلق: جہاں تک دعوت وارشاد کا تعلق ہے تو اسکی جد جہد کا سلسلہ بھی مدرسہ بیت العلوم کے طالب علمی کے زمانہ سے شروع ہے اور مذکورہ بالا دونوں اساتذۂ کرام اسکی تعلیم وتربیت میں لگے ہوئے تھے۔ مدرسہ بیت العلوم کے کسی بھی جلسہ میں نظم پڑھنے اور نظم سنانے یا زبانی تقریر کا موقعہ آتا تو اکثر ہم اور حضرت مولانا حافظ محمد عثمان صاحب صدر جامعۃ الصالحات پیش کئے جاتے اور جب ہم دونوں کی مشکوۃ شریف حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے پاس شروع ہوئی تو حضرت مولانا اکثر ہم کو اپنے وعظوں میں لے جاتے تھے پہلے ہم دونوں کچھ حدیثیں بیان کرتے اس کے بعد حضرت کا وعظ وارشاد حاضرین کے ایمانوں کو تازہ اور منور کرتا۔ اس خاکسار کا تعلق چونکہ بچپن ہی سے رہا ہے اور آج جبکہ عمر کے پچھترویں سال میں چل رہا ہے کبھی بھی وہ تعلق منقطع نہیں ہوا اس وجہ سے جہاں کہیں بھی رہا یہ سلسلہ وعظ وتقریر مستقل جاری رہا۔ چاندوڑ میں بھی دوران ملازمت اور بمبئی میں بھی محرم، ربیع الاول، ربیع الاخر، رجب، شعبان، اور رمضان غرض کہ تمام مبارک راتوں اور دنوں میں مختلف محلوں، مسجدوں اور بلڈنگوں میں یہ سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۵۴ء میں جب مالیگاؤں رجوع ہوا جب سے آج تک بھی یہ سلسلہ جاری ہے خاص کر جب سے مسجد سلیمانی کی تعمیر ہونے کے بعد اس کی امامت شروع ہوئی تب سے آج تک جمعہ کی نماز سے پہلے تھوڑی دیر میری تقریر ہو جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر اس موقع پر یہ واقعہ لکھدیا جائے تو نامناسب نہیں ہوگا کہ جب حضرت مولانا حافظ قاری محمد عثمان صاحبؒ ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر آئے تو ہم سب نے ان کے لئے استقبالیہ جلسہ کیا اور اس جلسہ کے لئے تہنیت اور استقبالیہ مضمون ہم نے لکھ کر سنایا اس مضمون کی فصاحت اور بلاغت اور چستی کو دیکھکر حضرت مولانا محمد نقی صاحب نے فرمایا کہ اگر میں بھی لکھنا چاہتا تو ایسا نہیں لکھ سکتا تھا اسی طرح

جب ہم آئندہ سال فارغ ہوکر آئے یعنی ۱۳۵۲ھ میں تو ہمارے لئے بھی استقبالیہ جلسہ اور تہنیت نامہ لکھکر پڑھا گیا جس میں خاص طور پر توجہ کے لائق خطیب العلماء کا خطاب تھا چونکہ اس مضمون کا عنوان ''ارشادوتبلیغ'' ہے اس وجہ سے ذکر کردیا گیا۔

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

سیاست سے تعلق: گزشتہ پچاس برس ہندوستان میں ایسے گزرے ہیں کہ جس میں رات اور دن کے اکثر اوقات سیاست کے ذکر واذکار میں گزرے خواص تو خواص عوام بھی کسی نہ کسی درجہ میں اس سے متعلق یا متأثر ہوئے۔ اس لئے کہ کسی ایسے آدمی کا جو برسوں تعلیم وتعلم کے ساتھ سیاسی علماء کے ساتھ رہا ہو۔ گاندھی جی جیسے بابائے سیاست سے ملنے کے لئے ڈابھیل سے چار میل کا سفر پیدل طے کرکے گیا ہو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ان کا تعلق سیاست سے رہا یا نہیں؟ تعجب خیز ہے۔ ہاں! شاید یہ خیال اس وجہ سے آیا ہو کہ کسی تحریک میں نمایاں حصہ لے کر قید وبند کی صعوبتیں نہیں اٹھانی پڑیں تو ظاہر ہے کہ اس کی وجہ تعلیم وتعلم کے ساتھ انتہائی انہماک اور خانگی پریشانیاں تھیں مگر ۱۹۳۸ء سے ۱۹۵۳ء تک سرکاری ملازمت پر گزرے جو تحریک کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا پھر بھی جب سے ہوش سنبھالا ہے جب سے آج تک ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں کیا سیاسی انقلابات ہوتے ہیں اور کیونکر ہوتے ہیں اس سے بالکل بے خبری ہوا ایسا نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بمبئی جانے سے پہلے مالیگاؤں کی کانگریس کا ممبر تھا اور بمبئی جانے کے بعد عام غیر مسلموں کے جذبات اور خیالات سے متأثر ہوا جس کا کچھ اشارہ قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر سے بھی ملتا ہے ہم نے مسلم لیگ کی ممبری قبول کی اور جمیعت علماء اسلام جس کے صدر نشین علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ تھے اس کی بمبئی والی شاخ کے ہم بھی ممبر ہوئے اور اسی کے تحت بمبئی کے فرقہ وارانہ فساد کے زمانہ میں جس کا سلسلہ کئی سال جاری رہا مسلم ہاسپٹل قائم کرکے اس میں مسلم زخمیوں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ نتیجہ کے طور پر اس ہاسپٹل میں سوائے ایک بوڑھے کے جو زخمی ہونے کے دو دن بعد ہاسپٹل میں داخل ہوا تھا باقی سب صحت یاب اور تندرست ہوکر نکلے۔ اسی طرح بمبئی کے تمام جلسوں میں خواہ اسکا تعلق کانگریس سے ہو یا مسلم لیگ سے، مگر ہم شریک ہوتے رہے اور جب سے

مسلم لیگ اور کانگریس کے اتفاق واتحاد سے پاکستان اور ہندوستان کی بنیاد پڑی اور حکومتوں کے مقابلہ میں ہم ہندوستانی حکومت کو اپنی حکومت سمجھ کر وفادار ہیں اگرچہ کہ اپنوں سے جو غلطیاں ہوئی ہیں اس کو برا سمجھتے ہیں اور جو اچھائیاں سامنے آتی ہیں اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر برسر اقتدار پارٹی اسی جذبۂ خلوصیت اور ایثار وقربانی جس کا بار بار وعدہ انتخاب کے اسٹیج سے کیا جاتا ہے اس کے موافق عمل اگر اقتدار ملنے کے بعد کیا جائے تو یہ ہندوستان جو قدرتی نعمتوں سے مالا مال ہے اسے جنت نشاں ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوسکتی۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ اقتدار ملنے کے بعد لوگ ان کے ادگھاٹنوں میں وزراء کو لگائے رکھنے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ اور دیگر عیش وعشرت کے سامانوں میں الجھا دیتے ہیں اور یہ حضرات بھی بڑی حد تک اپنے فرض منصبی سے دور ہٹ جاتے ہیں یا خیال تو رکھتے ہیں مگر جماعت بندی اور تعلقات کے بقاء اور اس کے فروغ کے پیش نظر اپنے عہدہ کے مقتضیات پر عمل کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مچھلی پورے تالاب کو گندہ کردیتی ہے اگر خدانخواستہ اسی تالاب میں چند مچھلیاں اچھی ہوں اور باقی گندی تو اس تالاب کا کیا حشر ہوگا؟ آپ خود ہی غور فرمالیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ خدا کرے ہندوستان اپنے باوقار وزراء اور باعظمت افسران کے دلوں میں ان کے نیک خیالات اور خدمت خلق کے جذبات میں اتنا جوش وخروش پیدا کردے کہ وہ اسی کو کامیاب کرنے پر لگ جائیں اور تمام عوام کو مردوں اور عورتوں اور بچوں کو اپنا کنبہ سمجھ کر ان کی سرپرستی اور انکے عیش وآرام کا خیال رکھیں اور ہر بگڑے ہوئے کو بنانے کے لئے اور راہ راست پر لانے کیلئے وہ طریقے اختیار کریں جو جرائم کو کم کردیں اور محاسن کو بڑھادیں تو

عجب کیا ہے جو بیڑا غرق ہو پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

مشغلۂ شعر وسخن جو انتخاب ہوں: خاکسار کو شعر وسخن سے دلچسپی بچپن ہی سے رہی ہے اور یہ دلچسپی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب عزیزؒ مرحوم کی صحبت بابرکت میں مسلسل دس برس رہنے اور پڑھنے کا نتیجہ تھا چونکہ وہ اپنے زمانۂ طالب علمی اور استاذ فن شعر وسخن تھے اس وجہ سے اکثر مشاہیر شعراء

آپ سے اس فن میں تلمذ خاص رکھتے تھے۔ اور ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں اکثر و بیشتر اپنی غزلوں کی اصلاح کے لئے حضرت اقدس کے پاس آیا جایا کرتے تھے ہم یہ سب کچھ دیکھتے تھے اور سنتے تھے اس لئے لامحالہ اس سے متاثر بھی ہوتے تھے چنانچہ پہلی نظم جو تقریباً چودہ یا پندرہ برس کی عمر میں لکھی گئی تھی حضرت نے اس کو سنتے ہی فرمایا کہ آپ مشاعرہ میں پڑھ سکتے ہیں غالباً وہ مشاعرہ صوفی عبدالحق صاحب ساکن اسلام پورہ کے دولت کدہ پر تھا ان کے بچوں کی ختنہ کی تقریب میں پڑھی گئی یہ واقعہ تقریباً اٹھاون سال پہلے کا ہے جس کا مصرعہ تھا ''نبی کی نعت ہے اللہ کو سنانے کو'' اتفاق سے مقررہ صدر تشریف نہ لا سکے اس لئے قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند اس کا مطلع تھا۔

ہے آرزو میرے دل میں مدینہ جانے کی اور اپنی خاک ٹھکانے سے لگانے کی
وفات جب ہوئی حضرت کی بول اٹھے جبرئیل اجازت اب نہ ملے گی ملک سے آنے کی

اسکے بعد یہ سلسلہ شعر وسخن بطور مشغلہ کے جاری نہیں رہا کیونکہ زیادہ تر اپنی توجہ پڑھنے پڑھانے اور خانگی معاملات کی طرف رہی تھی۔ مشاعرہ میں رات کو دو تین بجے تک جاگ جانا اور دوسرے دن اپنے مشاغل کو کما حقہ ادا کرنا یہ اپنے بس کے باہر تھا پھر بھی وقتاً فوقتاً کسی جلسہ کے لئے یا بزم عزیزی کے مشاعرہ کے لئے یا کسی بزرگ کی وفات پر یا کسی مضمون کی مناسبت سے حمد، نعت اور منقبت، مرثیہ اصلاحی اور قومی نظمیں اب تک لکھی جا چکی ہیں۔

بروفات حسرت آیات علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

۱۳۵۲ھ بزمانہ طالب علمی جامعہ ڈابھیل میں حضرت والا کے لئے جلسہ تعزیت میں لکھی اور پڑھی گئی

آہ! اے شیخ الحدیث جامعہ فخر زمیں :: جامئے دین متین اور ماہر ہر علم وفن
تیرے جانے سے ہر ایک محفل کا رنگ جاتا رہا :: اور خصوصاً جامعہ کا ہو گیا سونا چمن
تھا تیرا ہر لفظ مومن کے لئے آب وحیات :: اور ہر نکتہ تھا باطل کے لئے دار ورسن
ان کی رحلت سے بشیر الدین مرزا خوش نہ ہو :: ان کا ہر شاگرد ہے تیرے لئے دندان شکن
وہ تیرا درس بخاری اور تحقیق انیق :: جس میں مانا تھا تجھے دنیا نے یکتائے زمن

جس کی برکت سے نہ کچھ معمور ہے ہندوستاں :: بلکہ ہے مرہون منت آج تک چین ویمن
یوں تو دنیا میں بہت آئے محدث اور فقیہ :: لا نہیں سکتا مگر ثانی تیرا چرخ کہن
آہ! وہ سیراب گاہ تشنگان علوم :: سو رہا ہے قبر میں باندھے ہوئے سر سے کفن
اس میری آہ فگاں پر غیب سے آئی ندا :: تو فراق شاہ میں اس طرح سے مجنوں نہ بن
تیری تسکین کیلئے کافی ہے شبیر وسراج :: اپنے اپنے طرز میں ہر ایک ہے درّ عدن
اور وہ حضرات بابرکات جن پر مدتوں :: فیض انور شاہ کشمیری رہا سایہ فگن
شیخ سے قلبی محبت ہے اگر تجھ کو لبیب :: پھر دعاء خیر کا پابندہ رہ سر وعلن

آخری ایام: الحاج حضرت مولانا جمال الدین صاحب لبیب انوریؒ ۲۹ر محرم ۱۳۷۵ھ سے مسلسل ۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ ۱۱ر ستمبر ۱۹۵۵ء سے مسلسل ۷ر جنوری ۱۹۸۷ء یعنی ۳۲ر سال تک مدرسہ اسلامیہ کی ترقی وتعمیر وبقا کے لئے جد وجہد کرتے رہے حتی کہ مدرسہ اسلامیہ کا ششماہی امتحان ۶ر جمادی الاولیٰ کو ختم ہوا اس دن بھی آپ نے فارسی زبان کی ایک کتاب حکایات لطیف کا امتحان لیا۔ اور جمعرات کے دن ۷ر جمادی الاولی کو حسب سابق مدرسہ کی تعطیل تھی اور جمعہ کے دن ۸ر جمادی الاولی ۱۴۰۷ھ ۹ر جنوری ۱۹۸۷ء علی الصباح اپنے خالق حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون

غرض کہ آپ نے ایک دن بھی مدرسہ کا ناغہ نہیں ہونے دیا تاحیات مدرسہ سے متعلق رہے۔ بیماری کے ایام میں بھی روزانہ کئی کئی گھنٹہ تک مدرسہ میں حاضر رہتے اس طرح حضرت کو ایک طرح کا سکون حاصل ہوتا مکان پر رہتے ہوئے بھی ہمہ وقت مدرسہ کا خیال رہتا تھا۔ الحمد للہ یہ دینی خدمت حضرت کے لئے ایک بہت بڑا صدقۂ جاریہ ہے۔

۱۸ حضرت مولانا مفتی زین العابدین لائل پوری

مولانا مفتی محمود حسن حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

ممتاز عالم دین، فقیہ داعی الی اللہ، حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری ایک عرصہ صاحب فراش رہنے کے بعد لاہور میں عمر کے ۸۷ (ستاسی) سال گزار کر سنیچر ۲۴ر ربیع الاول

۱۴۲۵ھ مطابق ۱۵؍مئی ۲۰۰۴ء کوانتقال کر گئے۔

خدمات: حضرت مفتی صاحب کی زندگی دعوت وتبلیغ سے عبارت تھی اور وہ مخلوق کا خالق سے تعلق مضبوط کرنے میں کوشاں رہتے تھے جس کے لئے انہیں راستوں کی صعوبتوں، مزاجوں کے تباین اور حالات کے اتار چڑھاؤ سے گزر کر صبر واستقامت اور شکر کی الگ الگ کیفیات اور جذبات سے پیش آنا پڑتا تھا، جنھوں نے انہیں دیکھا اور سنا وہ کہتے ہیں ”دنیا کی ہر چیز کی نفی“، ”اصل حقیقت اللہ کی ذات“، اور ”فکر آخرت“ یہ تین موضوع ان کی عمر بھر کی تقاریر کا محور تھے ان کے کام ومقام کو سن کر اور پڑھ کر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دعوتی وتبلیغی کام کے تعلق سے پاکستان میں ان کی وہ حیثیت تھی جو یہاں ہندوستان میں لسان التبلیغ حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ کی تھی۔

حضرت مفتی صاحب ملی مسائل میں بھی پیش قدمی فرمایا کرتے تھے چنانچہ ان کی خدمات مختلف دینی وملی کاموں میں حاصل کی گئیں پاکستان کے مشہور شہر فیصل آباد میں ”دارالعلوم فیصل آباد“ قائم کیا تھا جو ایک معیاری تعلیمی ادارہ ہے ”القاسم“ کے نام سے ایک اسکول بھی قائم کیا تھا کہ جہاں قدیم وجدید (مذہبی وعصری) علوم کی تعلیم دی جائے دارالعلوم فیصل آباد کا فیض دور دور پھیل رہا ہے۔

پاکستان میں تبلیغی مرکز اور تعلیمی ادارہ قائم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ وقتاً فوقتاً ارباب سطوت واقتدار قائد وزعماء اور خادمین ملت کی توجہ دین وملت کے اہم تقاضوں اور مسائل کی طرف مبذول کراتے رہتے تھے۔ اس فکر نے انھیں صدر شہید جنرل ضیاء الحق صاحب سے بھی ملایا جب کہ ان کا استغناء قصر صدارت میں رسائی کو گوارہ نہیں کرتا تھا اور انھیں اسلام کے نفاذ کے بارے میں تجاویز دیں اور ایسا بھی ہوا کہ نفاذ شریعت کی کوششوں میں انھوں نے بڑے اجتماعات میں شرکت کی پارلیمنٹ کے باہر کھڑے رہنے کی زحمتیں بھی اٹھائیں جنرل ضیاء الحق صاحب مرحوم حضرت مفتی صاحبؒ کا خاص خیال کرتے اور ان سے عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتے تھے شاید اسی کشش نے جنرل صاحب کو اپنے عہد صدارت میں باوجود ہجوم مشاغل اور شدید مصروفیتوں کے رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں شرکت کرائی اور وہ خواص کے جوڑ میں بھی شریک ہوئے جیسا کہ حضرت مولانا محمد عمر

صاحب پالنپوریؒ کے ایک مکتوب بنام حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے رائے ونڈ (پاکستان) سے دہلی (ہندوستان) تحریر کیا تھا کہ: ”ملک کے صدر صاحب خواص کے جوڑ میں اور آخری دعا میں شریک تھے“ صدر شہید کے حضرت مفتی صاحب سے تعلق وعقیدت اور ان کے فضل وکمال کے اعتراف کا اندازہ کسی حد تک اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار صدر شہید نے مفتی صاحب کا نام سرکاری اعزاز عطا کرنے کے لئے منتخب کیا چنانچہ سرکاری نمائندے مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدارتی تجویز کا یہ کہتے ہوئے ذکر کیا کہ اپنا بایوڈاٹا دے دیجئے اور فلاں تاریخ کو اس کی تقریب میں اسلام آباد تشریف لے آیئے گا مفتی صاحب نے بغیر توقف کے (جیسا کہ ان کے ایک صاحب قلم مسترشد ڈاکٹر محمد طاہر صاحب کا بیان ہے) فرمایا: میں اپنی مساعی کا اجر دنیا میں نہیں لینا چاہتا اللہ کے دین کی خدمت اللہ ہی کے لئے ہے ان اجری الا علی اللہ

مفتی صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے خلفاء میں تھے اور رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے خاص احباب ورفقاء میں تھے انہی کے ہم عمر تھے خاص معتمدین میں سے تھے چنانچہ حجاز مقدس کے سفروں اور پاکستان کے دوروں میں عموماً حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ رہتے یہی تعلق واعتماد بعد میں حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن صاحب کا بھی حاصل رہا تبلیغی کام کے تعلق سے حجاز مقدس میں چند سال بھی گزارے اب وہ اس کام کے سرپرستوں میں سے تھے۔

مفتی صاحب دیوبند اور ڈابھیل کے دارالعلوم سے اپنی تعلیمی زندگی میں وابستہ رہے ۱۳۵۹ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فارغ ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے خصوصی طور پر اکتساب فیض کیا تھا اور انکی عنایت سے بہرہ ور ہوئے تھے میانوالی (پاکستان) ان کی جائے ولادت تھی وہاں سے دینی ودعوتی تقاضہ سے وہ فیصل آباد منتقل ہوگئے پھر وہیں زندگی کی آخری ساعتیں گزار کر پیوند خاک ہوئے زبان زد خلق ہے کہ نام کا اثر پڑتا ہے مفتی زین العابدین صاحب کے بارے میں ان کے دیکھنے

والوں کا خیال تھا کہ وہ عابدین کی زینت تھے اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والوں کی آبرو تھے وہ علمی وجاہت ووقار اور عملی جاذبیت وخدا ترسی رکھتے تھے اسلامی شخصیات میں حضرت علی بن الحسینؓ کو زین العابدین کا خطاب علماء تابعین نے دیا تھا جن کا ایک بڑا وصف عفوودرگزر تھا مخالف ہو یا ماتحت وخادم بڑی سے بڑی غلطی کو یہ سوچ کر معاف کردیا کرتے تھے کہ اللہ کو معاف کرنا زیادہ پسند ہے کسی نے ایک بڑی غلطی کے بعد جس سے انھیں شدیش تکلیف پہنچی تھی یہ آیت پڑھی ''والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین'' تو صرف انھوں نے نہ صرف ان کی غلطی سے چشم پوشی کی معاف کر کے آزا بھی کردیا اس طرح سے ایک دوسرے موقع پر انہی غلام کی ایک چوک سے ان کے شیر خوار بچہ کی موت ہوگئی تو انھوں نے سرزنش کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے معافی کو اختیار کرتے ہوئے اس کو بھی آزاد کردیا تھا۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب بھی اپنے وقت کے علماء وداعیوں میں اس وصف میں ممتاز تھے اس تعلق سے ان کا ایک واقعہ ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک شمارہ جون ۲۰۰۴ء سے نقل کیا جاتا ہے۔

ہاتھ پر بلا ٹلی گردن بچی: ایک رمضان کے آخری عشرہ کی بات ہے ایک نوجوان کینہ رکھنے والوں کے منفی تذکروں سے متاثر ہوا اور وہ وضو کے دوران مفتی صاحب پر چڑھ دوڑا چھری سے وار کیا مفتی صاحب گردن پر ہاتھ رکھے مسح کر رہے تھے چھری ہاتھ کی انگلیوں کو چیر گئی مگر گردن بچ گئی لوگوں نے نوجوان کو پکڑا مارنے لگے مفتی صاحب نے روک دیا فرمانے لگے فاتر العقل ہے مجھے سمجھا نہیں میں نے معاف کردیا اللہ کا حکم ہے ''فاعفوا واصفحوا'' معاف کرو درگذر سے کام لو! کبھی کبھار اگر مجلس میں اس واقعہ کا ذکر بھی آتا تو خوش طبعی سے فرمادیتے: لوگ گردن پر مسح کے بارے میں فقہی موشگافیاں کرتے رہیں دیکھیئے گردن پر مسح کے فائدے کتنے ہیں؟ اسی مسح پر عمل نے میری جان بچائی مسح کرنے والے ہاتھ پر بلا ٹلی گردن بچی۔

مفتی صاحب کم گو تھے زود عمل تھے خوش مزاج تھے لایعنی کاموں سے پرہیز رکھتے تھے ذکر وتلاوت، شب بیداری، ان کے خاص معمولات تھے دعوت وتبلیغ ارشاد وہدایت کا مسئلہ ان پر حاوی تھا سیاست سے دور تھے مگر اسے شجر ممنوع نہیں سمجھتے تھے تعلیم کو قوموں کے عروج کے لئے ریڈھ کی ہڈی سمجھتے تھے ان کی شخصیت میں جامعیت تھی چنانچہ وہ درس، افتاء اور دعوت وتبلیغ کے میدان عمل کے ساتھ امت کو درپیش مسائل سے بھی دلچسپی وباخبری رکھتے تھے اور اس کی مشکلات میں رہبرانہ کردار ادا کرتے تھے بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور تحفظ شریعت کے لئے انھیں آزمائش سے گزرنا پڑا مگر ان کے پائے استقامت میں جنبش نہ آنے پائی۔ رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ واخلف اللہ منہ خیرا منہ (ترجمان دارالعلوم اگست ۲۰۰۴ء)

۱۹

مولانا دوست محمد قریشی

مولانا دوست محمد قریشی بن مولانا علی محمد بن مولوی محمد عبداللہ قریشی، قصبہ رنخ کلاں، تحصیل راجنپور ضلع ڈیرہ غازیخان میں ۱۵؍محرم ۱۳۳۹ھ ۲۹؍ستمبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے، مولانا دوست محمد کے جد امجد مولوی محمد عبداللہ صوفی صافی بزرگ تھے اور سلسلۂ چشتیہ میں اصحاب تونسہ سے تعلق رکھتے تھے، مولانا کے والد ماجد مولانا علی محمد اپنے علاقے کے معروف خطیب وواعظ تھے، اسی طرح مولانا دوست محمد کے نانا مولانا امان اللہ عالم باعمل تھے۔

مذکورہ بالا خاندانی پس منظر میں مولانا دوست محمد نے تعلیم وتربیت حاصل کی، والد ماجد کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور مقامی اسکول میں داخل ہوئے، چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے کہ دینی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا، مولانا شیر محمد (ساکن محمد پور دیوان ضلع ڈیرہ غازیخان) سے فارسی درسیات اور قانونچہ شاہ جمال پڑھا، صرف کی دیگر کتابیں مولانا محمد عیسیٰ ڈیروی سے پڑھیں۔ علم نحو کے لیے مولانا غلام محمد (ساکن رنخ کلاں) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ابتدائی دینی تعلیم کے بعد مختلف اساتذہ سے اکتساب فیض کے لیے سفر کئے، بستی بوہڑ ضلع ڈیرہ غازیخاں میں مولانا محمد حیات، کوٹ مٹھن میں مولانا واحد بخش گمانی ضلع بھاولپور میں مولانا حبیب اللہ گمانوی اور وال بھچراں میں مولانا حسین علی اور مولانا غلام یٰسین سے استفادہ کیا، آخر میں ڈابھیل آئے اور ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء میں سند

فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہوکر مولانا دوست محمد وطن مالوف آئے اور مدرسہ ''انوار العلوم'' کی بنیاد رکھی، کچھ عرصہ بعد بنگلہ باڑہ نامی بستی میں چلے گئے، ''مدرسہ مفتاح العلوم'' بستی اللہ بخش علاقہ جتوئی میں تدریسی فرائض انجام دئے، اس کے بعد ''مدرسہ معارف القرآن خان گڑھ'' میں کام کیا۔

۱۹۵۰ء/ ۱۳۶۹ھ میں پہلی بار فریضۂ حج ادا کیا۔

حج سے واپسی پر احمد پور شرقیہ منتقل ہوگئے، اس زمانے میں سردار احمد خان پتافی کے جذبۂ اخلاص سے ''تنظیم اہل سنت'' قائم ہوچکی تھی، مولانا دوست محمد اس تنظیم میں شامل ہوگئے، ۱۹۶۴ء کے آخر میں ۱۳۸۴ھ احمد پور شرقیہ سے کوٹ ادّو منتقل ہوئے، ان کے عقیدت مندوں نے عظیم الشان نقشبندی مسجد تعمیر کی اور یہاں انہوں نے اپنی دلچسپی کے سامان پیدا کرلئے، ۱۳۸۹ھ/۷۰، ۱۹۶۹ء میں ''دار المبلّغین'' کے نام سے ادارہ قائم کیا جس میں علماء کی تربیت کا انتظام تھا۔

مولانا دوست محمد قریشی سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا عبد المالک نقشبندی سے بیعت تھے، موصوف اہل سنت و جماعت کے بلند پایہ مناظر، کامیاب واعظ اور شیخ طریقت تھے۔

۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ/ ۲۷/ مئی ۱۹۷۴ء کو بھکر ریلوے سٹیشن پر دورۂ قلب پڑا، ریلوے ہسپتال بھکّر میں منتقل کئے گئے، وہیں جان جانِ آفرین کے حوالے کی۔

تصانیف: مولانا دوست محمد قریشی کی حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

(۱) اہل سنت پاکٹ بک
(۲) منہاج التبلیغ
(۳) جلاء الافہام
(۴) جلاء الاذہان
(۵) رد المطاعن
(۶) عظمت الصحابہؓ
(۷) براہین اہل سنت

(۸) تعارف خلفائے راشدین
(۹) مصباح المقرّرین
(۱۰) مخزن التقاریر
(۱۱) کشف الحقیقت عن مسائل المعرفت والطریقت
(۱۲) التشریح علی التلویح (اردو)
(۱۳) وضاحت النحو

ان مستقل بالذات کتابوں کے علاوہ تنظیم اہل سنت کے آرگن ہفت روزہ ''دعوت'' (لاہور) میں ان کے کئی مضامین طبع ہوئے ہیں۔ نیز ''باب الاستفسارات'' کے عنوان سے سوالات کے جواب لکھتے تھے۔ (تذکرۂ علمائے پنجاب جلد اول)

۲۰

مولانا محمد سعید صاحب بزرگ سملکیؒ

ولادت اور تعلیم: آپ مولانا احمد بزرگ سملکی المتوفی ۱۳۷۱ھ (جامعہ ڈابھیل کے سابق مہتمم) کے فرزند ارجمند ہیں ۱۹۱۷ھ (۱۳۳۵ھ) کو سملک جوڈابھیل سے متصل ایک بستی ہے اس میں پیدا ہوئے، آپ نے جس خانوادہ میں آنکھیں کھولی وہ علم و فضل کا گہوارہ تھا اس لئے قدرتی طور پر دل و دماغ اور فکر و ذہن کی نشو ونما دینی ماحول میں ہوئی، ابتداء سے انتہاء تک تعلیم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حاصل کر کے ۱۳۵۹ھ (۱۹۴۰ء) میں فارغ التحصیل ہوئے۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کے اسماء حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبد الرحمٰن امروہویؒ
(۲) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
(۳) مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ
(۴) مولانا عبد القدیر کیملپوریؒ (جنکا تعارف گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے)
(۵) مولانا محمد ناظم ندویؒ

(٦) مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ (جامعہ کے پہلے فاضل)

خدمات دینیہ: فراغت کے بعد سملک کے دینی اسکول کے دینی شعبہ میں دس سال خدمت انجام دی جس کا ذکر آگے آرہا ہے، ١٩٦٠ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا عہدۂ اہتمام سنبھالا، اہتمام کی ذمہ داریاں قبول کرنے کے لئے کافی دباؤ ڈالا گیا، مجبوراً اپنے ہمدردوں اور خیر خواہوں کے مشورے کے بعد اہتمام قبول فرمالیا، اہتمام قبول کرنے سے پہلے آپسی اختلافات کی وجہ سے جامعہ کا نظم ونسق حکومت کے ہاتھوں میں جاچکا تھا جس سے جامعہ ہر اعتبار سے انحطاط کا شکار ہوچکا تھا، چونکہ آپ نے بہت اصرار کے بعد اہتمام قبول کیا تھا اس لئے ہمدردوں نے بھی پورا تعاون کیا، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی یہ بات پورے طور پر صادق ہوئی کہ ''تمہارے پیچھے ایک بڑی طاقت ہے''۔ بزرگوں کی توجہات، انکی نیم شبی دعاؤں اور ہمت افزائیوں نے بہت کام دیا، اس طرح جامعہ کی نشأۃ ثانیہ کی صورت قدرت کی طرف سے آپ کے دور اہتمام میں وجود میں آگئی۔ آپ نے اہتمام قبول کرنے کے بعد جامعہ میں ہر نوع کے اصلاحی اقدامات کئے، جن کی تفصیل کے لئے ''تاریخ جامعہ کا دور ثالث'' اور استاذ محترم مولانا فضل الرحمٰن کا مضمون احقر راقم الحروف کی کتاب ''نقوش بزرگاں'' جلد دوم کا مطالعہ فرمالیں، تاہم اشارۃً ملاحظہ ہو

(١) تنظیم مکاتب: مختلف دیہاتوں کے مکاتب کا جامعہ سے الحاق

(٢) رمضان المبارک میں اعتکاف کا سلسلہ

(٣) النادی العربی کا قیام

(٤) شعبۂ خط وکتابت وخوشخطی اور شعبۂ نشر واشاعت کا قیام

(٥) نصاب تعلیم میں مجلس شوری کے فیصلہ کے بموجب ترمیم

(٦) قرأت سبعہ کا افتتاح

(٧) دار الافتاء کورس کا افتتاح اور مفتی بنانے کا انتظام

(٨) ادارۂ معین المدرسین کا قیام جس کا مقصد مکاتب کے قلیل تنخواہ پانے والے اساتذہ کا مالی تعاون تھا

(٩) جامعہ کا مدینہ یونیورسٹی سے الحاق

(١٠) تعمیرات میں دار الاقامہ کی تعمیر: بدست حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی،

(١١) نئی مسجد کی تعمیر: جو ہر وارد وصادر کو دعوت نظارہ پیش کرتی ہے۔

(١٢) دار القرآن کی تعمیر: بدست حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ (شیخ الحدیث جامعہ ہذا)

(١٣) دار الاساتذہ کی تعمیر: بدست حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

(١٤) جدید دار الطلباء کی تعمیر: بدست شیخ محمد المجذوب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ۔

الحاصل آپ کا دور اہتمام تاریخ جامعہ کا ایک سنہری باب ہے بلکہ میں تو اسے ''دور سعیدی'' سے تعبیر کرتا ہوں۔

ملی، سماجی، دینی خدمات ایک نظر میں: ١٣٥٩ھ میں جامعہ ڈابھیل سے فارغ التحصیل ہوئے اس وقت آپ کے والد ماجد مولانا احمد بزرگ کا دور اہتمام چل رہا تھا آپ اگرچہ بڑی خاموش زندگی گذارنے والے انسان تھے ، آپ کا مسلک اپنے بزرگوں کے طرز عمل کے مطابق یہ تھا کہ ''کام کرو اور شور مت کرو''، تاہم متعدد دینی وملی اداروں سے آپ کا ذمہ دارانہ تعلق رہا، جس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

(١) سملک مسجد کی تولیت سنبھالی، سالہا سال اس کے متولی آپ ہی رہے۔

(٢) مولانا احمد بزرگؒ نے سملک میں اسکول قائم کرنے کی تحریک ١٣٦١ھ کے بعد یعنی جامعہ سے الگ ہونے کے بعد شروع کر رکھی تھی، آپ نے بھی والد صاحب کے معاون بن کر اسکول کے قیام میں بڑا حصہ لیا، تاریخ جامعہ میں مولانا محمد سعید صاحب کے متعلق لکھا ہے:

''١٩٤٧ء میں باعزیمت لوگوں کے تعاون سے سملک میں دنیوی تعلیم کے لیے اسکول قائم کیا'' (ص ٢٨٨)

اس کا یہی مطلب ہے، اس لیے کہ اسکول کی تحریک اور تعلیم ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں ١٩٤٧ء سے پہلے سے جاری تھی، یہ سن موجودہ تعمیر اسکول کا ہے نہ کہ اسکول کے قیام کا۔

(۳) سملک اسکول میں نری دنیوی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ ابتدائے قیام سے دینی تعلیم مدنظر رکھی گئی ہے خصوصاً بوقت تاسیس حضرت مدنی جیسی شخصیت کا منشا تھا کہ اس میں دینی تعلیم بھی جاری رکھی جائے، تو پھر دینی تعلیم کے نظر انداز کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آپ نے اسی اسکول کے دینی شعبہ میں دس سال تدریسی خدمات انجام دیں، تاریخ تقرر یکم جنوری ۱۹۵۰ء ہے اور الگ ہونے کی تاریخ فروری ۱۹۶۰ء ہے، تدریس میں اردو دینیات، کتب سیرت، قرآن شریف ناظرہ کی خدمت آپ کے ذمہ رہی، آپ کی پڑھائی کا طریقہ آپ کے ایک شاگرد مولانا مفتی یوسف بسم اللہ صاحب سابق استاد جامعہ ڈابھیل (مقیم حال برطانیہ) یوں بیان فرماتے ہیں:

میں نے بچپن میں سملک اسکول میں ان کے پاس دینیات پڑھی ہے، انھوں نے بہت محنت سے دینیات پڑھایا ہے، وضو، نماز وغیرہ کی عملی مشق کرا کر سکھلاتے تھے۔

(۴) آپ اپنے والد ماجد کی وجہ سے قوم کا اعتماد پہلے ہی سے حاصل کر چکے تھے، اسی صفت اعتماد وامانت کی وجہ سے آپ ہی کو سملک ایجوکیشن بورڈ کا خزانچی مقرر کیا گیا۔ خزانچی کا عہدہ یکم جولائی ۱۹۴۹ء کو سپرد کیا گیا، اور تادم حیات (۴۰) سال آپ نے خزانچی کے فرائض انجام دیئے۔

سملک اسکول کے صدر اور روح رواں ایک مدت تک رہے۔

(۵) سملک کی معروف مجلس خدام الدین، جس کے بانی آپکے برادر نسبتی مولانا عبد الحق میاں صاحب ہیں، اس مجلس میں بھی آپ کی گراں قدر خدمات ہیں۔ تاریخ جامعہ میں ہے۔

''مجلس خدام الدین سملک کی تاسیس میں بھی آپ کا اہم رول رہا ہے، آپ اس کے خزانچی بھی رہ چکے ہیں۔'' (ص ۲۸۸)

مجلس خدام الدین سملک گجرات کا ایک عظیم دینی وملی ادارہ ہے، اس کے قیام وارتقاء میں بڑے بڑے خدام دین کی دعائیں وتوجہات شامل حال رہیں، اس مجلس کے اغراض ومقاصد مختصراً یہ ہیں:

(۱) علماء، حفاظ، مدرسین وائمہ مساجد کی تنظیم

(۲) عام مسلمانوں میں مذہبی تعلیم کی اشاعت

(۳) عمومی اصلاح وتبلیغ دین

(۴) کتب دینیہ کی طباعت واشاعت

(۵) جملہ امور دینیہ کی حفاظت

(۶) مدارس ومکاتب کی تعلیمی تنظیم

(۷) مدرسین وائمہ مساجد کی مشکلات کو حتی الوسع دور کرنا۔ (تذکرہ فخر گجرات ص ۱۱۵)

۱۹۶۰ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا عہدہ اہتمام آپ کے سپرد کیا گیا، اس وقت آپ سملک اسکول میں خدمات انجام دے رہے تھے، اہتمام قبول کیا جس کی وجہ سے سملک اسکول کی تدریسی خدمات ترک کر دینی پڑیں۔ اس وقت سملک اسکول کے اساتذہ وطلبہ نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا وہ حسب ذیل ہے (اصل تحریر گجراتی زبان میں ہے اس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے)

سپاس نامہ از اساتذہ وطلبہ سملک اسکول

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز ::: یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

مبارکباد

محترم جناب حضرت مولانا محمد سعید احمد بزرگ صاحب!

بعد از سلام مسنون! ہم سملک ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ کے اساتذہ، طلبہ، اور طالبات آپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے دلی شادمانی اور قلبی اطمینان وسکون محسوس کر رہے ہیں۔ حق تعالی سبحانہ کی رحیم و کریم ذات نے آپ جیسے مخلص قومی وملی خدمت گذار اور داعی حق کے استقبال اور خیر مقدم کا جو مبارک اور باسعادت موقع ہمیں عنایت فرمایا ہے اس کے لیے جس قدر بھی اس کی حمد وثناء بیان کریں کم ہے۔

اس تقریب سعید کے موقع پر ہم سب سے پہلے آنجناب کی خدمت میں مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک کے عہدہ اہتمام پر فائز ہونے پر بصمیم قلب ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہیں۔

قوم کا ہر باشعور فرد بلاتردد اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ منصب اہتمام جیسے اہم اور ذمہ دارانہ مقام کے لیے نہایت موزوں اور قابل شخصیت کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ آنجناب موصوف کو قوم کی خدمت کا جذبہ بنیادی تربیت ہی میں بطور میراث کے عطا ہوا ہے آپ کے والد محترم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمات سے قوم ہرگز ناواقف نہیں، مدرسے (اسکول) کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے حضرت مولانا مرحوم نے جوانتھک کوششیں اور مجاہدانہ کاوشیں کی ہیں اور جو قربانیاں پیش کی ہیں اس کا بدلہ ہم ہرگز نہیں چکا سکتے۔

آج آنجناب نے بھی حضرت نوراللہ مرقدہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری قبول فرمائی، اور مدرسہ کو تنزلی اور انحطاط کے خطرے سے محفوظ فرما کر قوم کے اوپر ایک ناقابل فراموش احسان کیا ہے۔ اور قبل اس کے کہ خزاں کے ظالم پنجے اس گلشن علمی کی طرف بڑھیں اور اسے ویرانی و بربادی کے خوفناک شکنجے میں جکڑلیں آپ نے آگے بڑھ کر اس کی باگ ڈور اپنے مبارک ہاتھوں میں تھام لی اور روٹھتی بہار کو منانے میں جٹ گئے۔ آپ کا یہ عمل ہر علم دوست کے لیے باعث صد آفریں اور فرحت و مسرت کا سامان ہے۔ ہمیں پورا یقین اور اعتماد ہے کہ آپ، اللہ تعالی اور نبی عربی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے مبارک اور پاکیزہ نام کو اور آپ کی تعلیمات کو ہمیشہ قائم و دائم رکھنے کی سعی فرماتے رہیں گے۔

آپ کی خدمات صرف مدرسہ ہی تک منحصر نہیں ہے بلکہ قوم وملت کے تمام شعبوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، آپ نے مدرسہ (اسکول) کی ترقی کے لیے جو مجاہدات فرمائے اور مدرسہ کی بقاء کیلیے جو جو زحمتیں گوارا فرمائیں یقیناً لائق صد تعریف اور قابل تقلید ہیں۔ جس بستی میں بچوں کی تعلیم (گجراتی) صرف چار درجات میں منحصر تھی، وہاں آج صرف طلبہ ہی نہیں بلکہ طالبات بھی ۹/ درجات تک کی تعلیم حاصل کر کے اپنے مستقبل کو کامیاب اور روشن بنانے میں دل جمعی کے ساتھ مصروف ہیں۔ بلامبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ساری چیزیں آپ ہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، ذات پات کی تفریق کے بغیر ۱۲/ سال سے کسی بھی طالب علم سے پیسہ لیے بغیر یہ مدرسہ ایسے سخت حالات میں بھی چل رہا ہے۔

یہ آپ کے حسن تدبیر اور حسن انتظام کا نتیجہ ہے، جمیعۃ علمائے ھند میں بھی آپ کی خدمات بے مثال ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی یہ عظیم اور مخلصانہ قربانیاں لوگوں کے قلوب میں ہمیشہ رچی بسی رہیں گی، اور ان کو سدا گرماتی رہیں گی۔

اخیر میں ہم بارگاہ خداوندی میں دعاء گو ہیں باری تعالی آنجناب کو ہمیشہ بعافیت رکھے آپ کا سایہ تا دیر باقی رکھے، نیز دین و مذہب اور قوم وملت کی خدمات کے لیے مزید قوت و حوصلہ بخشے، اور آپ کی خدمات کو قبول فرما کر دارین میں اجر عظیم کا مستحق بنائے آمین۔ فقط۔

جمیع اساتذہ طلبہ وطالبات
دی سملک مسلم ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ
۲۸/۲/۱۹۶۰ عیسوی

(۶) جمیعۃ العلماء ہند صوبہ گجرات کے نائب صدر رہے، ۱۹۴۷ء کے بعد جمیعۃ العلماء ہند کی تمام اہم کانفرنسوں میں آپ نے شرکت کی، بمبئی، دہلی، اندور، سورت اور گوہاٹی کی کانفرنسوں میں آپ نے شرکت کی ہے۔

(۷) مرکزی جمیعۃ ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔

(۸) انجمن اصلاح المسلمین صوبہ گجرات کے صدر رہے۔

اصلاح المسلمین بڑودہ گجرات کا ایک اجمالی تعارف

اصلاح المسلمین کے قیام کا پس منظر: جس وقت محمود بیگڑہ گجرات کا حکمراں تھا، اس نے دو قلعے جونا گڈھ اور پاوا گڑھ فتح کر کے وہاں بھی دینی فضاء پیدا کی اور لوگ اکثریت سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، لیکن ابھی ان کی تربیت کی طرف اس کی توجہ منعطف نہ ہونے پائی تھی کہ اس کا وقت آخر آپہونچا، جس کی وجہ سے ان کی زندگی اسلامی اور غیر اسلامی اقدار دونوں میں مشترک رہی، ادھر جاہل پیروں نے وہ گل کھلائے کہ انھیں جاہل اور ناکارہ بنا کر رکھ دیا، شادی بیاہ وغیرہ میں پیر اور پنڈت دونوں بلائے جاتے، جب پیر صاحب نکاح پڑھا کر فارغ ہو جاتے تو پنڈت پھیرا کراتا، اس

طراح اسلامی اور غیر اسلامی رسومات ان کی زندگی میں قدر مشترک رہیں۔

فتنۂ ارتداد کا لقمہ تر.... مولائے اسلام گراسیہ قوم: صوبہ گجرات انڈیا میں الگ الگ قومیں آباد ہیں جس میں ایک قوم مولائے اسلام گراسیہ کے نام سے پہچانی جاتی ہے جس کی آبادی پورے گجرات میں تقریباً دو لاکھ لیکن ان کی اکثر آبادی بڑودہ اور کھیڑا ضلع میں ہے، اصل میں یہ لوگ راجپوت تھے لیکن تقریباً پانچ سو سال پہلے ان کے آباء واجداد نے دین اسلام قبول کرلیا تھا اور یہ لوگ مسلمان ہوگئے تھے، بدقسمتی سے ان لوگوں میں دینی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ ہوسکا جس کی بناء پر یہ لوگ اپنے پرانے رسم ورواج پر چلتے رہے ایک طرف عید کا تہوار بھی مناتے اور دوسری طرف دیوالی کا تہوار بھی مناتے تھے، ان کا لباس رہن سہن وضع قطع اور سماجی زندگی قدیم ہندو تہذیب کے مطابق رہی، مختصر یہ کہ یہ لوگ صرف برائے نام مسلمان تھے۔

آریہ سماج اور شدھی تحریک کا ارتدادی سیلاب: مذکورہ بالا حالات میں فرقہ پرست طاقتوں اور آریہ سماج سوسائٹیوں کو جب بھی موقع ملتا وہ لوگ ان مسلمانوں کو ورغلانے کی کوشش کرتے، ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۶ء کے دوران ان مسلمانوں کو آریہ سماج اور دوسری سوسائٹیوں نے مرتد بنانے کی کوشش کی تھی لیکن علماء کرام کی فوری توجہ اور بروقت روک تھام اور انسدادی جدوجہد سے ان کی یہ کوششیں ناکام رہیں، اور یہ فتنہ ارتداد دب گیا۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد فرقہ پرست طاقتوں کو پھر ابھرنے کا موقعہ ملا چنانچہ آریہ سماج سوسائٹیوں اور فرقہ پرست طاقتوں نے بہت ہی زور وشور سے یہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ مولائے اسلام گراسیہ قوم کے لوگ دراصل راجپوت ہندو ہیں اور مسلمان بادشاہوں نے انہیں بزور طاقت و تلوار مسلمان بنایا تھا، اس لئے اب انھیں اپنے اصل مذہب میں واپس آجانا چاہیئے،

شدھی سمیلن ... تبدیلئ مذہب کا خفیہ اجتماع: اس لئے انھوں نے خفیہ اور منصوبہ بند انداز میں کھیڑہ ضلع میں کھڈال نامی گاؤں میں ایک اجتماع طے کیا، اور چپکے سے گراسیہ قوم کے ذمہ دار بڑے لوگوں اور قبیلوں کو ورغلانا اور برانگیختہ کرنا شروع کیا کہ یہ لوگ اس اجتماع میں از خود اپنے ہندو

مذہب اختیار کرلینے کا اعلان کریں۔

ان لوگوں کے اس اجتماع کے علاوہ کھیڑہ ضلع اور بڑودہ ضلع کے متعدد مقامات پر اسی طرح کے اور اجتماعات منعقد رکھنے کا بھی مخفی پروگرام تھا، کھڈال میں اجتماع منعقد ہونے میں ابھی چار پانچ روز باقی تھے، اسی عرصہ میں آریہ سماجیوں نے یہ اعلان کیا کہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر شدھی سمیلن (تبدیلی مذہب کا اجتماع) منعقد ہوگا۔

اور آریہ سماجی ناکام ہوگئے: اس اعلان کی خبر سنتے ہی حضرت مولانا مفتی سید شمس الدین صاحبؒ اپنے رفقاء کار دیگر علماء کرام اور خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کو اس فتنہ سے مطلع کر کے گجرات کے متعدد علماء کرام اور ذمہ داران کے تعاون سے فوری طور پر اس فتنہ اور شر انگیز اجتماع کے سد باب کی ہر ممکن کوشش کی، اور آریہ سماجیوں کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔

اصلاح المسلمین کا قیام: چنانچہ اسی ضرورت واحساس کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی شمس الدین بڑودویؒ نے ۱۲ مارچ ۱۹۵۳ء کو اہل فکر ونظر اصحاب بصیرت مسلمانان گجرات کی ایک میٹنگ بلائی اور تمام حالات بیان کئے اور کفار کے مزید عزائم کا ذکر کیا، اور باتفاق رائے اصلاح المسلمین نامی ادارے کی بنیاد ڈالی اور حضرت مولانا عبدالرحیم صادق صاحب راندیری کو صدر اور حضرت مولانا شمس الدین صاحب بڑودوی کو ناظم متفقہ طور پر منتخب کیا گیا۔ ادارے کے قیام سے کام بڑی تیزی کے ساتھ شروع ہوا۔

حضرت مولانا شمس الدین صاحبؒ اور آپ کے ساتھیوں نے اس سلسلہ میں بڑے مجاھدے کئے، اور مولائے اسلام گراسیہ کے علاوہ ایک اور قوم جو ''اوڈ'' نام سے جانی جاتی ہے، کو اپنی محنتوں کا مرکز بنایا اور اس قوم کو بھی ارتداد کے عمیق غار میں گرنے سے بچایا، اور جب سمندر کی موجوں کی طرح اٹھنے والے فتنہ ارتداد کا سیلاب موقوف ہوگیا تب اصلاح المسلین نے اپنا کام شروع کیا، وہ چھوٹے چھوٹے گاؤں جہاں پہونچنے کیلئے سواریوں تک کا انتظام اس وقت نہ تھا جہاں نہ مسجدیں تھیں اور نہ کوئی مکتب مدرسہ اور نہ ہی دینی تعلیم کا کوئی انتظام تھا، کسی کسی جگہ پر اگر مسجدیں تھیں تو ویران

اور خستہ حال تھیں۔

دیہاتوں میں مکاتب ومدارس کا قیام: اپریل ومئی ۱۹۵۳ء سے اصلاح المسلمین نے اس قسم کے دیہاتوں میں مکاتب ومدارس قائم کرنا شروع کئے، جہاں اس ادارے کی طرف سے تنخواہ دار اساتذہ کے ذریعہ ان دیہاتوں کے مسلمان بچوں میں دینی تعلیم کا انتظام کیا، نمازیں درست کرنے اور روزمرہ کی ضروریات دین کی تعلیم کیلئے شبینہ مکاتب ومساجد کی تعمیر کا بیڑہ اٹھایا، اس کے علاوہ اصلاح المسلمین کی طرف سے دوتین مبلغ حضرات کو مستقل طور پر رکھا گیا، جوان بستیوں میں وقتاً فوقتاً پہونچتے رہے اور وعظ ونصیحت کرتے رہے، نیز ان علاقوں کے حالات سے ذمہ داروں کو مطلع بھی کرتے رہے۔

فروری ۱۹۵۹ء میں اصلاح المسلمین کے بانی ناظم اعلیٰ اور روح رواں حضرت مولانا مفتی سید شمس الدین بڑودوی صاحب کی وفات بھی ایسے ہی سفر کے دوران اللہ کے راستے میں ہوئی۔

حضرت مولانا شمس الدین صاحبؒ کے انتقال پرملال کے بعد محترم مولانا عبدالرحیم بورسدی صاحب نے اصلاح المسلمین کے ناظم اعلیٰ کی ذمہ دار سنبھالی،

۱۹۶۸ء میں اصلاح المسلمین کے پہلے صدر محترم مولانا عبدالرحیم صادق صاحبؒ کی وفات کے بعد محترم حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل صدر بنائے گئے، جو زندگی کے آخری دم تک صدر رہے، اور انجمن آپ کی خدمات وتوجہات سے فائدہ اٹھاتی رہی۔

(ماخوذ از سوانح مولانا سید شمس الدین بڑودویؒ ...... مع الحذف والاضافہ از ص ۹۱ تا ۱۰۴)

مولانا محمد سعید بزرگؒ اس انجمن کے تادم آخر یعنی ۱۹۶۸ء سے ۱۹۹۰ء تک صدر رہے۔

(۱۱) دینی تعلیمی بورڈ ضلع سورت وبلساڑ کے صدر رہے۔

(۱۲) امارت شرعیہ گجرات کے صیغہ بیت المال کے صدر رہے۔

(۱۳) آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن رہے۔

(۱۴) جامعہ حقانیہ کٹھور کے سرپرست رہے۔

(۱۵) ۱۹۸۰ء المعهد العالی للدراسات العلیا اعظم گڑھ کی مجلس انتظامی کے رکن رہے۔

شورائے دارالعلوم کی رکنیت اور جذبۂ ہمدردی: (۱۶) دارالعلوم دیوبند سے آپ کا طالب علمانہ تعلق نہیں رہا ہے، مگر آپ اپنے کو دارالعلوم ہی کا ایک فرد سمجھ کر دارالعلوم کی خیرخواہی داخلی وبیرونی مسائل کے حل میں حصہ لیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۵۳ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ایماء پر دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن آپ ہی کو منتخب کیا گیا، اور زندگی بھر اس کی رکنیت کا شرف حاصل رہا، مجلس شوری میں آپ کا انتخاب ہونے کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۲۸/ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ کو مولانا عبدالصمد صاحب وانکانیریؒ (حضرت شیخ الاسلام کے مجاز ومیزبان خصوصی ومجاز) کے نام رکنیت شوری کی اطلاع پر مشتمل مکتوب گرامی تحریر فرمایا۔

مکتوب گرامی حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب

(۲۸۷) حضرت المحترم زید مجدکم السامی

سلام مسنون!

جناب کا والا نامہ در بارہ تحریک رکنیت مجلس شوری دارالعلوم دیوبند برائے مولانا محمد سعید صاحب ابن حضرت مولانا احمد بزرگ صاحبؒ صادر ہوا، احقر نے یہ والا نامہ مع دوسرے والا ناموں کے جواسی مضمون پر مشتمل موصول ہوئے تھے، مجلس شوری میں پیش کیا مجلس شوری نے بخوش دلی آپ حضرات کی تحریک کو قبول کرتے ہوئے جناب مولانا محمد سعید صاحب کو مجلس شوری کا رکن منتخب کرلیا ہے مولانا ممدوح کو اس کی اطلاع دی گئی ہے، امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۲۸/۱/۷۳

مولانا کا اصول تھا کہ جس ذمہ داری کو قبول فرماتے تھے اس کو حتی الوسع نبھانے کی مکمل سعی فرماتے۔ آپ رکنیت کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے بڑی پابندی کے ساتھ شوری کی تمام مجلسوں

میں شریک ہوتے رہے اور ہر طرح کی ذہنی و عملی توانائی سے دار العلوم کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے رہے، شوریٰ میں آپ کی رائے کی اہمیت اور طرز عمل کے متعلق حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

راقم الحروف دار العلوم کی شوریٰ میں حاضری کے بعد جن ممبران کی گفتگو اور طرز عمل سے متأثر ہوا، ان میں حضرت مولانا سعید بزرگ مرحوم کی شخصیت بھی شامل ہے موصوف پیش آمدہ مسائل میں اخلاص اور دیانت کی مدد اور خداداد ذکاوت و ذہانت کی روشنی میں جو رائے قائم فرماتے تھے، اس کو بڑے مہذب اور شائستہ انداز میں پیش فرماتے تھے اور مجلس شوریٰ میں انکی رائے کو اہمیت اور احترام کے ساتھ قبول کیا جاتا تھا۔ (نقوش بزرگاں ۵۹/۲)

۱۹۸۰ء میں دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر آپ نے از خود چندہ کی فراہمی کی پیش کش کی تھی، حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

''اجلاس صد سالہ کے موقع پر مولانا محمد سعید بزرگ (مہتمم مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل) نے حضرت مہتمم صاحب (قاری محمد طیب صاحبؒ) کو خط لکھا کہ اگر آپ اجازت دیں افریقہ سے اجلاس صد سالہ کے لیے میں چندہ کر کے لاؤں لیکن شرط یہ ہے کہ مولانا اسعد صاحب (مدنی) کو میرے ساتھ کر دیں۔ تو مہتمم صاحب نے جواب لکھا تھا کہ میں کیسے اپنے اختیار سے اجازت دے دوں؟ مجلس شوری میں رکھ کر ان سے پوچھ کر جواب دوں گا، آخر جواب نہ دیا، بلکہ خود تشریف لے گئے الخ (ملفوظات فقیہ الامت ۶/ ۱۲۷)

مقصود ملفوظ بالا کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ چندہ جیسی بھاری ذمہ داری آپ صرف اور صرف دار العلوم کی خیر خواہی میں اپنے سر لے رہے ہیں، گو اس کی نوبت نہ آئی، مگر انشاء اللہ اس کا ثواب آپ کے نامہ اعمال میں ضرور لکھا گیا ہوگا۔

دار العلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے اہم موقع پر قوم کے نام ایک مختصر پیغام مندرجہ ذیل الفاظ میں ارسال فرمایا تھا۔

اجلاس صد سالہ کے موقعہ پر قوم کے نام ایک پیغام: دار العلوم دیوبند ہم سب کی عظمت کا نشان ہے، وہ ملت اسلامیہ کے لیے مینارہ نور ہے وہ ہمارا تاریخی ہی نہیں بلکہ مذہبی و ملی اثاثہ ہے۔ وہ ہندوستان میں اسلام کا ایک آہنی قلعہ ہے۔

امت اسلامیہ کا مشترکہ فریضہ ہے کہ وہ وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس دینی قلعہ کی حفاظت کے لیے کسی طرح کی بھی قربانی دینے سے گریز نہ کریں۔

(۱۷) صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے آپ کو دو مرتبہ آل انڈیا حج کمیٹی کا رکن نامزد کیا گیا۔

علالت کا اشتداد اور وفات حسرت آیات: وفات سے چند سال قبل پیر میں سڑان کی وجہ سے ایک پیر کاٹا گیا تھا۔ معذور ہونے کے باوجود بذریعہ کار روزانہ پابندی سے مدرسہ میں حاضری دیتے تھے، اس کے بعد گردہ کا مرض لاحق ہو گیا تھا، اسی مرض میں طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو ۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۱/ جولائی ۱۹۹۰ء کو سورت کے مشہور اسپتال ڈومسیا لے جایا گیا۔

میں ہوں مریض عشق نہ ہوگی مجھے شفا::: لے جا کے کیا کروگے مسیحا کے سامنے

پندرہ روز زیر علاج رہے، مدارس کے ذمہ دار، طلبہ اور عوام میں مرحوم کی شخصیت جانی پہچانی تھی، جوق در جوق لوگ عیادت کیلئے حاضر ہوتے رہے۔ احقر بھی اپنے چند رفقاء کی معیت میں حاضر ہوا، اس وقت شدت مرض کی وجہ سے گفتگو کرنے کی سکت نہیں تھی۔ مگر ایک نظر سے ہم لوگوں کو دیکھا اور ہاتھ سے اشارہ کیا، مرحوم کی یہ آخری نظر عنایت تھی۔ علاج کے باوجود مرض میں افاقہ کے بجائے اضافہ ہی ہوتا رہا۔

مریض عشق پر رحمت خدا کی::: مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

''مدرسہ آیا کہ نہیں؟'' دم واپسیں کے وقت مولانا مرحوم کا سوال: ۲/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۵/ جولائی ۱۹۹۰ء کو اسپتال سے گھر لایا گیا۔ تو سورت سے آتے ہوئے اپنے خون جگر سے سینچے ہوئے گلشن کے بارے میں بار بار معلوم کرتے رہے کہ ''مدرسہ آیا کہ نہیں؟'' اندازہ لگائیے اس خادم قوم کو جامعہ سے کس قدر انس اور قلبی لگاؤ ہوگا؟ ظاہر ہے جس گلشن کو اپنے خون وجگر سے آباد

کیا تھا۔ مختلف خطوں، علاقوں وملکوں کے باشندوں سے جس کے گلدستہ کو تیار کیا تھا، اس کے درو دیوار سے محبت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ پھر ایک نظر سے اسے دیکھنے کی تمنا ہے۔

٦/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۹/ جولائی ۱۹۹۰ء اتوار کے دن دوپہر کو ایک بجے پون صدی پچہتر سالہ خادم دین ایسا محوخواب ہوا کہ صبح قیامت ہی اس بندے کو بیدار کریگی۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فی جنۃا لفردوس۔ آمین،

۲۱ مولانا لطف اللہ صاحب جالندھریؒ

اختر راہی اپنی کتاب ''تذکرۂ علمائے پنجاب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

قاری لطف اللہ بن مفتی فقیر اللہ جنوری ۱۹۲۱ء/ ۱۳۳۸ھ میں رائے پور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے، وہ ایک معروف دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، اُن کے والد ماجد مفتی فقیر اللہ مدرسہ رشیدیہ رائے پور میں صدر المدرسین کے منصب پر فائز تھے، خاندان کے اکثر مرد ہی نہیں خواتین بھی قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابتدائی درسی کتب اپنے والد ماجد اور مولانا عبدالعزیز رائے پوری سے پڑھیں، متوسطات مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں مولانا خیر محمد جالندھری کی نگرانی میں پڑھیں، یہاں سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور گئے اور ایک سال مولانا عبداللطیف، مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری اور مولانا اسعد اللہ سے استفادہ کیا، یہاں سے دارالعلوم گئے، دیوبند میں مولانا دوست محمد قریشی ان کے ہم سبق تھے، مولانا شبیر احمد عثمانی دارالعلوم کی اندرونی کشمکش کے باعث اپنے ساتھیوں سمیت دارالعلوم دیوبند سے قطع تعلق کر کے ڈابھیل چلے گئے، قاری لطف اللہ صاحب بھی ڈابھیل گئے، مولانا عثمانی کے علاوہ مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد یوسف بنوری کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔

۱۳۵۹ھ میں فارغ التحصیل ہوئے تو ایک سال مدرسہ رائے پور میں ابتدائی کتابیں پڑھائیں بعد میں مدرسہ خیر المدارس جالندھر سے بطور مبلغ وابستہ ہو گئے، بستی غزاں جالندھر میں خطبہ

جمعہ دیتے تھے، کچھ عرصہ بعد جالندھر سے ریاست کپورتھلہ کے تاریخی قصبہ سلطانپور لودھی منتقل ہو گئے اور انجمن تعلیم القرآن کے زیر اہتمام تبلیغ و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، انجمن تعلیم القرآن کا قائم کردہ مدرسہ ریاست کپورتھلہ میں مثالی درسگاہ تھی، انجمن کے کارکنوں میں محمد صدیق مستری مرحوم چودھری فتح محمد خان اور چودھری فضل محمد وکیل کے نام بہت نمایاں تھے۔

سلطانپور لودھی سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (م ۱۳۷۶ھ) کے ایماء پر لدھیانہ منتقل ہو گئے، مولانا لدھیانوی کے زیر اثر سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور مجلس احرارِ اسلام کے ساتھ تعاون کرنے لگے، لدھیانہ کے بعد فیروز پور چھاؤنی اور منڈی یزمان ضلع بھاولپور میں بھی فرائض خطابت انجام دئے۔

پاکستان قائم ہوا تو چک ۱۹۵ صادق آباد میں قیام تھا، یہاں سے اپنے والد محترم کے ہمراہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی (بھاول نگر) منتقل ہو گئے، جب ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء میں مدرسہ رشیدیہ رائے پور کی تجدید ساہیوال میں ہوئی تو اس کی ترقی میں قاری لطف اللہ نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، اس زمانے میں خود عارف والا میں مقیم تھے یہاں سے کمالیہ منتقل ہوئے اور ''مدرسہ نعمانیہ'' کی بنیاد رکھی، اس مدرسہ کی ترقی کے لیے کوشاں تھے مگر عمر نے وفا نہ کی، ۳۰/ اکتوبر ۱۹۵۶ء/ ۲۷/ صفر ۱۳۷۶ھ کو پورے والا سے وہاڑی جاتے ہوئے لاری کے حادثے میں جل کر شہید ہوئے، میت ساہیوال لائی گئی اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں، مولانا غلام دستگیر نامی مرحوم نے قطعۂ تاریخ وفات کہا۔

ہوئے ہیں فوت اس دنیائے فانی سے وہ لطف اللہ
کہ ردِّ رفض و بدعت میں تھی تقریر انتخاب ان کی
جو سوچا نامی حامد نے، ہاتف سے ندا آئی
شہید سوختہ تاریخ کہدو بے حجاب ان کی

قاری لطف اللہ مرحوم تنظیم اہل سنت پاکستان کے راہنماؤں میں سے تھے، ان کی رحلت سے تنظیم کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا، مرحوم نڈر بے باک اور حق گو مقرر تھے۔

ان کی تقاریر اکثر حکومتِ وقت کو ناگوار گذرتیں نظر بند یا زبان بند کر دیا جاتا تھا، ایک مقدمہ کے سلسلے ہی میں وہاڑی جا رہے تھے کہ پیغام اجل آ گیا۔ (تذکرۂ علمائے پنجاب جلد دوم)

۲۲ سید مولانا عبدالرزاق نظیر صاحبؒ

نام ونسب: آپ کا نام سید عبدالرزاق نظیر والد کا نام سید اسمٰعیل دادا کا نام سید بدرالدین ہے۔ آپ کا نسب اس طرح ہے سید عبدالرزاق بن سید اسمٰعیل بن سید بدرالدین بن سید زین بن سید عمر بن سید حسین بن سید عمر بن سید زین بن سید ابوبکر بن سید عبدالرحمٰن بن سید حبیب علی بن سید محمد بن سید علی بن سید عمر بن سید محمد نظیر جداعلی آل نظیر .... بن حسینؓ بن علیؓ۔

آپ کا نسب ۳۳ واسطوں سے سیدنا حسینؓ سے جا ملتا ہے۔

مولانا کے والد کے پردادا یعنی سیدزادگان میندری کے جدامجد سید عمر نظیرؒ ابھی شکم مادر میں تھے کہ ان کے والد ماجد راہی ملک عدم ہوئے آپ جنجیرہ میں پیدا ہوئے وہیں نشو ونما پائی، علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کر کے اپنے جد بزرگوار صالح روزگار سید حبیب علی نظیر کا انعام یافتہ موضع میندری میں آکر بود و باش اختیار کی اور قریب ۱۰۰ رسال کی عمر میں ۲ رمحرم الحرام ۱۲۴۹ھ ۱۸۳۳ء میں وفات ہوئی۔ آپ ہی کی اولاد سے یہ بستی آباد ہے۔

پیدائش وتعلیم: مولانا سید عبدالرزاق صاحب نظیرؒ اسی قریہ میں ۲۱ ررمضان المبارک ۱۳۳۴ھ ۲۶ رجولائی ۱۹۱۶ء میں بروز جمعہ پیدا ہوئے، یہیں پرورش پائی ابتدائی دینی وعصری تعلیم کے لئے گاؤں کے پرائمری اسکول میں داخل ہوئے۔ ناظرہ قرآن اور دینیات کے ساتھ حساب، جغرافیہ اور تاریخ بھی پڑھی۔ یہاں کا کورس پورا کر کے مدرسہ محمدیہ بمبئی پہنچے اور فارسی پڑھنی شروع کی، چونکہ آپ فطرۃً ذہین تھے اور فارسی دانی وفارسی گوئی کا ذوق بھی تھا آپ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے ذاتی محنت اور باصلاحیت طلبہ کی صحبت اور ماحول نے اثر کیا اور فارسی لکھنے اور بولنے پر قادر ہو گئے اس وقت باہم شعر گوئی کا مظاہرہ بھی ہوتا تھا بعض مرتبہ فارسی شعر میں عربی کا ایسا حسین امتزاج ہوتا کہ بادی النظر میں معنی ہنگامہ فساد سے دوچار نظر آتا مگر سادات فا کے عقب میں محفوظ ہوتے تھے۔ ذیل کا شعر اسی کا نمونہ ہے

ہر کجا جمع شوند سادات :::: فسادات فسادات

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل: تشنگیٔ علم نے آپ کو عروس البلاد بمبئی سے کھینچ کر سرزمین گجرات کے معروف ومشہور دینی مشرب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پہونچا دیا جہاں روز نابغۂ روزگار امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے فیض یافتگان کے علم کا آبشار جاری تھا۔ چنانچہ شوال ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء میں درجۂ عربی میں داخل ہوئے اور ہمہ تن تحصیل علم میں منہمک ہو گئے اور آٹھ سال کے طویل عرصہ میں آسمان علم کے تابندہ آفتاب وماہتاب سے نور علم کا استفاضہ کیا۔ شعبان ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء میں ۲۵ رسال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے اور سند فضیلت کے دستار فضیلت لیکر اپنے وطن مألوف واپس ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالی نے آپ کو علم منقول ومعقول سے آراستہ کر کے اہل کوکن کے لئے ایک صاحب دل فرزانہ پیدا کر دیا۔

اساتذۂ کرام: وہ اساطین علم جن سے آپ نے کسب فیض کیا قابل ذکر ان میں مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا یوسف بنوریؒ ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن امروہوی (جن سے مولانا مرحوم نے بخاری پڑھی ہے) مجاہد آزادی بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتویؒ کے آخری تلامذہ میں تھے اور مرشد العلماء حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مجاز تھے، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حافظ العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ فقہ وحدیث وتفسیر میں درک حاصل تھا۔ آخر الذکر مولانا یوسف بنوریؒ بھی رشک سلف مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے مخصوص شاگردوں میں تھے بلکہ جانشین تھے یہ ہے جبال علم وعمل جن کے سنگیریزوں کو مولانا مرحوم نے جمع کر کے ریگزار کوکن میں بکھیرا۔

وعظ واصلاح: اب اہل وطن کو وعظ وتقریر کے ذریعے دین کی طرف دعوت دینی شروع کی۔ اسی درمیان ۱۹۴۳ء میں خاندان ہی کی ایک سیدہ سے آپ کی شادی ہوئی اس سے آپ کو چھ لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ وعظ واصلاح کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ انجمن اسلام ہائی اسکول (قائم کردہ سدی احمد خاں والی ریاست) جنجیرہ مروڈ نے آپ کی خدمت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھا چنانچہ

انجمن اسلام مروڈ کا مشفق استاذ: ۱۹۴۴ء میں دینیات کے صدر مدرس کی حیثیت سے آپ

مروڈ تشریف لے گئے اور باعزت وباوقار باعمل وباوفا مشفق استاذ نے صدہا طالبان دین کو علم سے آراستہ کیا اور تشنگان ہدایت کو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے سیراب کیا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ورود مسعود اور آپ کا اصلاحی تعلق: ابھی مولانا عہدۂ تدریس پر فائز تھے کہ وہ دن سرزمین کوکن کے لئے باعث فخر وبرکت تھا جب مسجد نبوی کا باوقار معلم، عاشق رسول، سراپا صدق وصفا، پیکر اخلاص ووفا، مجاہد ملک وملت، بقیۃ السلف، وعمدۃ الخلف، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ورود مسعود ہوا یعنی ۱۹۵۵ء میں انجمن اسلام ہائی اسکول مروڈ کی طرف سے ربیع الاول کے بابرکت موسم بہار کے موقع پر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کو وعظ وتذکیر کے لئے مدعو کیا گیا چنانچہ آپ چند رفقاء کے ہمراہ بمبئی سے بذریعۂ جہاز مروڈ تشریف لائے، بیان کے بعد خصوصی مجلس میں میندری کا ذکر آیا کہ وہ سادات کی بستی ہے تو مولانا مدنیؒ کے دل میں اس کی زیارت کا عزم پیدا ہو گیا اور وہاں سے میندری تشریف لائے۔ سادات کرام سے ملاقات ہوئی اور پند وارشاد کے بعد خوش قسمت لوگوں نے آپ سے شرف بیعت حاصل کیا ان ہی میں مولانا مرحوم سید عبدالرزاق صاحب نظیرؒ بھی ہیں۔ آپ نے اصلاح باطن کے لئے اپنی ذات کو ایک ایسی برگزیدہ ہستی ولی کامل صفت کے حوالہ فرمایا جس کی روحانیت کا اثر نہ صرف انسان بلکہ نباتات وجمادات پر بھی رہتا تھا۔

مولانا سید شوکت علی صاحب نظیرؒ دام ظلہ خطیب وامام جامع مسجد بمبئی نے بیان فرمایا کہ

"جب وہ دارالعلوم میں پڑھتے تھے ایک مرتبہ رمضان کی تعطیل کے بعد جب دارالعلوم جانے لگے تو تحفہ ایک خاص قسم کا پھول بھرا بوتل میں جو خوبصورتی کے لئے گھروں میں رکھتے ہیں لے گئے فرماتے ہیں کہ جب تک مولانا مدنی باحیات رہے وہ پھول شگفتہ رہا اور جس رات آپ کا انتقال ہوا وہ پھول یکسر سیاہ ہو گیا"۔

انجمن اسلام سے علیحدگی: درس وتدریس تعلیم وتبلیغ کے چودہ سالہ طویل عرصہ میں نہ جانے کتنے بندگان خدا نور علم سے فیض یاب ہوئے اور چپہ چپہ گوشہ گوشہ میں پھیل کر دینی یا دنیوی خدمت میں مشغول ہو نگے کہ یکم محرم الحرام ۱۳۷۸ھ ۱۹/ جولائی ۱۹۵۸ء میں اسلامیہ بورڈنگ سے مستعفی ہو گئے۔

ماہمی درگاہ مسجد کی امامت: مروڈ سے علیحدگی کے بعد چند سال ماہم کی درگاہ مسجد میں امامت کی اور ساتھ ساتھ اصلاح واخلاقی تربیت بھی کرتے رہے جو اساطین علم کا غیر متزلزل یقین، غیر مذبذب ارادہ اور غیر متبدل اخلاص کا پرتو تھا۔

اہل تلوجہ اور مولانا: ولکل قوم ھاد۔ اہل تلوجہ کی خوش بختی اور دینی اصلاح کا اللہ تعالی نے شاید فیصلہ فرمایا اسلئے آپ کو ماہم سے تلوجہ منتقل ہونے کا سامان فراہم کیا۔ چنانچہ ستارۂ اقبال نے ان کا استقبال کیا اور مولانا کو ان کا مسیحا بنا دیا یعنی یکم/ جنوری ۱۹۶۲ء میں جامع مسجد تلوجہ کے امام وخطیب مقرر ہوئے بقول شاعر

؎ بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

آپ نے نہ صرف امامت کا فریضہ انجام دیا بلکہ اخلاص وللہیت درد دل وسوز جگر اور دعائے نیم شبی سے خلق خدا کا سمیٹنا شروع کیا۔ مال ودولت کے متوالے ہوا وہوس کے پرستاروں کو راہ مستقیم پر لانے کی سعی بلیغ کی اور انتہائی متانت وفطانت، محنت ومحبت، مشقت وعنایت، تدبیر وتحمل کے ساتھ اپنے فکر انگیز واشک ریز خطاب سے دین کی طرف موڑنے کی کوشش فرمائی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ان کے خیالات بدلنے لگے، دین کی تاریک فضا میں ستارے جگمگانے لگے، خیر وشر کی تمیز آنے لگی، بدعات ورسومات سے نفرت پیدا ہونے لگی، حتی کہ بعضے تعزیہ سازی وغیرہ جیسی قبیح بدعات میں جکڑے ہوئے تھے وہ ان سب سے تائب ہو گئے اور شریعت کی شاہراہ پر گامزن ہوئے۔

آج اہل تلوجہ میں جو شعور اسلام بیدار اور دعوت وتبلیغ اور علم دین کی جانب رواں دواں ہیں درحقیقت مولانا مرحوم کی محنت وصبر اور دعائے سحر گاہی کا نتیجہ ہے یہ وہ احسان عظیم ہے جس کا بدلہ کما حقہ نہیں چکایا جا سکتا اس کا صلہ اللہ تعالی اپنی شایان شان عطا کرے (آمین)

بیت اللہ کی زیارت: مولانا کے بخت ونصیبہ میں زیارت بیت اللہ کی سعادت تھی چنانچہ آپ تلوجہ میں امامت وخدمت دین کے عہدہ جلیلہ پر قائم تھے کہ ام القری کے منادی کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے ۱۹۷۲ء میں آستانہ محبوب پر حاضر ہوئے اور حرمین شریفین (زادھما اللہ تشریفاً وتکریماً) کی

زیارت سے بخیر وعافیت واپس ہوئے۔

مرض اور اس کا علاج: مولانا فریضہ امامت کو کما حقہ انجام دے رہے تھے اور حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ امتحان کی ایک سخت گھڑی آئی یعنی اندرون بدن تکلیف شروع ہوگئی جو بعد میں مہلک مرض کی شکل اختیار کرگئی یعنی کینسر لاحق ہوا (مگر جسے خدا رکھے اسے کون چکھے) آپ کو ٹاٹا اسپتال میں داخل کیا گیا اور کینسر کا آپریشن ہوا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو شفاء کلی عطا کی۔ آپ نے اس مصیبت عظمی کو انتہائی صبر جمیل کے ساتھ برداشت کیا مخلوق سے کبھی اس کا شکوہ نہیں کیا۔

اہل تلوجہ کی عقیدت مندی اور مدرسہ کا وفد: بقول شاعر: مصائب قوم عند قوم فوائد یہ مرض مولانا کے حق میں مصیبت وآزمائش تھا تو دوسری طرف مدرسہ کے حق میں خیر کا وسیلہ بنا۔ اگرچہ مولانا صحت یاب ہو چکے تھے مگر اس کا اثر یہ ہوا کہ امامت کا فریضہ انجام دینے سے معذور ہوگئے لیکن آپ کی مذکورہ بالا قربانی سے اہل تلوجہ کی چشم بصیرت کھل چکی تھی انہوں نے آپ کے وجود کو غنیمت کبری سمجھ کر تاحیات آپ کو اپنے یہاں رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

ادھر مدرسہ حسینیہ بڑی شدت سے ذی علم تجربہ کار شخص کا منتظر تھا چنانچہ منتظمین مدرسہ کا ایک وفد حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچا اور گفتگو ہوئی، مگر کیا کہئے کہ مولانا کی بے پناہ محبت اہل تلوجہ کے دل میں رچ بس گئی تھی اور اس کی جڑیں ان کے رگ وریشے میں پہنچ چکی تھیں اس لئے اس بارآور مضبوط درخت کا اکھاڑنا جسے انہوں نے برسوں کی آب پاشی ومحنت کشی سے سایہ فگن بنایا تھا ممکن نہیں تھا۔ بالآخر قضاء الہی سے منتظمین مدرسہ کے شدید اصرار اور خود مولانا کی طالبان علوم نبوت کی خدمت کی ذاتی خواہش پر ان کی دعوت کو لبیک کہا اور اہل تلوجہ بادل ناخواستہ مولانا کے وجود جسمانی کے رخصت کرنے پر تیار ہوئے۔

مدرسہ حسینیہ اور اسکا اہتمام: ۱۹۷۴ء میں تلوجہ سے سبکدوش ہو کر ۱۹۷۵ء میں اپنی قدوم میمنت لزوم سے مدرسہ کو رونق بخشی اور اس کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی یقیناً یہ مدرسہ کے حق میں شرف

اور آئندہ کے لئے ترقی کا نیک فال تھا۔

مدرسہ حسینیہ: یہ دراصل شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے دل کی دھڑکن یا ایک پر درد آہ ہے جو آپ ہی کے نام کا حسین لبادہ اوڑھ کر محسوس شکل میں ایک چوتھائی صدی ۱۹۶۴ء سے قائم ودائم ہے۔ یہ برسوں سے دین مبین کی نشر واشاعت اور تعلیم وتبلیغ میں کوشاں ہے۔

دنیاوی زندگی کے ہر شعبہ میں نشیب وفراز آتے ہیں مدرسہ حسینیہ بھی اسوقت دور انحطاط سے گذر رہا تھا لیکن مولانا مرحوم نے تکلیف دہ عارضہ کے باوجود شعبۂ اہتمام کو جہد مسلسل پیہم فکر وعمل اور تضرع وابتہال سے بخوبی انجام دیا اور اس فانوس علم وعرفان میں اخلاص کی روح پھونک کر عمل کی حرارت سے جلا دیا۔ آج مدرسہ کی در ودیوار سے پھوٹتی ہوئی شعائیں اس کی شاہد ہیں طلبہ پر شفقت وعنایت، ان سے محبت ومودت، ان کی غم خواری وخیر خواہی، ان پر علمی وعملی نگہداشت، اتباع سنت کی تلقین، خلاف شرع امور پر زجر وتنبیہ وغیرہ وغیرہ یہ وہ چیزیں ہیں جو مولاناؒ کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

اہتمام سے استعفاء اور مدرسہ کی سرپرستی: شدہ شدہ ذمہ داریاں بڑھتی گئیں جس سے آپ کو گوناگوں مشکلات پیش آئیں جسمانی عوارض، درازی عمر کی ناتوانی، قلبی وذہنی پریشانی کے پیش نظر آپ نے عہدۂ اہتمام کی بار برداری سے ۱۹۸۲ء میں استعفاء پیش کیا۔ ۶ر نومبر ۱۹۸۳ء میں استعفاء منظور ہوا اور مدنی مجلس کی قرارداد میں اسی وقت آپ کو تاحیات مدرسہ کا سرپرست تجویز کیا گیا۔

آخری ایام اور قیام میندری: منصب اہتمام سے دستبردار ہوئے اور محترم مولانا امان اللہ صاحب قاسمی مدظلہ کو جانشین بنا کر اپنے وطن عزیز میندری میں سکونت پذیر ہوگئے اور زندگی کے بقیہ ایام ساکنان میندری کو اخلاق سوز جدید تہذیب سے بچانے اور ایمان اور اعمال صالحہ کی طرف توجہ دلانے کی سعی میں صرف کردئے۔ کسے معلوم تھا کہ مولانا کا وقت مدعو آیا چاہتا ہے؟ ورنہ تو اپنے تہی دامن کو ان کے گہرے آبدار نصیحتوں سے بھر لیتے اور جتنا ممکن ہوتا اپنے دل ودماغ کے طاقچہ میں جمع کرلیتے مگر ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

وفات وحسن خاتمہ: وفات سے چھ روز قبل یعنی ۳۱ ردسمبر ۱۹۸۸ء کو آپ نے دکان کا حساب بے باق کر دیا تھا۔ پھر وفات تک آپ کا کاندھا قرض کے زیر بار نہیں ہوا۔ ۳۱ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ۶ر جنوری ۱۹۸۹ء بروز جمعہ بعد نماز فجر آپ نے اوراد و وظائف پورا فرمایا، جمعہ سے قبل غسل کر کے لباس زیب تن کیا، اور نماز جمعہ کے لئے جانے لگے کہ پیشاب کی حاجت لاحق ہوئی استنجاء سے فراغت کے بعد اچانک درد شروع ہوا اور حالت ناگفتہ بہ ہوگئی جمعہ کا وقت ہو چکا تھا، بعد نماز لوگ شمع علم وہدایت کی طرف پروانہ وار دوڑ پڑے سکرات کا عالم تھا موت نے اب مہلت سلب کر لی اور بالآخر ۷۳ سال کی عمر میں ۱۸ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ۶ جنوری ۱۹۸۹ء بروز جمعہ پونے دو بجے علم وعمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور بندہ حق آگاہ اپنے پروردگار سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نماز جنازہ وتدفین: دوسرے دن تدفین عمل میں آئی اس درمیان لوگ جوق در جوق آنے لگے پورا مدرسہ اور اہل تلوجہ کی بڑی تعداد شریک جنازہ ہوئی، ڈھائی ہزار کا انبوہ کثیر جنازہ میں شریک تھا اس سنگلاخ علاقہ میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ لوگوں کا ایک سمندر ہے جو چہار جانب سے بہا چلا آرہا ہے۔ اہلیان میندری کے بقول میندری کی تاریخ میں اتنی کثیر تعداد کسی اور جنازہ میں نہیں دیکھی گئی۔

نماز جنازہ مولانا سید شوکت علی صاحب مدظلہ امام وخطیب جامع مسجد نے پڑھائی اور بزرگان سید کے قبرستان میں میندری کے جد امجد سید عمر نظیر کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خاک ہوئے۔

اخلاق واوصاف: ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاندانی شرافت کے ساتھ علم وعمل کی دولت سے بھی نوازا تھا آپ نہایت خلیق، تواضع پسند، منکسر المزاج، متدین ومتقی، رقیق القلب، مہمان نواز تھے اپنے نفس کی تحقیر اور دوسروں کی تعظیم وتوقیر آپ کا شیوہ تھا، فکر آخرت اور اسکی تلقین آپ کی فطرت تھی، اخلاص کے وافر حصہ سے بھی اللہ نے نوازا تھا۔

تحریر وادب: مولانا کا قلم زرنگار وطرز تحریر علمی واصلاحی اسلوب کی سنجیدگی قائم رکھتے ہوئے ادبی

رعنائی کی بھی حامل تھا مکتوب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو

''اس میں کوئی شک نہیں کہ مجلس کے اراکین اور بہی خواہان مدرسہ کی خواہش اور خود ذاتی دلی تمنا وآرزو یہ ہے کہ تادم واپسیں علم کی اور دین کی خدمت کرتا رہوں اور اس ادارہ سے وابستہ رہوں مگر اپنی مذکورہ بالا شکستہ حالی کے پیش نظر درماندہ وجاں سوختہ ہو چکا ہوں اور اشکباری کے سوا کوئی چارہ وسبیل نہیں تاہم جب بھی مدرسہ کو ضرورت ہو یا میرے لئے یہاں آنا سازگار ہو تو اپنی ممکنہ خدمت پیش کرنا اپنی سعادت مندی تصور کرتا ہوں''۔

اسی طرح ایک خط کا یہ ٹکڑا بھی ملاحظہ کیجئے

''.........حالات قابل قدر توجہ ہیں اُن کے اُن چھوٹے پاروں کا کیا حال ہے جن کو نہ سبق کے وقت پختہ یاد کیا اور نہ دور کے وقت ان کو چھوا۔''

تقریر وتأثیر: اللہ نے آپ میں خطابت کا ملکہ بھی ودیعت کیا تھا مگر عام مقررین کی طرح شعلہ بیانی وطلاقت لسانی نہیں جوز و داثر تو ہوتی ہے مگر دیرپا نہیں ہوتی بلکہ لطائف کی حلاوت میں امر حق کی تلخ نوائی، پردرد وپرسوز الفاظ، فکر انگیز وجلالت ریز لہجہ میں تخیل انسانی وطلسم شیطانی کی نقاب کشائی کرتے تھے۔ عبرت آموز جزا وسزا کے حقائق سے لبریز ہوتی، قرآن وسنت کی خلاف ورزی پر کبھی پرجوش وپرتپاک لہجہ میں استقبال کرتے تو کبھی پرجمال وپربہار انداز میں تنبیہ وتہدید کرتے اور اخلاص پوری تقریر کو اس قدر شیریں بنا دیتا کہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتی۔ اس میں آپ کے رقت قلب کا بھی دخل تھا کہ ابھی پرلطف باتوں پر مسکراہٹ چل رہی ہوتی کہ روئے سخن خاتمہ اور آخرت کی طرف بدل جانے کی وجہ سے فوراً آبدیدہ بھی ہونے لگتے جس کا حاضرین پر بڑا اثر پڑنا ناگزیر ہے۔

تصنیف وتألیف: جیسا کہ لکھا جا چکا ہے مولانا جہاں صاحب علم وعمل تھے وہاں ایک صاحب قلم بھی تھے۔ آپ کے قلم گہر بار نے ایسے بے شمار اوراق مزین کئے ہونگے جو دینی ودنیوی، معاشرتی واصلاحی نصائح سے لبریز، سوز وگداز، فکر وتڑپ سے پر ہونگے خصوصا وہ خطوط جو آپ نے اپنے محبین

ومتعلقین اعزاء واقرباء کوارسال کرتے تھے۔ لیکن کوئی مستقل قلمی کاوش کسی رسالہ یا کتاب کی شکل میں محفوظ نہیں ہے۔ البتہ ''الورقات فی اصول الفقہ الشافعی'' کا سلیس وعام فہم ترجمہ کیا ہے اور نظر ثانی بھی فرمائی ہے۔ نیز ''حج کے فضائل ومسائل'' کتابچہ پر دوٹوک قیمتی تبصرہ بھی چند صفحات میں موجود ہے۔ اسی طرح رد بدعت پر ایک کتابچہ زیر قلم تھا جس کے مختلف مضامین بساط اوراق میں پھیل رہے تھے کہ تقدیر نے حیات مستعار کی زنجیر کھینچ لی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

تبلیغی سرگرمیوں سے تعلق: آپ نے سوز ودرد، طلب وتڑپ کے ساتھ جماعت میں دورہ بھی کیا ہے نیز اجتماعات میں بھی باوجود اپنی جسمانی عوارض کے حاضر ہوتے تھے اور تبلیغ کے خلاف جولوگ آواز کستے اس کا دفاع بھی کرتے تھے مولانا لکھتے ہیں:

''تبلیغی کام یا جماعت کے خلاف جو بھی آواز اٹھتی ہے اور جہاں اس کے خلاف ذہن ہے وہ اس لئے کہ اس کی حقیقت سے لوگ واقف نہیں ہیں اور اس کی حقیقت صرف سننے سنانے، پڑھنے پڑھانے سے ہرگز واضح نہیں ہوتی جب تک کہ براہ راست آدمی اس میں جڑ کر اور اپنا وقت لگا کر اس کو پرکھ نہ لے الخ''

مدرسہ حسینیہ سے تعلق: مولانا کا مدرسہ سے قلبی وجسمانی دونوں تعلق بالکل ظاہر ہے آپ کا سات سالہ دور اہتمام اس تعلق کا درخشاں باب ہے اور تاحیات آپ کا سرپرست رہنا اسکی بین دلیل ہے۔ ایک اقتباس گزر چکا اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کو مدرسہ کی جانب سے جب بھی مدعو کیا گیا تو باوجود اپنی پیرانہ سالی، ضعف اور جسمانی تکلیف کے بے تکلف فرحاں وشاداں پہنچ جاتے تھے۔ اساتذہ سے محبت اور طلبہ پر شفقت کا معاملہ فرماتے بلکہ طلبہ کی انجمن کی طرف سے دعوت پر بھی تشریف لاکر ان کی حوصلہ افزائی کرتے، خطوط کے ذریعے ہمیشہ ان کی خبر گیری کرتے رہتے اور موقع بموقع اصلاح وتربیت فرماتے اور ہمیشہ ترقی کے لئے دعا گو رہتے تھے۔

عبادت وریاضت: صوم وصلوۃ کی پابندی کا سوال ہی کیا ہے وقت پر اپنے اوراد ووظائف پورا کرنا، تلاوت کرنا، ہمیشہ کا معمول تھا۔ تہجد بھی بلاناغہ پڑھتے تھے مگر آپریشن کے بعد طہارت میں کافی

وقت صرف ہونے کے باوجود پوری کوشش کرتے کہ تہجد قضا نہ ہو۔

ایک سعادت: مینڈری کے دو غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے ہیں ایک کا نام سمیع اللہ اور دوسرا ولی محمد۔ (مأخوذ از ندائے وقت رمضان نمبر سلسلۂ اشاعت (۹) شعبۂ نشر واشاعت جامعہ حسینیہ شریوردھن رائے گڑھ از قلم مفتی رشید احمد فریدی فاضل جامعہ ڈابھیل)

مولانا محمد سعید بزرگؒ کے نام مکتوب کا اقتباس: مولانا عبدالرزاق صاحبؒ نے ایک خط اپنے دوست مولانا محمد سعید بزرگؒ کے نام تحریر فرمایا تھا اس میں اپنی خدمات دینیہ کا ذکر ہے اس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد چالیس سال تک کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں خدمت انجام دیتا رہا، کہیں امامت، کہیں معلم دینیات، کہیں مہتمم مدرسہ وغیرہ وغیرہ۔ اسی کے ساتھ موقع بموقع پند ونصائح، وعظ وتذکیر کا سلسلہ بھی برابر تھا۔ دعوت وتبلیغ کو اپنا فریضۂ اول سمجھتا رہا، اللہ تعالی قبول فرمائے۔ اس وقت اپنے مکان پر ہوں۔ اور ہر جمعہ اپنے ہی گاؤں میں کچھ نہ کچھ اپنے معمول کے مطابق گفت وشنید کا سلسلہ جاری ہے اللہ تعالی قبول فرمائے۔ چالیس سال ملازمت کرنے کے بعد گورنمنٹ سے پینشن ملتی ہے۔ جب دنیا کی حکومتیں اپنے ملازموں کو پینشن دیتی رہتی ہیں تو احکم الحاکمین کی سرکار بہرحال اعلی درجہ کی حکومت ہے وہاں کے ملازم کیسے محروم رہ سکتے ہیں؟ اسی عرصہ میں اللہ تعالی نے ایک بیٹے کو کویت بھیج دیا، الحمد للہ جس کے ذریعہ چٹنی روٹی کا انتظام ہو رہا ہے اور گویا گھر بیٹھے ہم کو پینشن ملتی ہے۔ فسبحان اللہ تعالی حمدا کثیرا۔

سید عبدالرزاق ابن سید اسماعیل نظیر
مقام پوسٹ مینڈری، تعلقہ مہاسلہ، ضلع رائے گڈھ
(نقوش بزرگاں ۲/ ۳۸۰)

۲۳

مولانا ابوالخیر عبدالصمد صاحب ایرانیؒ

ولادت: اوائل نومبر ۱۹۱۰ء پنج شنبہ کے روز ایران کے قصبہ قصر قند میں پیدا ہوئے۔

آپ کی زندگی عجیب وغریب واقعات اور کرامات سے بھرپور ہے۔ احقر نے خود زمانۂ طالب علمی میں کولہاپور کے طلباء سے آپ کے متعلق محیر العقول واقعات سنے ہیں۔ آپ تو اَم یعنی جڑوا پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کے ایک اور بھائی چند گھنٹہ قبل پیدا ہوئے تھے، آپ پیدائش کے وقت نحیف الجثہ تھے دایہ نے گندگی سمجھ کر کوڑی میں پھینک دیا آپ کی جانب کسی کی توجہ نہ ہوئی، کچھ دیر بعد گریہ وزاری کی صدا بلند ہوئی، آواز سن کر نانی صاحبہ چیخ اٹھی اور کہا ایسا لگتا ہے ایک بچہ اور بھی ہے گندگی سمجھ کر پھینک دیا گیا ہے جاؤ دیکھ تو لو چنانچہ دیکھا گیا تو واقعی گندگی میں ایک بچہ اور تھا۔

تعلیم : آپ کا خانوادہ علم وعمل کا گہوارہ تھا، آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا موسیٰ صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ایک باصلاحیت، جید عالم تھے ان سے بسم اللہ کرائی گئی اور ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔ قصر قند میں ابتدائی تعلیم کے بعد بقیہ علوم کی تکمیل کے لئے ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں اپنے دس ساتھیوں سمیت ملک ایران سے ہجرت کرتے ہوئے پیادہ پا کراچی کی بندرگاہ سے گزرتے ہوئے دہلی آئے۔

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا ::: عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

بیٹا تو فائز المرام ہے : اس سفر میں ایک حادثہ پیش آیا وہ یہ کہ قضائے حاجت کی غرض سے آپ قافلہ سے جدا ہوئے، بعد فراغت دیکھا کہ قافلہ نظر سے اوجھل اور غائب، خوب جستجو کی مگر قافلہ ندارد، یہ واقعہ وحشت ناک جنگل میں پیش آیا جہاں نہ کوئی چرند پرند اور آدمی تھا، آپ نے سات مرتبہ اذان کہی بعد اذان باور کرلیا کہ اب تو قیامت تک سونا ہے لہذا کلمۂ شہادت پڑھکر دائیں کروٹ پر لیٹ گئے ابھی کچھ غنودگی سی طاری ہوئی تھی کہ ایک صدا کان میں پڑی ''عبدالصمد کھڑے ہو جاؤ'' دیکھا تو سفید لباس، نفیس عمامہ زیب تن کئے ہوئے ایک خوبصورت، سن رسیدہ، باوقار بزرگ ہیں انہوں نے آپ سے مصافحہ کیا اور مبارک بادی دی۔ ساتھ ہی ساتھ پیش گوئی فرما کر رہنمائی کردی کہ ''بیٹا تو فائز المرام ہے، کامیابی تیرے قدم چومے گی، امت تجھ سے مستفیض ہوگی، دیکھ تیرے ہم سفر رفیق راہ کی یہ سڑک ہے، ادھر ہولے'' یہ فرما کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔

ہندوستان میں آکر دہلی کے معروف ومشہور مدرسہ ''مدرسہ امینیہ سنہری مسجد'' میں داخلہ لیا، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے کسب فیض کیا۔ اس قیام کے دوران بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی معیت میں علاقۂ میوات میں چھ ماہ تبلیغی فرائض انجام دئے، میوات کے سفر کے دوران بانیٔ تبلیغ کا شرف تلمذ کرتے ہوئے نور الایضاح اور علم الصیغہ سبقاً سبقاً پڑھی، بعدہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ اسوقت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مسند تدریس پر فائز تھے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ دیوبند کے قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلامؒ کا قرب حاصل ہوا اور خدمت کا موقع ملا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں : آپ ایران سے بلا اطلاع کے شوق علم میں ہندوستان آئے ہوئے تھے آپ کے والد صاحب نے دریافت حال کے لئے اپنے فرزند (مراد مولانا عبدالصمدؒ کے برادر محترم مولانا احمد علی صاحب تلمیذ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ جو اس وقت واپی، ضلع بلساڑ۔ گجرات کی ایک مسجد میں فرائض امامت انجام دے رہے تھے) کو خط لکھا کہ ''عزیزم عبدالصمد مع چند رفقاء کے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے چپکے سے کہیں لاپتہ ہو گئے ہیں بہ تحقیق حال معلوم ہو گیا ہے کہ بقصد ہجرت ہند کا رخ کیا ہے کھوج لگائیو'' آپ کے برادر محترم نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم ہے چنانچہ واپی سے والا نامہ ارسال کیا جسمیں تعطیلات میں واپی آنے کی دعوت دی، چنانچہ برادر محترم کے حکم کے مطابق واپی آئے، جب تعطیلات قریب الختم تھیں تو آپ نے دیوبند جانے کا شوق اور رغبت ظاہر کی تو برادر محترم نے فرمایا'' آمدن بارادت رفتن باجازت''

''سارا دیوبند سر دست سرزمین ڈابھیل پر آ گیا ہے، کیا ضرورت ہے دیوبند جانے کی؟ ڈابھیل ہی میں تکمیل تعلیم کر لیجیو'' ۔ الغرض برادر محترم نے آپ کو اپنے ہمراہ لا کر جامعہ ڈابھیل سے ملحق کردیا یہ دور مولانا احمد بزرگؒ (مہتمم سابق جامعہ اسلامیہ ڈابھیل المتوفی ۱۳۷۱ھ) کے اہتمام کا تھا۔

جامعہ میں کم وبیش پانچ چھ سال قیام کیا، آپ کے اساتذہ :

حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ (تلمیذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۔ بخاری شریف)

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ (مشکوۃ شریف، ترمذی وشمائل ترمذی)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (تیسیر المنطق، مرقات، شرح وقایہ، مقامات حریری، مختصر المعانی)

حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ (جلالین)۔

ان کتب کے علاوہ دیگر کتب درسیہ مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ واضح ہو کہ آپ کو مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' پڑھنے کا شرف حاصل ہے ۱۳۶۰ھ میں مولانا عبید اللہ سندھی نے جامعہ ڈابھیل میں کئی روز قیام فرمایا اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا درس بھی طلبا کو دیا جامعہ کے قیام کے دوران مولانا بدر عالم صاحبؒ سے خصوصی تعلق رہا حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ بھی آپ کے ساتھ بڑا مخلصانہ ومشفقانہ برتاؤ فرماتے تھے جس سے دیکھنے والے دنگ رہ جاتے۔ آپ فرمایا کرتے ''میرے شیخ کامل کا سایۂ عاطفت جو مجھے میسر تھا اس سے اور شاگرد محروم تھے'' مولانا عبد الصمدؒ کی طالبعلمی کے دو تین واقعات ذکر کئے جاتے ہیں چونکہ ان واقعات کا تعلق جامعہ ہذا سے ہے میرے لئے ان واقعات کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنا مشکل ہے۔

مولانا احمد بزرگؒ کی پیشین گوئی : (۱) ایک دفعہ دو تین افراد ہلہ مچانے اور فساد برپا کرنے کی غرض سے دفتر اہتمام پر چڑھ آئے حضرت مہتمم صاحب (مولانا احمد بزرگؒ) دفتر اہتمام میں کتب بینی میں مصروف تھے، مولانا عبد الصمد فرصت کے اوقات میں انوری بلڈنگ کے سامنے واقع باغ میں تفریح اور سبزہ کا نظارہ کیا کرتے، آپ نے ان افراد کی آنکھوں کو دیکھ کر بھانپ لیا آگے بڑھ کر تینوں کو قوت سے بھینچ کر ایسا دبایا کہ ان کے دم ٹوٹنے لگے پھر انہیں دھکے دیکر نیچے گرا دیا۔ حضرت مہتمم صاحب اس منظر کو دیکھ رہے تھے ایک پیش گوئی فرما کر خوب دعاؤں سے نوازا، فرمایا ''تیرے بدخواہ تو بے شمار پیدا ہونگے مگر تیرا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے حق تعالی تجھ سے اجنبی اور اناڑی مخلوق کو فیض پہنچائیگا'' حضرت مہتمم صاحب کی فراست ایمانی سے نکلے ہوئے یہ جملے حرف بحرف ثابت ہوئے اور جنوبی ہند میں جہالت زدہ علاقہ میں ایک عالم آپ سے فیضیاب ہوا۔

بیت الخلاء کی صفائی پر رذائل کی صفائی کی دعا: (۲) حضرت مہتمم صاحب کا راتوں میں جامعہ میں گشت کرنے کا معمول تھا رات کو تشریف لاتے قضائے حاجت سے فراغت کے بعد اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے مہتمم صاحب کی آمد سے پہلے مولانا عبد الصمد صاحب آپ کے مخصوص بیت الخلاء کی صفائی ستھرائی کا خوب خیال رکھتے، مہتمم صاحب کی تشریف آوری سے پہلے ہی روزانہ بیت الخلاء صاف کر دیتے۔ مہتمم صاحب کو پتہ نہیں تھا کہ یہ صفائی کون کرتا ہے؟ مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا، ایک دفعہ مقررہ وقت سے کچھ تاخیر ہوگئی حضرت مہتمم صاحب حسب معمول تشریف لائے جب دیکھا حیران رہ گئے معاً مسرت کا اظہار کیا اور فرمانے لگے: تم بھی خوب آدمی ہو کون ہو؟ جواب دیا عبد الصمد قصرقندی فرمایا کیا ضرورت ہے کہ تم رات کو نیند قربان کر کے بیت الخلاء کی صفائی کرتے ہو اس وقت اس بے لوث خدمت کی قدر دانی کرتے ہوئے تین دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔

(۱) اللہ تعالی تیرے ظاہر اور باطن دونوں کو دھوئے۔ رذائل روحانیہ سے پاکیزہ بنا کر آراستہ کرے

(۲) تیری زندگانی بارآور اور سرسبز وشاداب ہو

(۳) تجھے تادم واپسیں دین کا خدمت گزار بنائے

شیخ الحدیث کی مسند پر حضور ﷺ جلوہ افروز: (۳) چونکہ آپ ایران سے حصول علم کے شوق میں ہجرت کر کے آئے تھے آپ کے والدین اور رشتہ دار یہاں نہیں تھے سالانہ اجلاس میں فارغ ہونے والے طلباء کے والدین اعزہ واقارب آئے تھے آپس میں مبارک بادی کا سلسلہ جاری تھا بخاری شریف ختم کا اجلاس تھا، آپ سوچ رہے تھے میرا کون ہے جو مجھے مبارک بادی سے نوازے؟

کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی

آپ پر افکار وغموم کے بادل چھا گئے کہ سارے احباب اپنے اپنے وطن لوٹ جائینگے میں لوٹوں تو کہاں لوٹوں؟ کروں تو کیا کروں؟ جاؤں تو کہاں جاؤں؟ اس وقت آنکھیں پرنم ہوئے بغیر نہ رہیں اسی سوچ میں پریشان خاطر درسگاہ میں تشریف فرما تھے، سامنے بخاری شریف رکھی ہوئی تھی کہ آپ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوئی دیکھتے ہیں کہ سامنے شیخ الحدیث کی مسند پر حضرت سرور کائنات فخر موجودات ﷺ جلوہ افروز ہیں اور آپ حضور ﷺ کے روبرو ختم بخاری شریف

کررہے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا ''پڑھ''۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ کیفیت جاتی رہی۔

مولانا عبدالصمد صاحبؒ فرماتے ہیں: مسرت اور خوشی کی لہر دوڑ گئی ایسی خوشی کہ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتا ساری سراسیمگی یک لخت ختم ہوگئی، پھر کیا تھا شوق وطن سرد ہوگیا۔ والدین بھلادیئے گئے۔

''سلوک وبیعت'' اور ''جنوبی ہند میں عظیم خدمات'': ہمارے علماء دیوبند میں تمام بزرگوں کی یہ خصوصیت رہی کہ انہوں نے صرف حروف ونقوش کے علم پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تزکیۂ نفس کے لئے کسی شیخ کامل سے وابستگی کو ہمیشہ ضروری سمجھا، مولانا عبدالصمد صاحبؒ نے بھی جامعہ ڈابھیل میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد تزکیۂ نفس کی غرض سے اپنے استاذ محترم مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی خدمت بابرکت کو پسند کیا۔ مولانا عبدالصمد صاحبؒ کے جانشین وخلف رشید جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے فاضل مولانا محمد اسعد اللہ ایرانی زید مجدہ جامعہ خیر العلوم حفظ القرآن ادگاؤں ضلع کولہاپور کے حال کے مہتمم اپنے جامعہ (جس کے بانی مولانا عبدالصمدؒ ہیں) کی ایک روئیداد میں آپ کی خدمت کے متعلق رقم طراز ہیں...

''بعد فراغت اپنے شیخ طریقت حضرت اقدس مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی خدمت عالیہ میں مکمل ایک سال حلقہ نشین رہ کر مزید اصلاح باطن وتزکیۂ نفس کر کے خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے پھر اپنے محبوب وطن کے لئے اپنے شیخ محترم سے رخصت طلب کی تو فرمایا ''نا بھئی ابھی تو تمہیں جنوب ہند کے علاقہ جات میں نافع الخلائق بن کر خلق خدا کو فیضیاب کرنا ہے''۔ چنانچہ شیخ کی اجازت سے مرولی (ڈابھیل کے قریب ایک بستی ہے) میں چند ماہ فریضۂ امامت نبھا کر ادواڑہ، بمبئی، پونہ، ساتارہ ہوتے ہوئے گورواڑ ضلع کولہاپور میں قیام پذیر ہوگئے، ...... نیز جنوبی ہند کے علاقہ جات میں بدون عربی خطبہ کے صرف اردو خطبہ رائج تھا، اس بدعت سیئہ کو بھی یکسر ختم کردیا جگہ جگہ محرم کے خرافات چالیسواں، دسواں، گیارہویں شریف غوث پاک، گھوڑے وغیرہ سب رسومات کو مٹا کر دینی احکام بتاتے رہے، جگہ جگہ ہر ماہ تقریری پروگرام ہوتے رہے اور جہاں جہاں تقریری پروگرام ہوتے رہے اور جن جن شہروں سے حضرت والا کا تعلق تھا الحمدللہ ان تمام شہروں میں آج دینی ادارے اور عربی

مدارس قائم ہیں۔ جیسے ادگاؤں، نیپانی، میرج، سانگلی، کراڈ، ساتارہ، چندگڑھ، اسلامپور، آجرہ، بیلگام، مدے بہال، بیجاپور، اتھنی، گوکاک وغیر ذلک۔

محترم حضرات! حضرت مولانا ایرانی مرحوم نے ''ہمت مرداں مدد خدا'' کے پیش نظر اپنے شیخ طریقت حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی دعاؤں کے طفیل اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام کے رواج اور سرسبزہ کو اپنا نصب العین بناتے ہوئے اخلاقی جرأت کے ساتھ انقلاب آفریں شخصیت بنکر ایسا زبردست کارنامہ انجام دیا کہ رتنا گیر مہاراشٹر سے گلبرگہ کرناٹک تک اور بنگلور کرناٹک سے بمبئی مہاراشٹر تک گویا باعتبار علم واصلاح اور پیری مریدی کے اکثر وبیشتر حضرات حضرت قدس سرہ ہی کے خوان نعمت کے ریزہ چیں ہیں۔

ایک فقیر بے نوا کے قلب کی حرارت نے اپنے ایمانی نور سے ساری ظلمتوں کو مٹا کر ایک بہترین اسلامی قلعہ اور فوجی چھاؤنی جامعہ خیر العلوم کے نام سے تعمیر کی جو آج ظاہری وباطنی ترقیات کے لحاظ سے دعوت نظارہ دے رہا ہے۔

حضرات گرامی! حضرت مولانا ایرانی اور حضرت مولانا محمود الحسن بلوچی دونوں حضرات میں کچھ فرق نہیں تھا یہ دونوں ایک چہرہ زیبہ کی دو آنکھیں تھے دونوں روشن ضمیر، دونوں پاک باز اور حقیقت میں ایک ہی نور باطن اور ایک ہی فراست ایمانی دونوں میں کام کررہی تھی گویا ''اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله'' کے مصداق تھے۔ حضرت مولانا ایرانیؒ صرف ایک صاحب طریقت اور اعلی صاحب نسبت بزرگ ہی نہیں تھے بلکہ حق تعالی نے انہیں وہ بصیرت اور ادراک صحیح اور نور باطن عطا فرمایا تھا جو بہت کم لوگوں کو ملتا ہے۔ اور انہیں لوگوں کو ملتا ہے جن سے اللہ تعالی کوئی بڑا کام لیتا ہے۔''

فرقۂ باطلہ کے خلاف انتہائی جدوجہد

آپ نے اپنی ساری زندگی فرقۂ باطلہ کی تردید اور جماعت حقہ کی اشاعت وترویج میں توکلا علی اللہ صرف کی اور ہمہ وقت ان فرقۂ باطلہ سے نبرد آزما رہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی ہمہ وقت کامیابی وکامرانی سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بدعتیوں کے سرغنہ وسربراہ حشمت علی کی

جانب سے مناظرہ کا چیلنج کیا گیا، آپ علیہ الرحمۃ نے اسے انابت الی اللہ وتوکل علی اللہ قبول کرلیا، اور مقابلہ کر کے کامیاب وکامران ہوئے۔ حشمت علی اور اس کے ساتھیوں کو فجر صادق کے طلوع ہونے سے پہلے ہی شہر کرندواڑ سے راہِ فرار اختیار کرنا پڑی، اس کے کچھ ساتھی آج بھی حیات ہیں، اور جنہوں نے آپؒ کے ہاتھ پر توبہ کی وہ بھی حیات ہیں۔

ردشیعیت: ۱۹۵۴ء کا ایک حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ دس افراد پر مشتمل شیعی علماء کی ایک جماعت شہر کولہاپور آئی اور اپنے ساتھ بیل گاڑی میں شیعی کتابوں کا ڈھیر لائی، جسمیں نہج البلاغہ، تفسیر طوسی، تفسیر کاظمی، اصول شامی، اصول کافی، دعاء کمیل بھی شامل تھیں، شہر کولہاپور میں آکر وہاں اور اطراف کے مقامی علماء سے جن میں مولانا امام الدین، مولانا ابوبکر، مولانا ایوب، اور دیگر علماء سے مشورہ کیا کہ ہم یہ کتابیں لے آئے ہیں، اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کا صاف اردو زبان میں ترجمہ ہو جائے، اور جو اس کام کو انجام دے گا اس کو ہم یومیہ دس روپئے، تین وقت کا کھانا اور ہر ماہ چار دن کی رخصت دیں گے، اور آمدروفت کا کرایہ بھی دیا جائیگا۔ پھر جب کام پورا ہو جائے گا تو بطور انعام کچھ رقم دیکر اس کی ہمت افزائی کی جائے گی، تمام علماء نے ایک زبان ہو کر یہ کہا کہ اس کام کو انجام دینے کیلئے مولانا ایرانی صاحب سے بڑھ کر کوئی شخصیت موزوں نہیں ہوسکتی، چنانچہ ان حضرات نے آپؒ کو شہر کولہاپور مدعو کیا، تنگ دستی وخستہ حالی کی وجہ سے شہر کولہاپور جانے کیلئے جو تقریباً پچپن (۵۵) کلومیٹر تھا کوئی کرایہ نہ تھا، اسلئے آپ شہر کولہاپور پیدل روانہ ہوئے، عصر کے بعد وہاں پہنچے، علماء سے ملاقاتیں ہوئیں، نماز عشاء کے بعد مجلس قائم ہوئی آپ نے دریافت کیا کہ کیا مقصد ہے؟ مجھے کیوں بلایا گیا؟ سب علماء نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہماری ایک درخواست ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے موجود یہ شیعی علماء ہیں جو لکھنؤ سے یہاں آئے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ساتھ جتنی کتابیں ہیں ان کا اردو ترجمہ کیا جائے تو اس شخص کیلئے فلاں فلاں سہولتیں دی جائیں گی، آپ کے ہاتھ اچھا موقع آگیا ہے آپ اس کو جانے نہ دیں بلکہ قبول کرلیں، آپ پانچ منٹ کیلئے گردن جھکا کر خاموش رہے اور ان سے یہ کہہ دیا کہ میرا ایک آقا اور مالک ہے جس کی میں نوکری کرتا ہوں وہ مجھے برابر تنخواہ دیتا رہتا ہے

جس وقت وہ مجھے کہہ دے کہ میں تیری تنخواہ اور روزی نہیں دے سکتا تو اس وقت میں یہ کام انجام دوں گا، علمائے حاضرین حیرت سے تکنے لگے اور کہنے لگے کہ آپ تو فقر وفاقہ کے سبب گھر سے پیدل تشریف لائے ہیں آپ جیسا جلالی طبیعت والا کس کی نوکری کرسکتا ہے؟ یہ ممکن نہیں، آپ نے ان کے سامنے یہ بات کھل کر کہی کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول کا غلام ہوں وہ اللہ مجھے برابر روزی پہنچاتا رہتا ہے جس قت وہ روزی نہیں دے گا میں یہ کام کروں گا۔ اسی رات میں فوراً آپ نے پورے شہر کولہاپور میں ۲۱ راتوں تک پروگرامات لئے، بے خوف وخطر ہو کر بدعت وشیعیت کے خلاف بیانات دئے، اور ان کے بطلان کی حقیقت عوام وخواص کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں کردی اور فرقۂ باطلہ کو ایڑی چوٹی کی کوشش کے باوجود میدان چھوڑ کے شکست خوردہ بھاگنا پڑا۔

ردقادیانیت اور جیل کی سزا: آپ نے قادیانیت کے خلاف بھی کافی محنتیں اور مجاہدے کئے، ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ صوبہ کرناٹک کے ایک شہر الناور کے پورے محلات میں قادیانیوں نے غلبہ حاصل کرلیا تھا اور ان کی پرزور تحریک چل رہی تھی، چنانچہ آپ کی خدمت میں وہاں کے چند حق پرست احباب پہنچے، آپ نے بڑی غور فکر کے بعد وہاں پر قدم جمانے کیلئے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ایک فارغ جنہوں نے آپ کے پاس ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، اور آپ ہی کے حکم سے حفظ قرآن کے بعد جامعہ ڈابھیل اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی تھی، اور آپ ہی کے ساتھ دین کی خدمت کررہے تھے، جن کا نام مولانا اسماعیل صاحب تھا، آپ نے ان کو الناور میں حکمت عملی اور بہت ہی تدبیر کے ساتھ امامت کیلئے مقرر کردیا، پھر مولانا مرحوم نے بڑی جانفشانی اور جفاکشی کے ساتھ اسباب دنیا کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود بڑی محنتیں اور مشقتیں کیں، آپ نے ختم نبوت کے تعلق سے اور حضرت مولانا عبدالصمد صاحبؒ کے ذریعہ کافی پروگرامات کئے، اور انتھک کوشش کے بعد بعض افراد نے قادیانیت سے توبہ کی اور ستر (۷۰) مکانات کے باشندگان جن پر بدبختی کا قلم چل چکا تھا، اور وہ کسی طرح قادیانیت سے رجوع کرنے کیلئے تیار نہ تھے مولانا اسماعیل صاحب بڑے جوشیلے اور تن آوار تھے، آپ نے ایک مرتبہ آپ علیہ الرحمہ سے آکر کہا حضرت میں ان بدبختوں کے

تعلق سے ایک عظیم تدبیر کررہاہوں آپ سے پشت پناہی اور دعا کی درخواست کرتاہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس اسکیم میں اپنے فضل سے کامیابی کرے، اور یہ کامیابی آپ کی توجہات اور دعا کے بغیر مشکل ہے، تدبیر کے متعلق پوچھا گیا تو مولانا اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ "من کتم سرہ حصل امرہ" کے تحت صرف آپ کی دعا چاہتاہوں آپ نے فرمایا کہ گھبراؤنہیں میں دعا کررہاہوں، ﴿ ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين ﴾ بے فکر جاؤ میں ضرور دعا کروں گا، اوررب ضرور کامیاب کرے گا، مولانا الناور کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں جاکر ایک خفیہ تدبیر یہ کی کہ چند نوجوانوں کا بڑا عملہ جو اس مذہب سے رجوع کرکے مذہب حق اور ختم نبوت کا پوری طرح قائل اور معتمد ہوچکا تھا لیکر کئی لیٹر گیلین تیل لیکر پوری بستی کو بیک وقت پیٹرول ڈال کر جلا دیا جب کہ پورے شہر والے خواب استراحت میں گہری نیند سوچکے تھے، صبح ہوئی تو بڑا ہنگامہ وشور برپا تھا، صبح ہوتے ہی پولس کارروائیاں شروع ہوئیں اور جرم کے تحت مولانا اوران کے ساتھ پچیس تیس نوجوانوں کوجیل میں ڈالنے کا حکم دیا گیا، مولانا نے رات ہی میں قاصد کے ذریعہ رقعہ بھیج کر آپؒ کواطلاع دی کہ جیل جارہاہوں دعا اور تدبیر بتلایئے، آپ خود بنفس نفیس اس شہر پہنچے اور قوم کو سمجھایا اور اللہ نے حق کی آواز ان کے دل میں جمادی، پھر مولانا اسماعیل صاحب کی ملاقات کیلئے پہنچے، پھر دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مولوی اسماعیل صاحب گھبراؤنہیں یہ ہمارے اسلاف اور اکابر کی سنت ہے، البتہ جیل میں آپ ایک کام کریں کہ ہر دس یا پندرہ منٹ کے بعد آپ اذان دیتے رہیں اور کوئی آفیسر یا کوئی جیلر آکر سوال کرے تو اشارے سے جواب دیں اور اذان دینے میں لگ جائیں، جب جج اور افسران جیل میں معاملہ کی تحقیق کیلئے پہنچے تو مرحوم مولانا کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوئے کہ یہ عجیب آدمی ہے کہ انگلی سے خاموشی کا اشارہ کرتاہے اور اللہ اکبر بکنے لگتاہے، اس کا اثر جج اور کورٹ کے افسران پر یہ ہوا کہ انہوں نے انہیں دیوانہ اور پاگل سمجھ کر جیل سے بھگا دیا، مولانا اسماعیل صاحب اسی مجنونی حالت میں سیدھے اودگاؤں آپ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات سنائے اس طرح کامیاب ہوئے، اور قادیانیت کو مٹا کر دم لیا، باقی ساتھی بھی چند مہینوں کے بعد باعزت رہا کردئے گئے۔

ایک فرقہ اہل قرآن نے بھی شہر نیپانی میں جنم لیا تھا یہ فرقہ قرآن پر عمل کرنے کا قائل اور حدیث وفقہ پر عمل کرنے کا منکر تھا، آپ نے﴿ وما ينطق عن الهوى ، ان هو الا وحی الیوحی ﴾ آیت اور قرآن کے ذریعہ اس کی تردید کی اور احادیث رسول اور فقہ دین کے پیروی کے وجوب کو قرآن سے ثابت کردیا اوران کو حدیث اور فقہ دین کی پیروی کرنے پر مجبور کردیا۔

''فرقہ جن بسویشور'' اور ''فرقۂ مہدوی'' اور ''فرقۂ بے دین'' سے بھی بڑی کوششوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور بہت سے افراد کو بیعت شرعیہ میں داخل کرلیا اوران فرقۂ باطلہ کو کمزور کرکے جڑوں سے اکھاڑ پھینک دیا۔

محرف قرآن کے خلاف جدوجہد: نیز ایک فتنہ انگیز شخص جو شریعت میں تحریف کرنے والا عبد الحمید پنالوی نامی ضلع ستارہ میں پیدا ہوا، جو بڑے مال ودولت اور ظاہری جاہ وجاہت کا حامل تھا، اس نے یہ فتنہ ''تحریف قرآن'' کے نام سے بہت زوروں سے عوام وخواص میں پھیلا دیا اور بہت سے افراد کو اپنا گرویدہ بنالیا، وہ قرآن کی آیتوں میں تحریف کرکے ان کو دلیل بنا کر یوں کہنے لگا کہ محرمات میں سے مثلاً اپنی والدہ، بیٹی اور بہن اور دیگر محرمات شرعیہ سے اپنے عضو تناسل پر کپڑا لپیٹ کر خواہش پوری کرنا جائز ہے، اس کی بے بنیاد دلیل یہ تھی کہ اس صورت میں جسم، جسم میں بواسطہ کپڑا داخل ہوتا ہے نہ کہ شرمگاہ میں، اسلئے اس میں کوئی قباحت اور برائی نہیں، اور نطفہ بھی قرار نہیں پاتا ہے، جب اس فتنۂ مردودہ کی اطلاع باشندگان شہر نے آپ کو دی تو آپ نے اپنے ہمعصر علماء کو جمع کیا ان میں مولانا ابوبکر میرجوی اور مولانا ابراہیم صاحب کراڈوی قابل ذکر ہیں، ان کو ساتھ لے کر کراڈ پہنچے اور تحقیق کے بعد جب حقیقت سامنے آئی تو بلا جھجک آپ ان علماء کو ساتھ لے کر اس ملعون کے گھر حاضر ہوئے، بہت فہمائش کی دس دن راتیں اس میں گذر گئیں وہ کسی طرح ماننے کیلئے آمادہ نہیں ہوا، اور اپنی ضد پر قائم رہا، آپ ہر وقت ان علماء کے ساتھ دو دو رکعت نماز پڑھ کر دعا اور رجوع الی اللہ کرتے رہے، پھر یہ تدبیر ذہن میں آئی کہ وہاں کے علماء اور عوام کو جمع کراکے میدانوں اور مساجد میں پروگرامات لئے جائیں اوران میں ان کو سمجھایا جائیں، چنانچہ آپ نے اسی طرح کیا، آیت محرمات (حرمت علیکم

الخ) کے تحت تمام احادیث وروایات، اقوال صحابہ وتابعین اور مسالک ائمہ کو جمع کر کے تفصیلاً چودہ روز تک مسلسل اس کے خلاف بیانات دیتے رہے، کچھ علماء کو اس بناء پر جیل بھی جانا پڑا، لیکن جج نے آپ کی رہائی جیل میں داخل ہونے سے پہلے ہی کر دی، اس طرح انتھک کوشش کے بعد اس فتنہ کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دی۔

آپ کی تصانیف: اس کے خلاف آپ نے فوراً ہی ایک رسالہ جو سو صفحات پر مشتمل تھا تصنیف فرمایا، جس کا نام "تنبيه العنيد فی رد قول عبد الحميد" رکھا، یہ رسالہ عربی زبان میں تھا، جس کے قلمی نسخے کے چند اوراق بندہ (مراد مولانا اسعد اللہ صاحب ایرانی دامت برکاتہم) کے ہاتھ لگے۔ اس کے بعد ایک اور رسالہ تصنیف کیا، جو حیدرآباد کے رضاخانی حضرات کے سربراہ قاضی شجاع الدین نظامی کی تردید میں دلائل قویہ کے ساتھ تصنیف کیا اور اس کا نام "السيف القاطع لإزالة البدعة الساطعة" رکھا، اس کا صرف مقدمہ ہاتھ لگا، نیز جہل کی برائی اور علم کی مدح وتحقیق کے تعلق سے بہترین بیانات کا مجموعہ بنام "توثيق العلم والعلماء وتحقيق الجهل والجهلاء" جمع کیا اور بہت سارے اشعار فارسی، عربی، اردو زبان میں اصلاحی وحکمتی مضامین پر لکھے، کیونکہ اس زمانے میں کوئی ایسا ساتھی نہ تھا اور نہ ہی اسباب تھے کہ اس کو طبع کر کے یا کیسٹ کے ذریعہ محفوظ کیا جاتا، بار بار بندے (مولانا اسعد اللہ صاحب) نے حضرت سیدی ومرشدی والد صاحب سے اس سلسلے میں پوچھا تو ہر وقت یہی جواب دیتے رہے کہ ما يلفظ من قول إلا لديه رقيب عتيد اور وإن عليكم لحافظين رب ہی اس کی حکمتوں کو جانتا ہے۔

غیروں میں اسلام کی دعوت، تین سو پنڈت نے اسلام قبول کیا: آپ نے ہندوؤں اور پنڈتوں کے بڑے بڑے پروگراموں میں شرکت کی اور ہر پروگرام میں آپ ان کو مذہب حق کی دعوت دے کر اس کے قبول کرنیکی طرف مدعو کرتے، اور آپ ہر وقت مذہب حق کی حقانیت اور دعوت إلی التوحید کے نعروں کو بلند کرتے رہے اور مجمع کا دل جیتتے رہے۔

(حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ) بندہ کی فراغت کے بعد ہی کا واقعہ ہے

جو بندہ کو من وعن یاد ہے ۶/ مئی ۱۹۸۵ء بروز اتوار کو مہاراشٹر کرناٹک کے ۵۰۰۰/ ہزار پنڈتوں اور سامیوں نے ایک عالمی جشن منایا جو ضلع بلگام شنکیشور کے قریب ایک دیہات نٹرسوی میں طے ہوا، جس میں چالیس ہزار عوام اور کچھ پنڈت جمع تھے، تمام پنڈتوں نے اپنے اپنے بیانات دیئے، جب سیدی ومرشدی والد صاحب کا نمبر آیا تو پنڈتوں کے صدر نے یہ کہہ دیا کہ میرا بھی وقت انہیں مہاراج صاحب کو دیا جائے گا۔

وقت آنے پر سیدی ومرشدی والد صاحب علیہ الرحمہ کرسی پر جلوہ افروز ہوئے، اور قولوا لا إله إلا الله والی حدیث اور خطبۂ مسنونہ کے بعد ﴿من أي شيء خلقه، من نطفة خلقه فقدره، ثم السبيل يسره، إلخ﴾ پڑھنے کے بعد تو کلاً علی اللہ صاف صاف توحید کی دعوت دی، اور مجمع سے یہ خطاب کیا کہ بھائیو! میں سچ کہتا ہوں تم خود اس مہا سامی سنت سے پوچھ لیں جس کی تم عبادت کرتے ہوں یہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے، ماں باپ کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جسکو ﴿من ماء مهين﴾ کہا جاتا ہے، اب تم کو تو اس کی عبادت کرنی چاہیے جس نے زمین وآسمان، چاند وسورج، ستارے ودرخت، مجھے اور تمھیں اور تمام سنتوں کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا، اس بات کے سنتے ہی اس صدر سامی نے تالیاں بجانی شروع کر دی، بھرے مجمع میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یہ مہاراج صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی سچ ہے، لیکن ہم اپنی قوم میں پھنس گئے ہیں اور پیٹ کے پجاری بن چکے ہیں پھر اس نے اس زمانے میں سیدی ومرشدی والد صاحب علیہ الرحمہ کو پانچ سو روپئے بطور انعام، شال اور پھل سے بھرا ایک ٹوکرا دیا، اور اس کے بعد اپنے تمام ساتھیوں کے دستخط کے بعد ایک سپاس نامہ بھی بھیج دیا، مجھے یاد پڑتا ہے کہ تین سو سے زائد افراد نے سیدی ومرشدی والد صاحب علیہ الرحمہ کے دستِ حق پر اسلام قبول کیا۔ اور بندے کی فراغت کے بعد ہی کا واقعہ ہے کہ ایک فوجی کرنل جو راجستھان کا تھا، اپنی بیوی اور پانچ بچوں کے ساتھ کسی غرض کے تحت سیدی ومرشدی والد صاحب علیہ الرحمہ کے پاس پہنچا، چند روز آپ کی خدمت میں رہا، اس کے بعد برضا ورغبت اپنی فیمیلی کے ساتھ اسلام قبول کیا سیدی ومرشدی والد صاحب علیہ الرحمہ نے اس کی اور اس

کے تین بچوں کی ختنہ بھی خود کروائی اور پھر روانہ فرمایا۔

صوبۂ کرناٹک کے ایک ضلع ''بلگام'' کے مضافات میں ایک شہر نپانی کی ''باغبان مسجد'' میں آپؒ کی سال بھر میں طلب پر اور بلا طلب بھی وقتاً فوقتاً اور بالخصوص رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی چار طاق راتیں متوسلین ومسترشدین کے استفادہ کیلئے وقف تھیں، پھر عید کے دو ایک روز قبل ادگاؤں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سوامی داعی کا واقعہ: نپانی ''باغبان مسجد'' کا واقعہ ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ باغبان مسجد کے کچھ فرلانگ پر ایک قریب ترین مندر میں طلبی ہوئی، اس طرح پر کہ مقامی حضرات کے ساتھ محوِ گفتگو تھا، ناگاہ ایک سوامی بشکل سادھو جلد بازی میں ایک نوشتہ رقعہ دے گیا، جس میں تحریر تھا کہ شب کا کچھ حصہ گذر جانے پر مندر میں تشریف لائیں، آپ کا منتظر ہوں، چنانچہ حسب وعدہ مذکورہ مندر کی طرف میں خود اکیلا ہی چل دیا، میں نے وہاں عجیب بات یہ دیکھی کہ سوامی داعی دن میں اپنی مبارک خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھ کر رات ہی میں اپنے خاص خاص پجاریوں کو کلمۂ شہادت کا اقرار لے رہا ہے، ملاقات کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھے اپنے حالات سے آگاہ فرمائیے، سوامی داعی نے بالتفصیل واقعہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ: مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء میں سے ہوں، اور ارشاد وتربیت کا فریضہ ایک مدت دراز سے انجام دیتا آرہا ہوں جس کو میں نے جزوِ زندگی اور اپنا حقیقی مشغلہ بنالیا ہے، اور میں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام کی ترویج کو اپنا نصب العین بنالیا ہے، اس مدت دراز میں خدائے تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ آج تک تین سوستر (۳۷۰) پجاریوں کو کلمہ گو بنا کر دائرۂ اسلام میں داخل کر چکا ہوں، میرے لئے کوئی خاص مندر اور کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہے، کبھی ایک مندر میں کبھی دوسرے میں، الغرض اس طرح مختلف مندروں میں اپنی خدمت انجام دے کر یہاں تک پہنچ گیا ہوں جس میں چند گنے چنے افراد دینِ حق سے برگشتہ بھی ہوگئے ہیں، بقیہ الحمدللہ دین حق پر ثابت قدم ہیں، خدائے پاک نے اس طرح خدمات دین پر مامور کیا ہے، نہ تو میری کوئی آل واولاد ہے اور نہ ہی میرا مکان، چونکہ مجھے آپ کے متعلق اشارۂ غیبی ہوا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے درجۂ ابدالیت میں رکھا ہے تو میں

آپ کو اپنے کلمہ گو ہونے پر گواہ بناتا ہوں کہ روز قیامت میں آپ گواہ رہو، حضرت قدس سرہ نہایت شاداں وخنداں فرمایا کہ بلاشبہ آپ کی خدمت قابلِ صد ہزار ستائش ہے۔ اللہ آپ کی جملہ مساعی قبول فرمائے۔ (آمین)

وفات: چونکہ آپؒ کے ساتھ اکثر وبیشتر بندہ (مولانا اسعد اللہ) اپنی اصلاح کی غرض سے بیٹھا رہتا تھا، ۲۸/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ کو معمول کے مطابق عصر کے بعد کی مجلس میں سیدی ومرشدی والد صاحب نے فرمایا: کہ ارے اسعد! میں نے گزشتہ شب میں موت وحیات کے تعلق سے استخارہ کیا تو یہ آواز کانوں میں تین مرتبہ پڑی ''چھ ہزار، چھ سو چھیاسٹھ'' جب میں رات میں تین بجے بیدار ہوا تو استخارہ پر غور کیا تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اتنے ہی گھنٹے کے آس پاس میری زندگی باقی ہے، چنانچہ ہوا بھی اسی طرح کہ ۱۷/ نومبر ۱۹۸۸ء مطابق ۶/ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ بروز پنجشنبہ بوقتِ ظہر ڈیڑھ بجے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. (مأخوذ از خدمات ابوالخیر غیر مطبوعہ)

۲۴ حضرت مولانا علی یوسف کاوی قدس اللہ سرہ

حضرت مولانا علی یوسف کاوی جامعہ کے عظیم فرزند، سادگی اور تواضع کے پیکر اکابر کی آخری یادگار تھے آپ نے بخاری شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ (تلمیذ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) سے پڑھی اس لحاظ سے آپ کا سلسلۂ سند حدیث عالی ہے اس کے باوجود تواضع کا یہ عالم تھا کہ اجازت حدیث سے احتراز فرماتے ۱۴۱۵ھ میں دارالافتاء جامعہ ڈابھیل کے چند طلباء اجازت حدیث اور عالی سند کے حصول کی غرض سے آپ کی بابرکت خدمت میں حاضر ہوئے جب ان طلباء نے حاضری کا مقصد ظاہر کیا تو مولانا نے فرمایا ''بچو! میں تو اپنے یہاں (دارالعلوم کنتھاریہ) سے فارغ ہونے والے طلباء کی سند پر دستخط نہیں کرتا آپ کو کہاں سند دوں'' حالانکہ حدیث شریف سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا۔ طلباء کو احادیث زبانی یاد کرانے کا خصوصی اہتمام فرماتے اور ایک نظام کے تحت متعدد طلباء بعد عصر آپ کے پاس جمع ہوتے اور احادیث یاد کرتے آپ کی تعلیم وتربیت، عالی اوصاف وخدمت کے متعلق اپنی طرف سے کچھ تحریر

کرنے کے بجائے ہمارے دو بزرگ (اول) حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی مدظلہ (فاضل جامعہ ڈابھیل) (دوم) حضرت مولانا عیسی منصوری چیئر مین ورلڈ اسلامک فورم لندن یو۔ کے کی تحریر پیش کرتا ہوں اول کا مضمون ماہنامہ ''صوت القرآن'' احمد آباد میں دوم کا ماہنامہ ''اذان بلال'' آگرہ میں دو قسطوں میں چھپا ہے۔ من وعن پیش کیا جاتا ہے۔

ایک ولی کامل کی وفات

از قلم: جناب مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رئیس جامعہ دار العلوم فلاح دارین ترکیسر

فصار عَلِيّ الى ربه :::و کان عليّ فتى دهره

رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں امت اسلامیہ جن مشاہیر علماء کی وفات کے صدمہ سے دوچار ہوئی ان میں مفتئ اعظم مولانا عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنیؒ اور مولانا علی بھائی کاویؒ کی وفات کا بہت عظیم نقصان ہے فانا لله وانا اليه راجعون

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحبؒ اور حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ کی شہرت پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہے ان کی عظیم علمی خدمات سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا شخص ناواقف ہوگا اور یقیناً ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جائے گا۔

یہ عاجز چند سطریں ایک گوشہ نشین، عالم باعمل، اور دین کے مخلص خدمت گذار ولیٔ کامل کے بارے میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہے عرب کے مشہور شاعر ابو العتاھیہ نے اپنے چند فوت شدہ احباب کی یاد میں چند دردناک اشعار کہے ہیں، جس کی ابتداء اس طرح کی ہے

اخ طالما سرني ذكره :::فقد سرت اشجى لدى ذكره

جس بھائی کے تذکرہ سے بسا اوقات ہم کو مسرت ہوتی تھی آج اس کی جدائی کے ذکر سے دل کو ٹھیس محسوس ہوتی ہے میں ان کے دولت کدہ پر حاضری دیا کرتا تھا مگر اب ان کی قبر کی زیارت کرنے جایا کرتا ہوں۔

اسی قصیدہ میں یہ شعر ہے

فصار علی الی ربه :::و کان علی فتى دهره

علی اپنے رب کے حضور چلے گئے:::اور علی اپنے زمانے کے باہمت نوجوان تھے

حضرت مولانا علی بھائیؒ کے ساتھ اس ناچیز کو قلبی محبت تھی اور ان کی بزرگی اور تقوی والی زندگی کی ہمیشہ عظمت محسوس کرتا رہا...... مولانا مرحوم کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کے بارے میں بندہ کی زیادہ واقفیت نہیں البتہ مولانا مرحوم کے صدیق حمیم مولانا حکیم سلیمان راوت جیتالویؒ مولانا مرحوم کے ڈابھیل کی طالب علمی کے زمانے کے بارے میں فرماتے تھے کہ: مولانا ابتدائی زمانۂ طالبعلمی سے محنتی اور اساتذہ کے خدمت گذار رہے ہیں۔

حسن اتفاق سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں اپنے دور کے اساطین علم وفضل حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، بابا عبد الرحمٰن امروہویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا سراج احمد رشیدیؒ ودیگر علم فضل کے آفتاب ومہتاب جمع ہوگئے تھے یہی دور زرین مولانا علی صاحبؒ کی طالب علمی کا دور تھا۔

مولانا محمد ناظم ندویؒ جیسے عربی کے مشہور ادیب سے عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کر کے ہر سال ممتاز نمبروں سے کامیاب ہوتے ہوئے مذکورہ بالا مشائخ سے علمی پیاس بجھاتے رہے۔

مولانا علی صاحبؒ کے رفقاء میں مولانا عبد الغنی کاوی صاحبؒ، مولانا عبد الحی بسم اللہ صاحبؒ مولانا حکیم سلیمان جیتالویؒ، مولانا ابو الشفاءؒ وغیرھم ممتاز طلبہ تھے ان میں سے اکثر فراغت کے بعد مختلف درسگاہوں میں سالہا سال علمی خدمات میں لگے رہے۔

حکیم صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ طالب علمی کے زمانہ میں ہی مولانا علی کاوی صاحبؒ میں عربی زبان کا بہت اچھا ذوق پیدا ہوگیا تھا اور بعض مرتبہ امتحان کے پرچہ بھی عربی میں لکھتے تھے اس کے ساتھ درس کی پابندی اور پنج وقتہ نمازوں میں حاضری بھی مسلسل رہتی تھی اور اساتذہ مولانا کی اس علمی اور عملی حالت سے خوش رہتے تھے مولانا مرحوم کی عمدہ علمی استعداد کے باوجود وہ کئی سال اپنے گاؤں میں بہت معمولی تنخواہ پر گذارہ کرتے ہوئے ابتدائی تعلیمی خدمات دیتے رہے حالانکہ ان جیسے ہونہار اور شریف الطبع عالم کے لئے بڑے عربی مدارس میں سہولت سے جگہ نکل سکتی تھی یہ ان کے

اخلاص اور تواضع کی برکت تھی کہ وہ گاؤں میں دلجمعی سے تعلیمی کام کرتے رہے۔

پھر جب دار العلوم العربیۃ الاسلامیہ کنتھاریہ کا قیام ہوا مولانا رحمہ اللہ کو وہاں باصرار بلایا گیا اور الحمد للہ وہاں مولانا کے علمی جوہر خوب ظاہر ہوئے اس درسگاہ میں مولانا نے درس نظامی کی کئی کتابیں پورے انہماک سے پڑھائیں درس وتدریس کے ساتھ مولانا رحمہ اللہ نے طلباء کی دینی تربیت اور دعوتی ذوق پیدا کرنے پر بھی بہت جانفشانی فرمائی۔ مولانا نے درس وتدریس کے علاوہ دار العلوم کے انتظامی کاموں میں بھی بھرپور حصہ لیا ارباب دار العلوم مولانا کے گرانقدر مشوروں سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہے۔

علم وعمل کی اس بلندی پر پہنچنے کے باوجود مولانا نے جو متواضع زندگی اختیار کر رکھی تھی اسکی مثال موجودہ دور میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے ہم نے بارہا دیکھا کہ جلسوں میں اور علماء کی مختلف مجالس میں مولانا ہمیشہ ایک طرف بیٹھ جاتے اور اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے بود وباش میں بھی انتہائی درجہ کی سادگی اور تصنع سے پاک زندگی اختیار کئے رہے۔

مولانا مرحوم طالب علمی کے دور ہی سے تہجد کے پابند تھے عمر کے ساتھ ساتھ یہ ذوق عبادت ترقی کرتا ہی رہا ہم نے رمضان المبارک کی راتوں میں دیکھا کہ عشاء کے بعد سے سحری تک مختلف طلباء کمرے میں آتے اور ایک ایک پارہ نوافل میں سنا کر چلے جاتے اور مولانا سحری تک اس طرح نوافل میں مشغول رہتے۔ دعاؤں میں مولانا پر عجیب کیفیت طاری ہوتی بعض مرتبہ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔

مولانا بہترین مقرر بھی تھے۔ سالہا سال تبلیغی ودعوتی کاموں میں وقت لگا چکے تھے اور دینی باتوں کو دل نشیں، عام فہم انداز میں پیش کرنے کے عادی تھے اور چونکہ مولانا اخلاص سے بھرپور تھے ان کی باتوں میں بھی کافی اثر رہتا تھا جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔۔۔۔

دوسرا ایک خاص وصف مولانا میں یہ تھا کہ اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانے میں اور انکی ہمت افزائی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ کوئی شخص ان سے عمر میں کتنا ہی چھوٹا ہو اور شاگرد بھی ہو اس کو آگے کرنے کی سعی فرماتے۔ اس دور میں یہ خوبی کم دیکھنے میں آتی ہے۔ کتابوں کی تقسیم ہو یا اور کوئی

مسئلہ کبھی کسی سے الجھاؤ نہیں ہونے دیتے۔

مولانا کو قران مجید کے مطالعہ اور اسکے معانی ومطالب پر غور کرنے کا بھی ایک خاص ذوق تھا۔ کبھی مجلس میں کسی آیت پر گفتگو فرماتے تو محسوس ہوتا کہ مولانا قران مجید کا گہرہ مطالعہ فرماتے ہیں مولانا بہت صائب الرائے شخص تھے۔ اسی گجرات کے کئی بڑے ادارے حضرت کی رائے اور مشوروں سے مستفید ہوتے رہے آج یہ سارے ادارے زبان حال سے کہتے ہیں

وماكان قيس هلكه هلك واحد　　　ولكنه بنيان قوم قد تهدما

قیس کی وفات صرف ایک شخص کی وفات نہیں ہے (بلکہ اسکی وفات سے) ایک قوم کی بنیاد ڈہل گئی ہے

مولانا مرحوم طبقہ علماء کی مالی خدمت سے بھی مسرت محسوس فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ اپنے ملنے والے اہل علم کو خاموشی سے گرانقدر عطیات سے نوازتے تھے جس کا نہ تو کبھی تذکرہ فرماتے اور نہ تو احسان جتاتے معلوم نہیں اب کتنے ضرورت مند مولانا کی اس پوشیدہ داد ودہش سے محروم ہو جائینگے۔ مولانا علی بھائی نے اس طویل زندگی میں حتی الامکان دین کی خدمت کرنے کی سعی فرمائی اور ہم سب کے لئے ایک مثالی عملی زندگی چھوڑ گئے ہیں اللہ تعالی ان کی عظیم خدمت کو شرف قبولیت بخشے اور انکے درجات بلند فرمائے آمین

دنیا میں ہر آنے والے کو اس راہ سے گذرنا ہے۔ اللہ تعالی کی ہی ذات باقی ہے باقی سب فنا ہی فنا ہے

اَلا اِنَّنا کُلّنا بائِد۔۔ واَيّ بني آدمَ خالدٌ !۔........وبدءُ هم کان من ربِّهم ..و كلٌّ الى ربِّه عائِدُ

اللہ تعالی سے دعاء کرتے ہیں کہ وہ رب کریم مولانا مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ نصیب فرماوے اور جملہ پسماندگاں، تلامذہ، احباب کو صبر جمیل عطا فرماوے نیز مولانا جیسی پاکیزہ دینی زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرماوے آمین۔ (صوت القرآن فروری ۲۰۰۲ء) (مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ کا مضمون ختم ہوا)

گجرات کی ایک نابغۂ روزگار شخصیت حضرت مولانا علی یوسف کاوی قدس اللہ سرہ

از قلم: مولانا محمد عیسی منصوری چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم لندن

دعوت وتبلیغ کا ریزروبینک: گجرات کے ضلع بھروچ کے تعلقہ جمبوسر کو یہ شرف حاصل ہے کہ گجرات میں سب سے پہلے یہاں کے لوگوں نے تبلیغی جماعت کے کام پر لبیک کہا اور عملی طور پر قربانیاں دیکر دینی ماحول قائم کیا، حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ جمبوسر تعلقہ کے پانچ قصبات کاوی، سارود، خانپور، دیولا، بھڑکودرا کو اپنا ریزروبینک فرمایا کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان پانچ قصبات کے لوگوں نے ابتداء میں تبلیغ میں بیش بہا قربانیاں دیں خاص طور پر کاوی کے حاجی موسی بابر صاحب دعوت وتبلیغ کے سرخیل اور پورے گجرات کے تبلیغی جماعت کے سرکردہ اور اہم ترین ذمہ دار مانے گئے۔ حاجی صاحب نے اس علاقے کے سیکڑوں ماں باپ کو آمادہ کر کے ان کے بچوں کو دینی مدرسہ میں بھجوایا انشاء اللہ جمبوسر تعلقہ کے سیکڑوں علماء قیامت کے دن حاجی صاحب کے نامہ اعمال میں ہونگے تبلیغی کام سے پہلے حاجی موسی بابر حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کو اس علاقہ میں لائے اور آپ کے ساتھ ایک خادم کی حیثیت سے رہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے تعلق باللہ کا یہ عالم تھا کہ آپ بھروچ ضلع کے جس جس حصہ سے گذرے جہاں جہاں قیام کیا یا نمازیں پڑھیں وہاں دینی مدرسے مراکز اور جامعات بن گئے اور اس علاقہ نے تبلیغ ودعوت کے کام میں پیش قدمی کی۔ حاجی موسی بابر صاحب حضرت مولانا علی یوسف کے خاص الخاص ہم راز اور رفیق اور ہر وقت کے حاضر باش تھے اکثر دینی مسائل اور گاؤں (کاوی) کے معاملات میں دونوں بزرگ کثرت سے مشاورت اور مل جل کر جدوجہد کرتے تھے۔

بندہ کا کاوی کو وطن بنانا اور حضرت مولانا علی یوسفؒ سے ملاقات: میری پیدائش مہاراشٹر کے ضلع امراوتی کے شہر قصبہ وتعلقہ دریاپور کی ہے ۱۹۵۹ء میں جب اردو اسکول کی آٹھویں درجہ کا طالب علم تھا والد مرحوم جون، جولائی کی تعطیلات میں کاوی لے آئے میرے والد مرحوم محمد موسی منصوری عرف شیخ لعل ۱۹۵۴ء میں تبلیغی جماعت سے آشنا ہوئے اور غالباً ۱۹۵۶ء میں بھوپال کے اجتماع سے چار ماہ کی پیدل جماعت میں مدراس کے لئے نکلے اس جماعت میں کاوی کے حاجی موسی بابر بھی تھے اور اس جماعت کے امیر نظام الدین دہلی کے مشہور بزرگ اور داعی الی اللہ منشی اللہ داتا صاحب تھے جو حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفۂ مجاز اور نہایت ذاکر، شاغل

اور بے باک وجرأت مند شخص تھے اور چار ماہ ختم ہونے کے بعد حاجی موسی بابر صاحبؒ نے والد صاحب کو کاوی آنے کی دعوت دی اس وقت کاوی میں تبلیغی کام کی برکت سے کافی دین داری کا ماحول قائم ہو رہا تھا، تبلیغی جماعت میں لگنے کی برکت سے والد مرحوم کا دل دنیا داری سے اچاٹ ہو گیا اور آخرت کی فکر پیدا ہو گئی خاص طور پر بچوں کے بارے میں فکر مند ہو گئے کہ مہاراشٹر کے ماحول میں بچوں میں دین داری نہیں آپائے گی والدؒ نے اونے پونے داموں میں وسیع کاروبار فروخت کر کے دینی ماحول اور ہم لوگوں کی دینی زندگی کی خاطر کاوی کو وطن بنانے کا فیصلہ کرلیا اور اپنے اہل خانہ پر زور ڈالنے لگے کہ مہاراشٹر کی سکونت ترک کر کے کاوی آکر رہنے لگیں۔

حضرت مولانا کا مجھے عصری تعلیم سے دینی تعلیم کی طرف لانا: ۱۹۵۹ء میں جب بندہ اسکول کا طالب علم تھا اور اسکول میں نہایت امتیازی نمبرات سے پاس ہوتا تھا جس کی وجہ سے تمام اساتذۂ کرام کی نہایت شفقت ومحبت حاصل تھی اسکول کے اساتذہ (یعنی ٹیچرس) کا کہنا تھا کہ تم مولوی بن کر کیا کروگے یہاں تمہارا مستقبل نہایت روشن ہے خود میری دلچسپی بھی عصری تعلیم کے حصول میں تھی اور میرا ذہن دینی تعلیم کے حصول سے اباء کرتا تھا اس حالت میں مئی، جون کے اسکول کی تعطیلات میں والد مرحوم کاوی لے آئے، اب الحاج موسی بابر اور مولانا علی یوسف نے مختلف حیلوں سے دینی تعلیم کے حصول کے لئے بندہ کا ذہن بنانا شروع کر دیا اس وقت میں اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ دونوں بزرگ مجھے مولوی ملا بنا کر میری زندگی خراب کرنا چاہتے ہیں اس لئے انہیں اپنی جہالت سے سخت سست بھی کہہ دیا کرتا تھا اللہ تعالی ان دونوں بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھر دیں انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور مجھ پر برابر کوششیں جاری رکھیں تا آنکہ میں اس شرط پر دینی مدرسہ میں داخلہ پر آمادہ ہوا کہ ایک ماہ مدرسہ میں داخل ہو کر دیکھونگا اگر مجھے پسند نہ آیا تو میں واپس مہاراشٹر چلا جاؤنگا اور عصری تعلیم کی تکمیل کرونگا اس پر دونوں بزرگوں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ اس طرح کاوی میں اپنے اور مولانا علی یوسف سے تعلق کی سبیل پیدا ہوئی۔

میرے دینی تعلیم کے حصول کے لئے مولانا کی فکر مندی: اب مولانا علی یوسف اور حاجی موسی بابر کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ کس مدرسہ میں داخل کیا جائے جہاں میرا دل لگ جائے ساتھ ہی مولانا

علی یوسفؒ نے امتحان لے کر یہ معلوم کرلیا کہ میری اردو بہت عمدہ ہے اس لئے مولانا نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے چند ہفتہ فارسی پڑھا کر براہ راست عربی میں داخل کروائینگے تا کہ میری تعلیم کے دو سال بچ جائیں کاوی میں از راہ کرم حضرت مولانا علی یوسف نے اپنے گھر کے ساتھ ہی ایک کمرہ رہائش کے لئے عطا کر دیا جہاں بندہ کی فیملی رہنے لگی اگر چہ حضرت مولانا علی یوسف عمر اور علم وفضل میں میرے والد اور اساتذہ کے برابر تھے مگر انہوں نے میرے ساتھ شروع سے ہی ایک رفیق اور دوست کا معاملہ روا رکھا اور ہر وقت میری دل جوئی فرماتے تا کہ میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے دلجمعی سے تیاری کروں ۔ واقعہ یہ ہے کہ میری دینی تعلیم کے حصول کے لئے آمادہ ہونے میں سب سے بڑا حصہ حضرت مولانا کے کریمانہ اخلاق اور ان کے فرشتہ خصال اوصاف اور ان کی محبت اور تعلق کا ہے اگر مجھ سے زندگی میں کوئی خیر کا کام وجود میں آیا تو اس میں بھی سب سے زیادہ حصہ حضرت مولانا ہی کا ہے۔

حضرت مولانا کے متعلق بندہ کا تأثر: مدرسہ میں داخلہ سے پہلے کاوی میں چند ہفتہ رہنا ہوا اب رات دن حضرت مولانا کی معیت رفاقت اور مجلس میسر تھی آہستہ آہستہ آپ کی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے گئے جتنا زیادہ حضرت مولانا سے قرب ہوتا گیا حیرانی بڑھتی گئی یا اللہ کیا آج کی دنیا میں کوئی انسان ان صفات واخلاق وعادات کا بھی ہوسکتا ہے، مولانا اوصاف وکردار کے لحاظ سے قرون اولی کی شخصیت نظر آئے آج بھی جب کے خدا کے فضل اور حضرت مولانا کی تربیت اور توجہ سے عرب وعجم کے چالیس سے زیادہ ملک میں بار بار جانے اور وہاں علماء ومشائخ اور اہل اللہ کو قریب سے دیکھنے کے مواقع میسر آئے اور حضرت مولانا علی یوسفؒ کے بارے میں میرا یہ احساس وتأثر برقرار ہے کہ اپنی پوری زندگی میں حضرت مولانا کے فرشتہ خصال اوصاف واخلاق اور اتباع سنت کا عشق رکھنے والے گنتی کے چند افراد دیکھے ہونگے ان میں بھارت کے حضرت جی مولانا یوسفؒ، حضرت مولانا سعید احمد خانؒ، حضرت مولانا محمد صدیق باندویؒ اور مولانا علی یوسف شامل ہیں۔

حضرت مولانا کا مجتہدانہ طریقۂ تعلیم: حضرت مولانا علی یوسف صاحب ہر طالب علم کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر اس کے لئے مناسب طریقۂ تعلیم اختیار کرتے اس میں انہیں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی ایک دن بندہ کو فرمایا کہ اگر چند ہفتہ فارسی اسباق پڑھ لو تو مدرسہ کے دو سال (فارسی اول ودوم) بچ جائیں گے اور آپ کا داخلہ براہ راست عربی اول میں ہو جائیگا چنانچہ بندہ نے منشی عیسی بھائی مرحوم کے پیغام آفس میں روزانہ گھنٹہ دو گھنٹہ مولانا کے پاس جانا شروع کر دیا مولانا نے باتوں باتوں میں آمدن سی لفظی سے لے کر پند نامہ عطار تک پڑھا دی کبھی گفتگو فارسی میں کر کے اندازہ لگا لیتے کہ میں کس درجہ میں کتابوں کو سمجھ کر اخذ کر رہا ہوں، میرے امتحان میں بھی عجیب مجتہدانہ طرز اختیار کیا کاوی کے ہائی اسکول کے مسلمان بچوں نے حضرت مولانا کے کہنے پر بحیثیت زبان کے سنسکرت کے بجائے فارسی کا انتخاب کیا تھا ان اسکول کے اسٹوڈنس کا ایک پریڈ دو پہر بعد مولانا کے پاس ہوتا وہ لوگ پیغام آفس میں آجاتے اور مولانا وہیں ۳۰/۴۰ منٹ پڑھا دیتے ایک دن مجھے فرمایا آپ کا امتحان یہی ہے کہ ان اسکول کے طلباء کی فارسی کتاب سے امتحان کا پرچہ تیار کرو بندہ نے کتاب سامنے رکھ کر اپنی سمجھ کے اعتبار سے سوال نامہ تیار کر دیا خوش ہو کر فرمایا آپ امتحان میں کامیاب ہو گئے اور انعام بھی دیا۔

کاوی کا دار الندوہ یا ایک علمی فکری ودعوتی نشست گاہ: حضرت مولانا نے اپنے مکان کا نچلا حصہ (گراؤنڈ فلور) کا کچھ حصہ بطور دکانوں کے کرایہ پر چڑھا رکھا تھا اسی میں حضرت مولانا نے ایک چھوٹی سی مردانہ بیٹھک بنالی تھی جہاں اکثر حاجی موسی بابر تشریف فرما ہوتے، تیسرا خود بندہ ہوتا اس نشست میں دینی علمی مسائل زیر بحث آتے اور تبلیغی کام کے متعلق غور وفکر اور مشورے ہوتے غرض یہ چھوٹی سی علمی ودعوتی نشست گاہ ہوتی ۔کبھی باہر کے کوئی عالم آجاتے یا اسماعیل خباب صاحب (مولانا احمد لاٹ کے خسر صاحب) تشریف لے آتے، اس نشست میں کبھی مولانا الیاسؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے کبھی بھوپال کے مشہور مجددی بزرگ شاہ محمد یعقوب مجددیؒ کے متعلق حضرت مولانا علی میاںؒ کی ''صحبتے با اہل دل'' ۔کبھی ''مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت'' اس طرح حضرت مولانا کے پاس متعدد دینی رسائل آتے الفرقان (لکھنؤ) البعث الاسلامی (لکھنؤ) وغیرہ وغیرہ ۔کبھی ان میں سے کوئی مضمون پڑھا جاتا، اس کے ساتھ ساتھ یہ دونوں بزرگ تبلیغی کام کے متعلق مشورے فرماتے ۔حاجی موسی بابر صاحب کو حضرت مولانا کی اصابت رائے پر پورا بھروسہ ویقین تھا وہ اپنے ذاتی وخاندانی مسائل ہوں یا گجرات کے تبلیغی کام کے متعلق مسائل، مولانا کے

سامنے رکھ کر ان سے مشورہ کے طلب گار ہوتے اسی طرح کاوی کے مسلمانوں کے دینی تعلیمی وسماجی مسائل پر گفتگو ہوتی اور فکر کی جاتی، کبھی کسی نادار بچے، بچی کی شادی کی فکر درپیش ہوتی، کبھی گاؤں کے بچوں کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے گجرات کے بڑے مدارس میں بھیجنے کے متعلق۔ مشورے صرف مشورے نہیں بلکہ ان کے ماں باپ کو راضی کرتے اور مدرسہ میں داخلہ لے کر ان کی مالی ضروریات یہ بزرگ اپنی جیب سے پوری کرتے، غرض حضرت مولانا علی یوسفؒ کی یہ چھوٹی سی نشست گاہ ایک علمی اور روحانی مجلس بھی ہوتی تبلیغی مشورہ بھی اور گاؤں کے مسائل کے لئے پنچایت بھی۔

حضرت مولانا علی یوسفؒ کے چند امتیازی اوصاف: سنت نبوی کا اتباع گویا حضرت مولانا کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور آپ کی عادت ثانیہ بن گیا تھا مولانا کے ہر عمل میں سنت نبوی ﷺ کے اتباع کا لحاظ ہوتا اگر آپ سے بے ساختہ بھی کوئی عمل صادر ہوتا تو اس میں بھی سنت کا اتباع نہ چھوٹتا، ایسا محسوس ہوتا کہ سنت نبوی ﷺ کا اتباع حضرت مولانا کی خمیر میں گوندھ دیا گیا ہو چھوٹی سے چھوٹی سنت کا لحاظ فرماتے بندہ نے اپنی زندگی میں اس طرح سنت نبوی ﷺ کا اہتمام کرنے والے گنتی کے چند بزرگ دیکھے ہیں مولانا کی چال تیز رفتار، نیچی نگاہ، راستہ کی ایک جانب لیکن بچوں تک کو سلام کرنے میں سبقت لے جاتے، بہت کم دوسرا اسلام میں پہل کر پاتا حدیث میں سرور دو عالم ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ آپ کنواری لڑکیوں سے زیادہ حیا فرماتے یہی حال حضرت مولانا کا تھا بندہ نے اپنی زندگی میں اتنا باحیا شخص شاید ہی کوئی دیکھا ہو۔ آپ گفتگو نہایت دھیمے لہجے میں اور نہایت شریں انداز میں فرماتے، مخاطب خواہ بے پڑھا لکھا یا بچہ ہی کیوں نہ ہو اس کا انتہائی احترام ملحوظ رکھتے مولانا کی زبان سے کبھی کوئی غیر ثقہ یا مبتذل لفظ نہیں سنا گفتگو تو نہایت ہی باوقار اور سنجیدہ انداز میں فرماتے چونکہ آپ کے دل میں ہر شخص کی سچی خیر خواہی ہوتی، اس لئے آپ کی گفتگو، نصیحت، سمجھانا انتہائی مؤثر ہوتا مخاطب فوراً مولانا کی بات مان لیتا، اس طرح حضرت مولانا کی تقریر و بیان ما قل و دل کا بہترین نمونہ ہوتا۔ پندرہ، بیس منٹ میں وہ باتیں کہہ جاتے جو دوسرا گھنٹوں کی تقریر میں کہہ نہیں پاتا۔ آپ کے بیان کی مٹھاس ہر شخص کے دل میں اتر جاتی ویسے حضرت مولانا تقریر کرنے سے بہت کتراتے تقریر و بیان کے موقعہ پر اکثر چھوٹوں کو آگے کر دیتے اگر میں ہمراہ ہوتا تو مجھے آگے کر دیتے بیان نہایت غور سے سنتے بعد میں ہمت افزائی کے کلمات فرماتے اگر اصلاح کے لائق کوئی بات ہوتی تو نہایت باوقار اور شیریں انداز میں اصلاح فرماتے، کاوی کے لوگ مہینوں تک حضرت مولانا کی تقریر کے منتظر و مشتاق رہتے بہت ہی شدید اصرار پر بیان کے لئے آمادہ ہوتے کبھی خود کسی بات کے کہنے کی ضرورت محسوس فرماتے تو بیان کرتے آپ جب بیان کے لئے کھڑے ہوتے تو سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو جاتا اور یہ منظر ہوتا

؎ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

ہر کوئی خواہش کرتا کہ کاش مولانا بولتے جائیں کاش! اب کے مولانا تفصیلی خطاب کریں مگر مولانا پندرہ، بیس منٹ میں بات ختم کر دیتے لوگوں کو تشنگی کا احساس برقرار رہتا، عصر کی نماز کے بعد اکثر تفریح کے لئے جمبوسر وبھروچ جانے والی روڈ پر بندہ کو مولانا کی رفاقت میسر آتی، چلتے ہوئے اکثر اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے کبھی درمیان میں کوئی کام کی بات، قیمتی نصیحت یا علمی نکتہ فرماتے جاتے حضرت مولانا فطرۃً بہت کم گو واقع ہوئے تھے لیکن جو بات فرماتے وہ نوٹ کرنے کے قابل ہوتی جب فرصت ہوتی دینی ماہنامے سے کوئی مضمون یا کوئی کتاب بندہ سے پڑھواتے نہایت غور و توجہ سے سنتے درمیان میں کوئی ایسا مضمون یا بات آجاتی جو میرے لئے مفید ہوتی تو اسے دوبارہ پڑھواتے اور مختصر طور پر اس کی وضاحت فرماتے مقصد یہ ہوتا کہ میں اس بات سے سرسری طور پر نہ گذر جاؤں بلکہ زندگی کے لئے گانٹھ باندھ لوں۔ چند بار حضرت مولانا کے ہمراہ صبح کی نماز کے بعد آپ کے کھیت کی طرف جانا ہوا کھیت میں پہنچ کر مولانا سب سے پہلے دو رکعت نماز نہایت اطمینان و خشوع سے ادا فرماتے اس کے بعد کچھ دیر ذکر و دعا میں مشغول رہتے گھوم پھر کر کھیت دیکھتے وقت ہو جاتا تو چاشت کے نوافل ادا فرماتے کوئی کھانے کی چیز ہوتی تو توڑ لیتے واپسی پر راستہ میں جو بچہ سامنے آجاتا اس کو دے دیتے، گاؤں میں جو بیمار ہوتا اس کی عیادت کرتے، ضرورت محسوس فرماتے تو اس کی دوا دارو کے لئے مالی امداد فرماتے، اس کے لئے کوئی مناسب ڈاکٹر تجویز کرتے، حدیث شریف میں ہے کہ

صدقہ اس طرح کرو کہ داہنے ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو اس حدیث کا صحیح مصداق حضرت مولانا کو پایا، اگر رات میں خبر ہوتی کہ کسی کا انتقال ہو گیا چپکے سے رات گئے یا صبح سے پہلے پہنچ کر حالات کا جائزہ لیتے، کفن دفن کے انتظامات دیکھتے، غریب اور ضرورت مند ہوتا تو اپنی جیب سے رقم حوالے کر دیتے، مولانا کی آمدنی کا اکثر حصہ گاؤں کے فقراء و غرباء اور ضرورت مندوں میں اس طرح خرچ ہوتا کہ کسی کو خبر نہ ہوتی۔ اگر کوئی غریب شخص تبلیغی جماعت میں جا رہا ہوتا ضرورت محسوس کرتے تو اس کی بھی چپکے سے مدد فرماتے، بندہ کے پڑھنے کے زمانہ میں کئی بار بڑی بڑی رقمیں اصرار سے میری جیب میں ڈال دیتے۔ اس دور میں حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ مختلف علاقوں میں تبلیغی دورہ فرماتے رہتے تھے، ایک بار جمبوسر میں مولانا کا پروگرام تھا مولانا پالنپوریؒ کی تقریر بہت جامع اور مدلل تھی واپسی پر حضرت مولانا نے فرمایا کاش! کوئی قلمبند کر لیتا دو تین دن بعد بندہ نے اپنی یادداشت سے تقریر قلم بند کر کے خدمت میں پیش کر دی جو تقریباً ۳۰ صفحات کے لگ بھگ تھی دیکھ کر باغ باغ ہو گئے فرمایا بھئی ایسا لگتا ہے کہ تم نے کوئی لفظ نہیں چھوڑا، دعا دی کہ اللہ تمہاری یادداشت میں مزید ترقی دیں۔ ہمت افزائی کے کلمات فرماتے رہے بھئی (لفظ بھائی کا مخفف ہے) گویا حضرت مولانا کا تکیۂ کلام تھا ہر شخص کو اس لفظ سے مخاطب فرماتے حتی کہ اپنے بچوں کو بھی اس لفظ سے مخاطب فرماتے۔

حضرت مولانا کا تبلیغی جماعت کے ساتھ گہرا تعلق: تبلیغ و دعوت کا کام حضرت مولانا کے دل و دماغ میں پیوست تھا آپ اس عمومی کام کو مسلمانوں کے لئے نہایت مفید اور ضروری سمجھتے آپ نے ہندوستان کے باہر جب کبھی سفر کیا دعوت الی اللہ و تبلیغی جماعت کی خاطر کیا۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ مولانا کا بہت اکرام فرماتے، مولانا بھی حضرت جیؒ کے ساتھ بہت والہانہ تعلق رکھتے اس طرح گجرات کے سب تبلیغی ذمہ دار حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ، قاضی عبد الوہابؒ، یوسف بھائی ڈرائیورؒ، حاجی علاؤ الدین بھائی، فضل کریمؒ حضرت مولانا کو اپنا بزرگ و سرپرست گردانتے، حضرت مولانا بھی ان سب تبلیغی اکابرین اور تمام کام کرنے والے احباب سے دلی تعلق رکھتے، خاص طور پر بھائی فضل کریم کے بہت قدر دان اور ان کی خداداد صلاحیتوں کے دل سے معترف تھے، غالباً ۱۹۵۹ء میں ہندوستان سے مراکش کی پہلی جماعت مولانا لے کر گئے اس سفر میں حضرت مولانا کے رفقاء میں

سورت شہر کے ذمہ دار میاں محمد چانپڑیا نے ایک دن بندہ سے کہا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں حضرت مولانا علی یوسف جیسا ولی کامل نہیں دیکھا نہ ایسا متحمل مزاج، شریں زبان امیر دیکھا نہایت نرم مزاج، کشادہ رو، ذاکر و شاغل، رفقاء کا ہر وقت واز حد خیال رکھنے والے، مولانا پر پورے سفر میں ہر وقت اپنے ساتھیوں کی تربیت اور انہیں راحت پہنچانے کا فکر سوار رہتا خدمت کے موقعہ پر خود سب سے آگے رہتے، اس سفر میں جماعت کے ساتھیوں نے عربی زبان کی کافی سدھ بدھ حاصل کر لی تھی غالباً حضرت مولانا کا آخری بیرونی سفر بھی تبلیغ کے ہی سلسلہ میں جزیرۂ فیجی کا ہوا تھا، یہ عجیب حسن اتفاق، مراکش عالم اسلام کا انتہائی مغرب کا ملک جسے آج کل مراکش کے بجائے المغرب ہی کہا جاتا ہے اور فیجی دنیا کا انتہائی مشرق کا ملک ہے۔ گویا حضرت مولانا نے دعوت الی اللہ کے خاطر مشرق و مغرب چھان مارا ویسے دنیا بھر کے لوگ حضرت مولانا کو نہایت اصرار سے اپنے ہاں آنے کی دعوت دیتے رہتے خاص طور پر اہل لندن کا عرصۂ دراز سے برطانیہ کے سفر کا شدید اصرار رہا اور وہ اس کے خاطر مولانا کی ہر شرط ماننے کے لئے آمادہ رہے مگر حضرت مولانا زندگی بھر دعوت کے علاوہ کسی اور سفر کے لئے تیار نہیں ہوئے سنا ہے کہ جب مختلف ملکوں کے لوگوں کا اصرار بہت بڑھا تو مولانا نے اپنا پاسپورٹ پھاڑ دیا حتی کہ دار العلوم کنتھاریہ کے مہتمم مولانا اسماعیل منوبری تک بھی حضرت مولانا کو بطور مہمان یا سیاحت کے لئے انگلینڈ کے سفر پر آمادہ نہ کر سکے کیا اس دور میں اس کی کوئی مثال ملے گی؟

حضرت مولانا کا دار العلوم کنتھاریہ آنے کے لئے آمادہ ہونا: دار العلوم کنتھاریہ بھروچ ضلع کا سب سے بڑا دینی مدرسہ ہے جس میں تقریبا تین ہزار کے لگ بھگ طلباء زیر تعلیم ہیں اس کے سالانہ اخراجات تقریبا دار العلوم دیوبند کے برابر ہیں۔ یہ مدرسہ ۱۹۷۰ء میں شروع ہوا مولانا نے مدرسہ کھلنے سے پہلے کاوی کے ۱۲/۱۵ اطلباء کی جماعت کو چند ہفتہ پڑھا کر عربی اول کے لئے تیار کر دیا اس کے لئے مولانا نے کاوی کی جامع مسجد میں وقتی طور پر کلاسیں شروع کیں اور مختلف حضرات کو آمادہ کر کے کتابیں تقسیم کر دیں ۲/۳ کتابیں حضرت مولانا نے خود پڑھائیں، ایک اردو کتاب میرے ذمہ بھی تھی، اس جماعت کے طلباء میں کاوی کے مولوی انور علی، اس دار العلوم میں آج بخاری شریف پڑھا رہے ہیں حضرت مولانا کی کاوش کی بدولت پہلے ہی سال مدرسہ عربی دوم تک شروع ہوا بندہ کے

ذمہ عربی اول کا درجہ تھا، حضرت مولانا اسوقت کاوی ہی میں رہتے تھے، کاوی کے باشندے کسی حال میں حضرت مولانا کو چھوڑنے یا آپکے فیوض سے محروم ہونے کے لئے تیار نہیں ہورہے تھے۔

کنتھاریہ کے مہتمم مولانا آدم منوبری اور دوسرے حضرات کا اصرار بڑھتا جارہا تھا لیکن مولانا آمادہ نہیں ہورہے تھے ایک نشست میں حاجی موسی بابر صاحب اور بندے نے زور دیکر کہا کہ مولانا آپ کاوی چھوڑ کر کنتھاریہ نہیں آئے تو ضلع کے بچے علم تو پڑھ لیں گے مگر ان کا دعوتی و تبلیغی مزاج نہیں بنے گا بلکہ ہوسکتا ہے بعض علماء کی وجہ سے وہ مدرسہ میں پڑھ کر تبلیغی کام کے مخالف بنیں۔ اس کے اثرات صرف ضلع پر ہی نہیں بلکہ نہ جانے کہاں کہاں پہنچیں گے، اس پر غور فرمالیں، تبلیغی کام کی محبت مولانا کے روئیں روئیں میں سرایت کی ہوئی تھی، ہم لوگ (حاجی موسی بابر اور بندہ) جانتے تھے کہ مولانا کو کنتھاریہ کے لئے راضی کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے، بالآخر حضرت مولانا نے آمادگی ظاہر فرمادی۔

حضرت مولانا کی ٹھوس علمی استعداد: کنتھاریہ دارالعلوم میں حضرت مولانا کی تشریف آوری کے بعد ہی صحیح معنی میں یہ مدرسہ مدرسہ بنا اس کے بعد تقریباً تیس سال تک یہ حال رہا کہ مدرسہ ایک قالب تھا اور حضرت مولانا یوسف ؒ اس کی روح۔ حضرت مولانا کی زیادہ تر توجہ ابتدائی درجات کے طلباء کی ذہنی و علمی تربیت پر رہتی دارالعلوم میں حضرت مولانا سے زیادہ سینئر اور اہل دوسرا کوئی نہیں تھا، آپ شیخ الحدیث والتفسیر بننے کے سب سے زیادہ اہل تھے مگر آپ کی بے نفسی اور للّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے چھوٹوں اور شاگردوں کو آگے بڑھاتے رہتے۔ آپ کے شاگرد درجۂ علیا کی کتب بخاری و مسلم پڑھارہے ہوتے اور آپ متوسط و نچلے درجہ کی کتب، آپ کی توجہ اس پر رہتی کہ طلباء کی ابتدائی بنیاد مضبوط بنے، علم کے ساتھ ان کا تعلق قائم ہو۔ وہ اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوں ورنہ ٹھوس علمی استعداد کے اعتبار سے مدرسہ میں کوئی فرد بھی حضرت مولانا کے ہم پایا نہیں تھا۔ مولانا زندگی بھر مطالعہ کے عادی رہے، کنتھاریہ پہنچنے سے پہلے کاوی میں بھی یہی حال تھا بندہ جب عربی دوم وسوم کا طالب علم تھا اکثر بندہ سے ''البعث الاسلامی'' پڑھواتے اصلاح فرماتے آپ کے پاس ''البعث الاسلامی'' (ترجمان ندوۃ العلماء) کے ابتداء سے لیکر وفات تک تمام جلدیں ہونی چاہئیں۔ آپ کا عربی ادب کا

ذوق نہایت اعلی تھا عربی میں بہت بے تکلف بولتے اور لکھتے تھے، اردو کی طرح عربی خط بھی نہایت خوبصورت و پاکیزہ تھا۔

آپ کی بے نفسی اور اپنی ذات کا اخفا: تواضع فروتنی انکساری مولانا کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی ہر شخص کے ساتھ ایسا معاملہ فرماتے کہ وہ مولانا کا گرویدہ ہوجاتا اور ہر شخص سمجھتا کہ مولانا کا تعلق مجھ سے سب سے زیادہ ہے اپنے سے چھوٹوں اور شاگردوں کی ہر وقت ہمت افزائی فرماتے دل کھول کر ان کی خوبیوں کی تعریف کرتے، انہیں قیمتی نصائح سے نوازتے ان کی ہر طرح خیر خواہی فرماتے اور ضرورت پڑنے پر ہر طرح کی مالی مدد بھی فرماتے لیکن اپنی ذات کو ہمیشہ پیچھے اور خفاء میں رکھتے، اول تو کہیں سفر پر آمادہ نہ ہوتے اگر کسی سفر پر آمادہ ہوجاتے تو اپنے چھوٹوں کو ہر موقع پر آگے بڑھاتے ان ہی سے بیانات کرواتے ان کا اکرام کرواتے اور خود کو اس طرح پیچھے کرلیتے کہ نئے اور ناواقف لوگ سمجھتے کہ اصل تو دوسرے حضرات ہیں مولانا محض رفیق سفر ہیں میرے نزدیک مولانا ان لوگوں میں سے تھے جنہیں گناہ کرنے کا شاید کبھی خیال بھی نہ آیا ہو۔ انتہائی معصوم اور شرمیلی نگاہیں ہمیشہ نیچی، ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم ساتھ ہی چہرے پر وقار اور فکرمندی، میرے خیال میں شاید کبھی مولانا کی تہجد کی نماز قضاء ہوئی ہو جب کبھی مولانا کے ساتھ رہنا ہوا یہی دیکھا کہ آخری شب میں چپکے سے اٹھتے نہایت خضوع وخشوع اور اطمینان سے تہجد ادا فرماتے، لمبی دعا مانگتے صبح تک ذکر و فکر میں مشغول رہتے اگر رفقاء میں سے کسی کی آنکھ کھل گئی تو ایسا ظاہر کرتے گویا ابھی اٹھ کر یوں ہی بیٹھے ہوں اسی طرح کبھی حضرت مولانا کو کسی کی غیبت اور عیب جوئی کرتے نہیں دیکھا جب بات کرتے معلوم ہوتا منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔

طلباء پر شفقت اور ان کی خدمت: دارالعلوم کنتھاریہ میں حضرت مولانا کی ہستی مرجع خلائق تھی مدرسہ کا ہر شخص مولانا کو اپنے استاد اور باپ کی جگہ سمجھتا تھا لیکن مولانا ہیں کہ دن رات خدمت کے کاموں میں مشغول ہیں طلباء کو نماز کے لئے اٹھارہے ہیں ان کے ماہانہ جیب خرچ کے اخراجات کا حساب و کتاب رکھ رہے ہیں انہیں قلم، پنسل، ربڑ، نوٹ بک دے رہیں ہیں، اگر کوئی استاد کسی طالب

علم کی تعلیم سے عدم دلچسپی اور کند ذہنی کی شکایت لے کر آتا تو آپ اس طالب علم کو کچھ عرصہ اپنی نگرانی میں لے کر اس میں پڑھنے کا شوق اور دلچسپی پیدا فرماتے پھر استاد سے سفارش کرتے کہ ماشاء اللہ یہ تو بہت محنت اور دلچسپی سے پڑھ رہے ہیں غرض یہ کہ آپ مدرسہ کے ہر طالب علم کے لئے باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان تھے سات، آٹھ سال پہلے بندہ ایک بار ملاقات کے لئے پہنچا دیکھا کہ مولانا اپنی نقاہت اور کمزوری اور علالت کے باوجود بچوں کے یہ سارے کام انجام دے رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ مولانا اب آپ کی عمر، صحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس قسم کے چھوٹے موٹے کام دوسروں کے حوالے کر دیں تو فرمایا بھئی مجھے اس میں مزہ آتا ہے۔

حضرت مولانا کی وسعت ظرفی تحمل و بردباری: حضرت مولانا نے مجھے باقاعدہ ابتداء میں پڑھایا بھی تھا اس لئے وہ میرے استاد بھی تھے اگر چہ میں آپ سے بیعت نہیں تھا اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ کا اصلاحی تعلق کس سے تھا لیکن میں انہیں روحانی طور پر اپنے شیخ کی جگہ سمجھتا تھا اس مسئلہ میں مولانا کے اخفاء کا یہ عالم تھا کہ کسی کو بیعت تو کیا کرتے شاید کسی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ حضرت مولانا کسی سے بیعت ہیں اور اس سے انہیں اجازت حاصل ہے لیکن بندہ کے ساتھ ہمیشہ تعلق دوستانہ برتتے بندہ بھی نہایت بے تکلفی سے جو جی میں آتا عرض کر دیتا اکثر دیکھا کہ حضرت مولانا بندہ کی تلخ وترش باتوں پر مسکرا کر رہ جاتے ایک بار حاضری کے موقعہ پر حضرت مولانا بہ نفس نفیس مدرسہ کی جدید تعمیر کا معائنہ کروا رہے تھے، مجھے دارالتحفیظ (حفظ کلاس کے بچوں کی جدید تعمیر) دکھائی اور فرمایا ایک خاتون نے ایک کروڑ روپیہ دیکر یہ عمارت بنوادی ہے بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا کل کوئی خاتون ایک کروڑ مسجد کا منارہ یا مدرسہ کا گیٹ بنوانے کے لئے دے تو اس کا عالیشان منارہ یا گیٹ بنوا دیجئے گا۔

حفظ کلاس چھوٹے مدارس اور اپنے محلے کی مسجد میں بہتر ہوتا ہے وہاں ان کی تربیت میں آسانی ہوتی ہے۔ ایک بار ملاقات پر فرمایا الحمد للہ اس سال انگلینڈ سے مدرسہ میں اس قدر چندہ ہوا ہے اور اتنی رقم آئی ہے، میری زبان سے نکلا کہ آپ کے سفیر انگلینڈ سے ہر سال پیسے تو لے آتے ہیں مگر آپ حضرات نے کبھی ہمارے وہاں کے مسائل اور مشکلات کے بارے میں غور وخوض کے لئے

بھی کوئی میٹنگ طلب کی ہے؟ آپ کے سفیر وہاں دو کام کرتے ہیں ایک ضلعی عصبیت پیدا کرنا کہ اپنے ضلع کے مدرسہ کو دو، دوسرے یہ کہ ضلع کے نام پر بھروچ ضلع کے لوگوں سے اس طرح زور دے کر وصول کرتے ہیں کہ وہ آئندہ سال ان کے آنے تک کسی اور کی مدد کے قابل نہ رہیں ایسی تلخ وترش باتیں بھی حضرت مولانا انتہائی بشاشت اور کشادہ روئی کے ساتھ سنتے اور مسکرا دیتے اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے جو اس قدر وسیع ظرف رکھتے ہوں۔

حضرت مولانا سے آخری ملاقات: جب کبھی بندہ کا بھارت کا سفر ہوتا حضرت مولانا سے ملنے کا اشتیاق بڑھ جاتا دل میں جن چند شخصیات سے ملنے کی خواہش ہوتی ان میں حضرت مولانا سر فہرست تھے اس کے باوجود کئی اسفار میں اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے سرے سے گجرات جانا ہی نہیں ہوتا ۱۹۹۹ء میں خاص طور پر ایک دن کے لئے احمد آباد پہنچا کہ حضرت مولانا اور حاجی موسی بابر سے ملاقات کروں حاجی صاحب خوش قسمتی سے بروڈہ ہی میں مل گئے کاوی نہیں جانا پڑا ان سے ملنے کے بعد حضرت مولانا سے ملنے دارالعلوم کنتھاریہ پہنچا مولانا سے طویل عرصہ بعد ملاقات ہوئی تھی حضرت مولانا سے مل کر طبیعت باغ باغ ہوگئی اور ایک عجیب طرح کا سرور ونشاط پیدا ہوا باوجود انتہائی نقاہت، کمزوری کے گھر لے گئے بندہ نے حضرت مولانا سعید احمد خان مکیؒ پر اپنا کتابچہ اور شاید اپنی کوئی اور کتاب خدمت میں پیش کی اس پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا بعد میں معلوم ہوا کہ مختلف مجلسوں میں کتاب اور بندہ کے متعلق تحسین آمیز کلمات فرماتے رہے یہ تھی حضرت مولانا کی خورد نوازی، اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی، مولانا ان لوگوں میں سے تھے جب بھی بندہ کچھ لکھتا تو سوچتا کہ یہ مولانا تک پہنچ جائے کہ صحیح قدردانی کرنے والے یہی لوگ ہیں اور اس پر ان کی دعائیں مجھ جیسے کے لئے دنیا وآخرت کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے گذشتہ پندرہ سالوں میں بارہا سوچتا رہا کہ چند دن اطمینان سے حضرت مولانا کی خدمت میں جا کر رہوں ان سے استفادہ کروں۔ پچھلی یادیں تازہ کروں اپنی زندگی کے مسائل اور اپنی مصروفیات کے بارے میں تفصیل سے باتیں کر کے مشورہ لوں کہ ایسے لوگ دنیا میں کتنے رہ گئے ہیں مگر: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

حضرت مولانا کا وصال: اکتوبر ۲۰۰۱ء میں اچانک حضرت مولانا کے انتقال کی خبر پہ ایسا محسوس

ہوا کہ گویا میرے شیخ استاد اور والد کا ایک ساتھ انتقال ہو گیا ہے اب حضرت مولانا جیسی بے لوث ہستی کہاں ملے گی مولانا کے دنیا سے اٹھنے کے بعد شدت سے احساس ہوا کہ کاش ان کی صحیح قدردانی کر لی ہوتی اپنی مصروفیات کو آگے پیچھے کر کے چند دن خدمت میں گزار لئے ہوتے ایسے پاکیزہ نفوس اب کہاں تلاش کریں گے اب تو وہ سانچہ ہی ٹوٹ گیا جس میں ایسی شخصیتیں ڈھلتی تھیں۔ حضرت مولانا نے علمی طور پر ڈابھیل میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ مولانا بدر عالم، اور غالباً مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن جیسی ہستیوں سے پڑھا تھا محدث شہیر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ اور متکلم الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا کی تعلیم کے لئے ڈابھیل داخلہ سے سال دو سال پہلے ہی ڈابھیل چھوڑ گئے تھے مگر ان پاکیزہ ہستیوں کے اثرات و برکات پوری طرح موجود تھے اسی طرح روحانی طور پر حضرت مولانا نے بھارت کی بے شمار ہستیوں سے استفادہ کیا تھا آپ صحیح معنی میں ہر ایک کی قدردانی اور ان سے استفادہ کرتے تھے حضرت مولانا کے انتقال پر مقتدر حضرات خاص طور پر لیٹن اسٹون لندن میں مقیم مفتی ابراہیم کاوی اور حضرت مولانا یعقوب منشی کاوی مدظلہ العالی مقیم ڈیوز بری (انگلینڈ) نے آپ کے متعلق لکھنے کو کہا تو بندہ نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کے آخری تیس سال کنتھاریہ مدرسہ میں گذرے ہیں وہاں پچاسوں ایسے علماء ہیں جنہوں نے حضرت مولانا سے پڑھا اور ان کو طویل صحبت و رفاقت میسر آئی آخری دور کے حالات و واقعات سے وہی زیادہ واقف ہوئے بندہ نے ایک دو بار مولوی انور علی کاوی استاذ حدیث دارالعلوم کنتھاریہ کو کہلوایا بھی کہ حضرت مولانا کے حالات و سوانح خاص طور پر ان کی بیش قیمت باتیں جمع کر کے شائع کریں، یہ کام دراصل انہیں حضرات کے کرنے کا ہے مولانا کی وفات کے بعد ۱۱؍جنوری ۲۰۰۴ء کو کنتھاریہ حاضری ہوئی رات دس بجے حضرت کی قبر پر فاتحہ پڑھنے پہنچا۔ قبر پر مولانا کے نام کے ساتھ پہلا لفظ عارف باللہ پڑھ کر سوچتا رہا کہ کیا آج گجرات میں کوئی اور شخص ہے جو اس لفظ کا مولانا سے زیادہ استحقاق رکھتا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا اس لفظ کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اور یہ لفظ حضرت مولانا کی زندگی کی صحیح ترجمانی و عکاسی کرتا ہے۔ اس کے ایک ماہ بعد اتفاق سے اہلیہ کے ساتھ دوبارہ یہاں آنا ہوا بعض وجوہات کی بنا پر پورے تین دن مولوی ہارون حاجی موسی بابر کے ہاں جو کنتھاریہ مدرسہ کے ساتھ

رہائش پذیر ہیں رہنا ہوا مگر کنتھاریہ مدرسہ میں جانے کی ہمت نہیں ہوئی کہ کنتھاریہ مدرسہ میں قدم رکھتے ہی ذہن میں حضرت مولانا کی تصویر سامنے آجائے گی اور شدت سے حضرت مولانا کی شخصیت و فیوض سے محرومی کا احساس دلائے گی یہ معلوم کر کے بڑا افسوس ہوا کہ اب تک حضرت مولانا کی شخصیت پر کوئی چیز سامنے نہیں آئی۔ یہ حضرت مولانا کے سیکڑوں شاگردوں اور خاص طور پر مدرسہ کنتھاریہ پر قرض ہے جسے جلد احسن طریقہ سے ادا ہونا چاہیے۔

مولوی انور علی کاوی کے بار بار توجہ دلانے پر یہ چند سطور حالت سفر اور علالت میں کنتھاریہ میں ہی مولوی ہارون کے گھر پر قلم بند کیا اگرچہ اس طرح کے سرسری مضمون سے حضرت مولانا کا حق ادا نہیں ہوتا مگر یہ شاید وہاں کے لوگوں کے لئے مہمیز کا کام دے اور انہیں اس قرض کی ادائیگی کے لئے تیار کرے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس مختصر تحریر کو شرف قبولیت سے نوازے اور بندہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ بنائے۔ آمین

نوٹ: حضرت مولانا کا وصال بروز جمعۃ المبارک ۱۴؍رمضان شریف ۱۴۲۳ھ بمطابق ۱۲۹ اکتوبر کو ہوا۔

(اذان بلال مئی، جون ۲۰۰۴ء)

۲۵ حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب کاویؒ

اسم گرامی: آپکا اسم گرامی مولانا مفتی عبدالغنی صاحب تھا، آپکے والد بزرگوار کا نام احمد، آبائی پیشہ کاشت کاری کا تھا۔ ضلع بھروچ میں رواں– دواں نہر ''نرمدا'' کے جنوبی سمت میں ساحلی علاقے پر ہرا بھرا ایک گاؤں ''کاوی'' کے نام سے بسا ہوا ہے۔ جو ایک وسیع اور تاریخی گاؤں ہے۔ آج سے قریب ۸۸ سال قبل ۱۳۳۸ھ بمطابق عیسوی ۱۹۱۹ میں وہاں حضرت موصوف کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: حضرت موصوف نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن ''کاوی'' میں ہی رہ کر حاصل کی۔ پھر مزید علم دین حاصل کرنے کی غرض سے گجرات کے مشہور ادارہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کا قصد کیا۔

جامعہ ڈابھیل کا وہ سنہرا اور انتہائی آب و تاب کا دور چل رہا تھا۔ تشنگان علوم نبویہ کے

درمیان اسکی حیثیت لائٹ ہاؤس کی سی تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مفتی اسماعیل بسم اللہ، اور مولانا احمد بزرگ جیسے ماہرین علم وفن اور شاہکار و فنکار اساتذہ یہاں مدرس کی حیثیت سے موجود تھے۔ آں موصوف کو ان تمام سے بہرہ ور ہونے اور فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ بلکہ یہ خدائی عطیہ اور خدائی انتخاب ہی کہا جا سکتا ہے کہ موصوف جس وقت اپنے وطن سے ڈابھیل بقصد تعلیم تشریف لائے تھے، بھروچ ضلع جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور گونا گوں بدعات وہاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایسے ماحول میں آں موصوف کا خالص علم دین حاصل کرنے کی غرض سے جامعہ ڈابھیل تشریف لانا، آں موصوف پر خدا کے فضل اور انکی نیک بختی کی واضح دلیل ہے۔

آپکے اساتذہ: آپکے اساتذہ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، بابا عبد الرحمٰن امروہی، مولانا ابراہیم بلیاوی، مہاجر مدنی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، حضرت علامہ یوسف بنوری، حضرت مولانا احمد بزرگ، مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ، مولانا عبد العزیز کیمل پوری، اور مولانا نور محمد صاحب جیسی عظیم ہستیوں کا شمار ہوتا ہے۔

ایسے ماہر و فنکار اساتذہ سے علم دین حاصل کرنے کا اور انکی صحبت سے فیض یاب ہونے کا انہیں شرف حاصل ہے۔ ایسی سعادت وخوش نصیبی ہر ایک کو میسر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالی نے آپکے حق میں ایسے بزرگان دین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا اور انکے علم کو جاری رکھنا مقدر فرمایا تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ::: تانہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۶۱ھ میں جامعہ ڈابھیل سے فارغ ہوئے۔

آپکی خدمات: ڈابھیل سے (۱۳۶۱ھ میں) فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۴ء میں آں موصوف نے راندیر دار العلوم اشرفیہ کو اپنی خدمات دینیہ کا پلیٹ فارم بنایا، اور تا حیات وہیں خدمت انجام دیتے رہے۔ یہ عرصہ کل چنوالیس سال کا ہوتا ہے۔ اور اس پلیٹ فارم سے آں موصوف نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپکے زیر تدریس ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، نور الانوار، سراجی، ہدایہ، مسلم شریف، جیسی اہم کتابیں رہیں۔ آپنے ابتدائی کتابیں بھی پڑھائی ہیں اور انتہائی بھی، اسلئے آں موصوف ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ موصوف فتاوٰی نویسی کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ تقریباً تیس سال تک دار العلوم اشرفیہ میں رہ کر فتاوٰی نویسی کی خدمت بھی انجام دی۔ آپکے یہ فتاوٰی اس وقت کے ایک ماہنامہ ''وہورا ویلفیر'' میں شائع ہوتے تھے۔ اور مقبول خاص و عام ہو چکے تھے۔ آج آپ کے فتاوٰی میں سے ایک جلد فتاوٰی عبد الغنی کے نام سے مطبوع ہے۔ نیز مدرسہ میں ناظم تعلیمات، اور ناظم امتحانات کی خدمت بھی انجام دی، دار العلوم میں مفتی اور شیخ الحدیث کے بعد دوسرے نمبر کے استاذ حدیث کے عالی منصب پر فائز ہوئے۔ ساتھ ہی آپ کئی دینی وملی تنظیموں سے وابستہ تھے۔ مجلس تحفظ اسلام، رؤیت ہلال کمیٹی، شرعی پنچایت، اور امارت شرعیہ جیسی تنظیموں سے منسلک تھے۔ اور اس طرح دینی وقومی خدمات انجام دیں۔

آپکے خصائل: موصوف کا شمار گجرات کے نامور علماء دین میں ہوتا ہے، ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ فقہ کے ساتھ خاص مناسبت تھی، اسی وجہ سے موصوف کے فتاوٰی کافی مختصر لیکن جامع و مانع اور سائل کے لئے تسکین صدور کا باعث تھے۔ اور ماقل ودل کے صحیح مصداق تھے۔ اتنی خدمات کے ساتھ ساتھ وقت کی پابندی آپکی ایک خصوصی شان تھی۔ مدرسہ کے وقت کے شروع ہونے سے ۵ منٹ قبل ہی درسگاہ میں حاضر ہو جاتے تھے۔ اور سبق شروع فرما دیتے تھے۔ آپکا درس کوزے میں ساغر کی مثال تھا۔ اپنی طرح طلبہ کو بھی اوقات کی پابندی کی تاکید فرماتے۔ کافی کم گو اور خاموش مزاج اور اپنے کام میں ہمیشہ مگن رہتے۔ تہجد کے پابند اور اپنے اشغال پابندی سے ادا کرتے رہتے۔ یکسوئی کے طالب اور لوگوں سے زیادہ اختلاط سے دور رہتے۔ فرائض وسنن کے پابند، نماز ہمیشہ صف اول میں ادا کرتے۔ اور کبھی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہوتی۔ تقریر کافی مختصر لیکن درس کو سمجھنے کے لئے بلکل کافی وشافی ہوتی تھی درس کو کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔ حتی کہ ایک مرتبہ زینہ سے پیر پھسل جانے کی وجہ سے کمر کی ہڈی میں تکلیف ہوگئی۔ جسکی وجہ سے آپ کپڑے بھی پہن نہ سکتے تھے۔ ایسی حالت میں بھی درس کو ناغہ کرنا گوارہ نہ کیا۔ اور شال اوڑھے ہوئے درس گاہ تشریف لائے اور سبق پڑھایا۔ درس میں ہمیشہ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ کبھی طلبہ کے ذہنوں کو متوجہ کرنے کے لئے ایک آدھ

چٹکلا سنا دیتے تھے۔ عبارت کی غلطی کو کبھی برداشت نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی طالب علم سبق میں توجہ نہ دیتا ہو تو اسے کہتے: کیوں بورڈ پر چڑھتا ہے؟ ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھی مرنے والے میں

حضرت مولانا شیخ الحدیث رضا اجمیریؒ انکی ایک خوبی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کہ ہمارے ساتھ ۴۴ سال سے زیادہ عرصہ ہوا مرحوم کا تعلق تھا۔ لیکن کبھی ایک دوسرے کے دل میں رنجش نہیں آئی۔ ورنہ بھائی - بھائی میں جھگڑا ہوتا ہے۔ یہ مرحوم کا کمال تھا۔ حضرت مولانا رشید اجمیری صاحب مدظلہ نے وفات کے بعد لکھے گئے ایک مضمون میں آں موصوف کی بہت سی خوبیاں بیان کی ہیں۔ اور آپکی بیماری کا ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ:

ایک واقعہ: ''ہم موت سے نہیں گھبراتے'': ایک مرتبہ سورت میں دل کے علاج کی غرض سے ایک اسپتال میں داخل کئے گئے تھے۔ آپکو جو حجرہ دیا گیا تھا اسمیں جنات کا اثر تھا۔ اسکا خاکہ بھی ایسا تھا کہ گویا وہ جناتوں کے لئے ہی بنایا گیا ہو۔ علاج ومعالجہ کی فائل رات میں مولانا کے حجرہ سے گم ہو جاتی، اتنا ہی نہیں، خموش حجرہ میں رات کو ڈگ - ڈگ چلنے کی آواز آتی تھی۔ مولانا نے ڈاکٹر سے اسکی شکایت کی۔ ڈاکٹر نے بات ہنسی میں نکال دی، اور اسے دماغی توازن کے غیر صحیح ہونے پر محمول کیا۔ مولانا نے کہا: میرا دماغ آپ سے زیادہ درست ہے۔ آپکو یقین نہیں آتا۔ تو یہ فائل یہاں رکھ جاؤ، کل یہ فائل تمہارے پہنچائے بغیر تمہاری آفس میں پہنچ جائیگی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن ڈاکٹر اپنے ٹیبل پر فائل دیکھ کر کانپ گیا۔ کہ مقفل کمرہ میں فائل آئی کیسے، مولانا کے الفاظ سننے کے قابل تھے۔ مولانا نے کہا: میں نے اس لئے نہیں کہا کہ میں گھبراتا ہوں، اور آپ میرا روم بدل دیں۔ موت کا تو ایک وقت متعین ہے۔ اسے کوئی ٹال نہیں سکتا، ہم الحمدللہ موت سے نہیں گھبراتے۔ لیکن اسلئے بتایا کہ دوسرا مریض آکر پریشان نہ ہو جائے۔ راندیر کے مشہور بزرگان دین مرحوم مولانا سعید صاحب راندیریؒ، مولانا احمد اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا شیخ اجمیری صاحبؒ، مفتیٔ گجرات مولانا عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کے ساتھ آپ کے خاص والہانہ تعلقات تھے۔ اکثر انسے ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ رضا اجمیری صاحبؒ کے ساتھ آپ نے بہت سے سفر بھی کئے ہیں۔

اس طرح آپ کی زندگی علم وعمل کا حسین سنگم اور جامع خیر وبرکات تھی، آپ کی کارکردگی، خدمات، جفاکشی، آپ کے اخلاق، کردار وغیرہ کو دیکھتے ہوئے آپ کی زندگی ایک کامیاب اور قابل رشق زندگی تھی۔

آپکا سانحۂ ارتحال: ۶/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ بمطابق عیسوی ۲۹/۱۰/۸۷ کی جمعہ کی وہ رات پورے عالم اسلام کے لئے خاص کر اہل گجرات کے لئے ماتم کی رات بن گئی۔ موصوف نے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر سنتیں اور وتر کی نماز بھی ادا کر لی۔ ویسے آپکا روزانہ کا معمول سنت کے مطابق وتر کی نماز کو تہجد کے ساتھ پڑھنے کا تھا لیکن اس رات گویا کہ موصوف کو پہلے سے ہی اطلاع ہو چکی تھی آپ نے اس رات وتر کی نماز عشاء کے بعد ہی پڑھ لی اور روزانہ کے معمول کے مطابق چھت پر تھوڑی چہل قدمی کی۔ آخری وقت میں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس اور علم سے شغف اتنا تھا کہ شب وفات میں بھی مسلم شریف کے ۲۸ طلبہ میں سے چار طلبہ کے جوابی پرچہ جانچ کر سو گئے تھے۔ تقریباً چار بجے استنجاء کے لئے اٹھے اور پھر سو گئے بس ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور اس دار فانی کو الوداع کہتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ع......

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی ::: ایک مسافر کی رہ تمام ہوئی
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو تیرا ::: نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو تیرا
الٰہی انکی تربت خلد زار نور ہو جائے ::: نسیم سحر خموشاں شمیم حور ہو جائے

مرحوم کا ایک معمول یہ تھا کہ اکثر عصر کے بعد زیارت قبور کے نیک ارادہ سے قبرستان جاتے تھے۔ یوم وفات کو بھی اجل سے آپکے اس معمول کا انتظام ہوا، ۳۰/۱۰/۸۷ کو جمعہ کے روز عصر کے بعد ''گورے غریباں'' راندیر میں سپرد خاک ہوئے۔ آپکی وفات حدیث "ایتھا النفس الطیبة، اخرجی الی مغفرة من الله و رضوان قال فتخرج تسیل کما تسیل القطرة من فی السقاء" کی مثال تھی۔ کہ بس لیٹ گئے اور جاں جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

الھم اکرم نزله ووسع مدخله و ابدله داراً خیراً من اهله و نقهه من الخطایا کما ینقی

الثوب الابیض من الدنس و بلغه الدرجات العلی من الجنة ......آمین ۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ::: سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپکے قریبی ساتھی اور دوست مولانا رضا اجمیریؒ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اطراف و جوانب سے ایک جم غفیر آپکی نماز جنازہ کی شرکت کے لئے امنڈ پڑا۔ ہر ایک پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ ہر ایک خاموش تماشائی، محو حیرت، آنکھیں عقیدت ومحبت کے آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ تقریباً چار ہزار انسانوں نے مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔

دار العلوم اشرفیہ میں ان دنوں ششماہی امتحانات چل رہے تھے۔ دوسرے دن صبح امتحان کو مختصر کر کے ۱۰:۳۰ بجے مرحوم کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا گیا۔ بزرگ مہتمم حضرت مولانا احمد اشرف صاحبؒ (علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد) نے باوجود علالت وضعف کے حاضر رہ کر جلسہ کی صدارت فرمائی۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد قاری رشید اجمیری صاحب نے ایک تعزیتی نظم پیش فرمائی۔ اور حضرت مولانا رضا اجمیری صاحبؒ کے بابرکات کلمات ودعا پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔ (ماخوز از: مقدمہ فتاوی عبد الغنی گجراتی اول سے)

ترجمہ از: مولوی محمد امین متعلم دار الافتاء جامعہ ڈابھیل

۲۶

ابو الفضل مولانا آدم طالعپوریؒ

ابو الفضل مولانا محمد آدم طالعپوریؒ (پالنپوری) نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ۱۳۶۱ھ میں فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد لاہور جاکر ''علم التفسیر'' پڑھا، نیز فراغت کے بعد ''علم طب'' بھی حاصل کیا، کتب احادیث پڑھنے کے بعد جب طب پڑھنے کے لئے جارہے تھے، ان کے ایک استاذ نے کہا: ''گھوڑے کی سواری چھوڑ کر گدھے پر سوار ہونے جارہے ہو'' مگر عزم پختہ تھا طب میں کمال حاصل کر ہی لیا۔ آپ کے نسخے معمولی مگر بڑے مجرب ہوتے، اس نوع کے کئی واقعات ہیں، ان کے ایک شاگرد مولانا ابراہیم کاوی صاحب مدظلہ نے خود اپنا واقعہ سنایا:

ہدایہ پڑھنے کے سال میرے بدن کو بہت خارش لگ گئی، ''صافی'' (خون صاف کرنے کی

دوا) کی کئی بوتلیں پی گیا مگر خارش سے شفایابی نہ ہوئی ''مختصر المعانی'' کا گھنٹہ ختم ہوا چونکہ مولانا نے اپنی اخلاق کریمہ کی وجہ سے مجھے بے تکلف بنا رکھا تھا میں تے مولانا سے خارش کا علاج چاہا، مولانا نے ہنس کر فرمایا ''تیری کوئی دوا نہیں'' میں نے کہا: حضرت حدیث میں ہے ''لکل داء دواء'' پھر مولانا نے فرمایا ''واقعۃً اس خارش کا کوئی علاج نہیں'' پھر فرمایا ''روزانہ صبح تازہ پانی سے غسل کر و بدن سوکھنے تک کپڑا نہ پہننا ایک ہفتہ تک یہ کام کرو''۔ صرف تین روز یہ عمل کیا اور شفا ہوگئی۔ مولانا ابراہیم صاحب فرماتے ہیں اس وقت سے آج تک (جو تقریباً ۳۶ سال کی مدت ہے) خارش نہیں ہوئی فللہ الحمد

(۱) ایک صاحب کی آنکھیں نہایت سرخ رہتی تھیں، بہت علاج کرایا مگر سرخی جوں کی توں رہی، مولانا آدم صاحب سے علاج چاہا تو مولانا نے فرمایا ''آنکھوں میں گلاب کا پانی ڈالو'' چنانچہ مدت مدیدہ کا لاعلاج مرض ایک ہفتہ میں جاتا رہا اور آنکھوں سے سرخی ختم ہوگئی۔

ان کی شخصیت دل نواز، باغ و بہار تھی، ان کے عالمانہ لطائف وظرائف عجیب ہوتے۔

لطیفہ: (۱) جس زمانہ میں علم التفسیر پڑھنے کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے وہاں کا ایک لطیفہ سنایا کرتے کہ ''میں نے لاہور میں ایک بدّو (دیہاتی) سے پوچھا کہ آپ لوگ ناشتہ میں کیا کھاتے ہیں؟ اس نے کہا ہم غریبوں کا کیا ناشتہ، صبح بیدار ہو کر قضائے حاجت کے لئے جنگل جاتے ہیں وہاں سے بادام، چلغوزہ، اخروٹ لاکر گھی اور شہد کے ساتھ ملا کر کھالیتے ہیں معاً ایک آدھ مرغی کا چوزہ بھی ہوتا ہے'' یہ ہمارا ناشتہ ہے۔

(۲) آپ کے لطائف میں سے ایک یہ ہے:

طلباء کی ایک جماعت کو کسی وجہ سے ایک استاد صاحب نے کہا کہ ''تم لوگ بڑے نالائق ہو'' اس جماعت کے ایک فرد نے مولانا آدم صاحب سے شکایت کی کہ فلاں استاذ صاحب نے ہمیں نالائق کہا ان کی بات سن کر مولانا آدم صاحب نے سر پکڑ لیا انا للہ الخ پڑھا پھر فرمایا ''مجھے تم لوگوں کو لائق کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے''۔

طریقۂ درس: مولانا آدم صاحب نے دار العلوم اشرفیہ راندیر اور جامعہ ڈابھیل میں تدریسی

خدمات انجام دیں، ان کا ''درس مسلم'' بڑا مشہور تھا، بڑی تحقیق سے پڑھاتے تھے، طلباء ان سے مانوس رہتے درس کا طریقہ بڑا پیارا اور نرالہ تھا ان کے ایک شاگرد حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی مدظلہ نے بتلایا کہ ان کا درس اس طرح ہوتا کہ ''اول طالب علم عبارت پڑھتا پھر حضرت الاستاذ سبق کی عام فہم تقریر فرماتے، یہ تقریر اتنی دل نشین اور سہل ہوتی کہ غبی سے غبی طالب علم بحث کا ماحصل سمجھ جاتا۔ سبق میں جب کوئی معرکۃ الآراء اور مشکل مقام آتا تو سبق سے پہلے کوئی لطیفہ سنا کر طلباء کے دل ودماغ کو فریش کرتے بعدہ درس کی سلجھی ہوئی تقریر فرماتے، بعد تقریر طلباء سے استفسار فرماتے ''کہ سمجھ میں آیا؟'' کبھی کسی طالب علم سے تقریر سن بھی لیتے، جب اطمینان ہو جاتا تب فرماتے یہ وہ مقام یا بحث ہے جس کو لوگ مشکل کہتے ہیں، مگر کبھی بھی مشکل مقام کے متعلق پہلے نہیں بتلایا کہ یہ مشکل ہے۔

''درس مسلم'' میں بارہا مولانا نے فرمایا کہ ''کسی حدیث کی تاویل کروں تو میرا ہاتھ پکڑ لینا'' مولانا کی نظر احادیث پر ایسی وسیع تھی کہ ان کے یہاں تعارض کا خانہ تھا ہی نہیں۔ تطبیق کی راہ عیاں تھی۔

مخدومنا حضرت الاستاذ مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم مولانا آدم صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں، (ان سے قیام دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں ترجمۂ قرآن، ہدیہ سعیدیہ، دیوان متنبّی کتب پڑھی ہیں) مفتی صاحب فرماتے ہیں ''بڑے شفیق استاذ تھے جامعہ ڈابھیل کے سالانہ اجلاس میں پڑھی جانے والی روئداد خود ہی مرتب کرتے تھے، جب میں پڑھانے کے لئے آیا تو یہ خدمت میرے حوالہ کردی میں نے عرض کیا کہ مجھ میں اس کی لیاقت نہیں تو فرمایا ہم جانتے ہیں آپ میں لیاقت ہے کہ نہیں'' لہذا اس کے بعد سالہا یہ خدمت میں ہی انجام دیتا رہا۔

مولانا ابراہیم صاحب نے بتلایا کہ سالانہ اجلاس کا پورا نظام بھی مولانا آدم صاحب مرتب فرماتے، یہ بھی بتلایا کہ انہوں نے ابن ماجہ کی ۱۶ یا ۱۷ احادیث تحریر فرما کر میرے حوالے کی تھی کہ یہ موضوع احادیث ہیں، مگر افسوس کہ ایک طالب علم نے وہ تحریر ضائع کردی، ان کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ''جنت کے اندر بیری کے درخت کے نیچے مسلم شریف کا درس دے رہے ہیں''۔

مولانا ابراہیم صاحب حضرت مولانا آدم صاحبؒ کے اخیری شاگردوں میں سے ہیں، اس سال مسلم کے درس میں بار بار فرمایا ''یہ بات آئندہ آپ لوگوں کو سننے نہیں ملے گی'' مولانا ابراہیم صاحب فرماتے ہیں ہم اس جملہ کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ دورۂ حدیث کے بعد تو پڑھائی ختم ہو جائیگی اس لئے یہ فرما رہے ہیں مگر تعطیل میں جب انتقال ہوا تو پتہ چلا کہ اپنی موت کی طرف اشارہ تھا۔

بابا صاحب کے انتقال کے بعد بھی ہونٹ ہل رہے تھے: مولانا آدم صاحب کے ایک اور شاگرد مولانا محمد یونس ابن قاری بندۂ الٰہی (فاضل جامعہ ڈابھیل رکن مجلس دعوت الحق لیسٹر۔ یو۔کے) تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا سراج بابا صاحب رشیدی میرٹھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (ضلع بلساڑ۔ گجرات) میں درجۂ علیا کے مدرس تھے ان کے متعلق ہمارے استاذ مولانا محمد آدم طالعپوریؒ (پالنپوری) دوران سبق فرماتے تھے کہ حضرت مولانا سراج بابا صاحبؒ کا نورانی چہرہ تھا، فرشتہ صفت انسان اور بکثرت ذکر کرنے کے عادی تھے۔ ۱۰/ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ میں ڈابھیل ہی میں انتقال فرمایا، عصر کی اذان ہو رہی تھی اور روح پرواز ہوئی، انتقال کے بعد بھی ہونٹ ہل رہے تھے یہ ذکر الٰہی کی برکت تھی، ڈابھیل کے قبرستان میں تالاب کے کنارے مفتیٔ گجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ کے جوار میں دفن ہوئے۔

اوپر کا وقعہ ذکر کرنے والے میرے شفیق استاذ حضرت مولانا ابو الفضل محمد آدم طالعپوریؒ (پالنپوری) نور اللہ مرقدہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (ضلع بلساڑ۔ گجرات) کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے، استاذ حدیث اور فنون کے ماہر، گجرات کے علمی حلقوں کو ان پر فخر تھا، نیچی نگاہ کر کے چلنے کا عجیب وغریب انداز تھا، اب وہ مرحوم ہو چکے اس لئے ان کا بھی تذکرہ کردوں جو ان واقعات کی ایک کڑی ہے تاکہ ان سے فیض حاصل کرنے والے تلامذہ کے دلوں میں ان کی یاد تازہ ہو جائے اور ان کے لئے ایصال ثواب کرتے رہیں۔

اب وقت آچکا ہے: ایک مرتبہ دوران سبق خوابوں کا تذکرہ چل رہا تھا، کئی خواب ان کی خدمت میں پیش کئے گئے جن کی تعبیر روز روشن کی طرح صادق آئی اسی موقع پر حضرت مرحوم نے اپنا خواب بھی بیان فرمایا جس میں امیر جماعت حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو دیکھا تھا (خواب میں

ان سے گفتگو اور کچھ باتیں بھی ہوئیں جو یاد نہیں رہیں) جب تعبیر پوچھی گئی تو فرمایا کہ اب وقت قریب آچکا ہے، ہم نے اسے ہنسی میں ٹال دیا کیونکہ عمر زیادہ نہیں تھی مگر اس کے بعد بہت جلد ہی انتقال فرما گئے، اپنی آخری عمر کا انہیں کشف ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، مگر تعبیر حرف بحرف صادق آئی۔

جامعہ ڈابھیل میں تدریس کے دوران اپنے وطن طالعپور (پالنپور) میں کچھ ہفتہ بیمار رہ کر ۱۳۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت مولانا مرحوم کے تذکرہ پر اپنا خواب بھی (جوان کے بارے میں دیکھا تھا) بیان کردوں۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحا

انتقال کے بعد حضرت مرحوم کی کئی مرتبہ خواب میں زیارت ہوئی، ایک مرتبہ خواب میں دیکھا، خواب طویل ہے، مختصر یہ ہے کہ حضرت مرحوم اپنی قبر سے اٹھ کر اسی ہیئت کے ساتھ تشریف لائے جس طرح درس کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، اور ایک مسند پر تشریف فرما ہوئے، میری خوشی کا عالم کیا پوچھنا، گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا، میں نے پاؤں دباتے ہوئے پوچھا کہ آپ تو انتقال فرما چکے تھے وہاں کی کیا خبر ہے؟ اور آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ مولانا کے قریب احادیث کی کتابوں کا ذخیرہ رکھا ہوا تھا اس کی خدمات کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”اس کے طفیل بخشش ہوگئی“ (حسن خاتمہ کے پانچسو (۵۰۰) واقعات ص ۴۹۰ تا ۴۹۲) انتہی

نکتہ: حضرت تھانویؒ اپنے ایک مجاز حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ مولانا کامل پوری نہیں ”کامل پورے ہیں“ اسی پر یہ خوشہ چین کہتا ہے حضرت مولانا آدم صاحب طالعپوریؒ کے احوال زندگی و برزخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ طالعپوری نہیں، طالع پورے ہیں، طالع بمعنی کتاب کا مطالعہ کرنے والا، کہا جاتا ہے طالع الکتاب کتاب کا مطالعہ کرنا زندگی بھر تو کتب دینیہ کا مطالعہ کرتے رہیں بعد الموت ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ خواب دیکھنے والوں کو دکھلایا گیا کہ

یہی اصل اوڑھنا بچھونا بنانا، اسی میں نجات ہے۔

تاریخ جامعہ میں ہے:

وفات: ذی الحجہ میں مولانا محمد آدم طالعپوریؒ مدرس حدیث کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا اپنی علمی قابلیت سے بڑے بڑے مسئلوں کو بآسانی حل فرما دیتے تھے۔ نرم مزاج، بہترین اخلاق سے آراستہ، ملنسار، اور خندہ جبیں واقع ہوئے تھے۔ دو ایک سال سے بیمار تھے مگر جب بھی طبیعت کا حال کوئی پوچھتا یہی کہتے کہ اچھی ہے ”رضا بالقضاء“ آپ کا شیوہ تھا۔ آپ کی وفات سے جامعہ کو ایک بڑا صدمہ پہنچا اسکنه الله تعالى جنة الفردوس۔ (تاریخ جامعہ ص ۱۶۸)

۲۷ مولانا عبدالحی بن مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ

ولادت: مولانا کی ولادت ۲۱ / ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳ / دسمبر ۱۹۲۰ء بروز جمعہ ہوئی۔

بچپن: بچپن کا معصومانہ زمانہ والد بزرگوار کے زیر سایہ گذرا چونکہ آپ کے والد ماجد مفتی گجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ رنگون (برما) کے مفتی اعظم کے منصب جلیلہ پر فائز تھے اس لئے بچپن میں والد صاحب کے ہمراہ رنگون کا سفر فرمایا اور قیام رنگون ہی میں تعلیم کا آغاز بھی ہوا۔

مولاناؒ کی والدہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بوقت شب مفتی صاحبؒ آپ کو سبق یاد کروا رہے تھے اور کیفیت اس طرح تھی کہ مولانا ایک جگہ بیٹھے تھے اور مفتی صاحبؒ چلتے پھرتے سبق پڑھا رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آیا اور مولانا اس کی لپیٹ میں دو چار مرتبہ گر پڑے حضرت مفتی صاحبؒ جلدی سے سنت نبوی کی اتباع میں مسجد میں تشریف لے گئے۔

والد صاحبؒ کی توجہ کی برکت تھی کہ بچپن ہی میں پانچ پارہ حفظ کرلیا، اور صغر سنی ہی میں وعظ وتقریر کی بھی مشق ہوگئی تھی۔

قیام رنگون کے دوران مفتی صاحبؒ کو رعشہ کا مرض لاحق ہوا، جس میں گردن ہلا کرتی تھی وہاں علاج ومعالجہ کی کثرت کے باوجود شفاء مرض نہ ہونے پر وطن کی طرف مراجعت فرمائی، والد صاحب کی ہمراہی میں مولانا ڈابھیل آگئے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعلیمی سلسلہ شروع فرما دیا اور

اخیر تک جامعہ میں رہ کر درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور ۱۳۶۱ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ: مولانا کو جن اساتذۂ باکمال سے شرف تلمذ حاصل ہوا ان میں مولانا ناظم صاحب ندوی، مولانا عبدالعزیز صاحب، محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ، مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈویؒ، حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ کے اسماء قابل ذکر ہیں تلمیذ قاسم العلوم حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ سے بخاری شریف پڑھی۔

تدریسی خدمات: ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ میں مدرس اردو کی حیثیت سے آپ کا جامعہ ڈابھیل میں تقرر ہوا، پھر کچھ عرصہ درجۂ فارسی کی خدمت ذمہ میں رہی پھر ۱۳۶۷ھ میں درجۂ عربی میں منتقل ہوئے، شوال ۱۳۷۳ھ میں آپ جامعہ سے علیحدہ ہو گئے ۱۳۷۴ھ میں حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ جامعہ کے صدر مہتمم تھے اس سال جمادی الآخر میں دوبارہ آپ کا تقرر ہوا اور ۱۳۷۸ھ تک آپ جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

جامعہ کے منصب اہتمام پر: دینی مدارس یقیناً اسلام کی حفاظت کے قلعے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کی ترقی کی راہ میں جتنے موانع شیطان کر سکتا ہے وہ ظاہر ہے ایسے مواقع کو وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، جس سے ادارہ کی ترقی کو نقصان پہنچے، آپس میں اختلافات، اسٹرائک، جس طریقہ سے بھی ہو، جامعہ ڈابھیل پر ایک ایسا دور گذرا کہ منتظمہ اور مہتمم میں اختلاف کے باعث کچھ ایسے قواعد اور ایکٹ بنادئے گئے جس میں جامعہ کو سخت حالات سے گزرنا پڑا، اس دور امتحان میں کوئی صاحب علم منصب اہتمام قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا مولانا عبدالحی صاحبؒ کو کرہاً وطوعاً یہ منصب قبول کرنا پڑا، مولاناؒ کا وہ باہمت دل تھا کہ ایسے آزمائش کے وقت جامعہ کی ہمدردی وحفاظت کی خاطر اس نازک ذمہ داری کے لئے تیار ہو گئے اور ۷/ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ سے آپ جامعہ کے مہتمم بنائے گئے اور ۱۲/رجب ۱۳۷۹ھ تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

یہ سہ سالہ دور اہتمام مولانا کے لئے بڑا صبر آزما اور مجاہدہ کا رہا، داخلی وخارجی فتنہ انگیزیاں، سیاسی دشمنیاں، اپنوں اور پرایوں کی چال بازیاں، برابر آپ کو آزماتی رہیں ان سالوں کی داستانیں

طویل ہیں، قابل حسرت ونا قابل اشاعت ہیں۔

فضائل وکمالات: مولاناؒ نے زمانہ طالب علمی میں بڑے انہماک وتوجہ سے علم حاصل کیا تھا باکمال اساتذہ اور والد صاحبؒ کی توجہ نے اس میں چار چاند لگا دیئے اس کا نتیجہ تھا کہ آپ کے علم میں پختگی تھی اسباق بھی بڑے اہتمام اور محنت سے پڑھاتے، مطالعہ میں وسعت تھی، اس لئے چند سالوں میں درجۂ علیا کے اساتذہ میں اپنا امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا۔

عربی اردو سے گہرا ربط: آپ کے ایک شاگرد مولانا یعقوب سریگت مدظلہ فاضل جامعہ ڈابھیل ایڈیٹر ماہنامہ ''وہورا ویلفیر'' گجراتی آپ کی تعلیم وتربیت اور عربی واردو زبان سے گہرے ربط کی شہادت یوں بیان فرماتے ہیں:

''یہاں چلتے چلاتے میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں اپنے زمانۂ طفولیت سے ہی حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں، ۱۹۵۳-۵۴ء میں ''جامعہ اسلامیہ'' ڈابھیل میں آپ کی مصنفہ کتاب ''قصص النبیین'' داخل درس ہو چکی تھی شاید گجرات کے دیگر دینی اداروں میں یہ سب سے پہلا ادارہ ہوگا کہ جہاں آپ کی مصنفہ کتاب شامل نصاب کی گئی تھی۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحبؒ جیسے ماہر استاذ اسکا درس دیتے تھے یہاں یہ جتانے کی ضرورت نہیں کہ حضرت مولانا عبدالحیؒ بہت ہی لائق اور کامیاب استاذ تھے آپ آدم گر اور فن تربیت میں خاص ملکہ رکھتے تھے اگر میں یوں کہوں کہ میں نے اپنی حیاتی میں جن اساتذہ کو دیکھا ان میں آپ سب سے زیادہ کامیاب استاذ تھے تو یہ بالکل بجا ہے۔ آپ کے اندر افہام وتفہیم کی بہترین صلاحیت تھی آپ کا مطالعہ خوب وسیع تھا جب یہاں کے عام علمی حلقہ کے لوگ بھی ندوہ، ندویت، اور ندوی علماء سے واقف نہیں تھے اس وقت بھی آپ حضرت علامہ شبلی، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مسعود عالم ندویؒ، حضرت عبدالسلام ندویؒ اور حضرت سید ابوالحسن علی ندویؒ سے اچھی طرح آشنا اور ان کے مدح خواں تھے فقط اسی پر بس نہیں آپ دوران درس طلباء کو ندوی علماء اور رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر، مولانا آزاد، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خان،

مولانا عبدالماجد دریابادی، عبدالمجید لاہوری، خواجہ حسن نظامی جیسے قائدین کی زندگی کے کچھ اوراق طلباء کے سامنے یوں بیان کرتے کہ سامعین متأثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اور ہاں! حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے بہت سے اشعار نہ صرف یہ کہ آپ کو زباں زد تھے بلکہ موقع کی مناسبت سے اس کو سامعین کے گوش گزار کرنے اور مثال کے طور پر انہیں بیان کرنے کی بھی آپ میں عمدہ صلاحیت تھی۔ مجھ جیسے دوسرے کتنے ہی طلباء کو آج بھی جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ حضرت ہی کی مرہون منت ہے جنہیں ہم نے سب سے پہلے حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے درس ہی میں سنے تھے‘‘۔

(ماہنامہ وہوراویلفیر گجراتی اکتوبر ۲۰۰۰ء)

والد صاحب کی صحبت کی برکت تھی کہ انتظامی صلاحیت سے بھی حصۂ وافر پایا تھا، گرچہ آپ کے دور اہتمام میں جامعہ شدید ترین حالات سے دوچار تھا کلکٹر کی اجازت کے بغیر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا جاسکتا تھا، ایسے حالات میں مولاناؒ کی صلاحیت کو نکھرنے کا زیادہ موقع نہ ملا، كل شيئى بقضاء بقدر۔

مجلس خدام الدین اور مولانا: مولاناؒ کو حق تعالی نے امت کا درد وغم عطا فرمایا تھا، اسی درد کا نتیجہ تھا کہ آپ نے جامعہ ڈابھیل میں تدریسی مصروفیات کے ساتھ عوام میں دینی بیداری کے خاطر حتی المقدور محنت فرمائی ۱۹۵۲ء میں جب کچھ دردمند علماء کی جماعت نے مجلس خدام الدین کا افتتاح فرمایا تو مولاناؒ اس جماعت کے اہم رکن رہے اور مجلس کے سب سے پہلے جنرل سیکریٹری بنائے گئے، مجلس کے روح رواں مولانا عبدالحق میاں صاحبؒ کے ساتھ مولانا نے قریہ قریہ مکاتب قائم کئے، مساجد تعمیر کروائیں، رفاہ عام کے لئے کنوئیں کھدوائے، الغرض مختلف لائن سے دین کی نمایاں خدمت کی حق تعالی مولانا اور مجلس کے جملہ کارکنوں کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔

مولاناؒ کے اسفار: سفر مڈگاسکر۔ جامعہ ڈابھیل سے علیحدہ ہوئے کہ چند احباب کے بے حد اصرار اور سفارش کے بعد آپ نے مڈگاسکر کے سفر کا ارادہ فرمایا مگر والد محترم حضرت مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے حادثۂ انتقال نے اس سفر کو مؤخر کردیا، چونکہ مفتی صاحب کے فرزندوں میں آپ سب سے بڑے تھے اس لئے گھر کی مکمل ذمہ داری بھی آپ کے کندھوں پر آگئی، لہذا آپ نے اپنے والدہ کے مشورہ سے سفر کو چند مہینوں کے لئے ملتوی کردیا بالآخر رجب ۱۳۷۹ھ میں مڈگاسکر تشریف لے گئے۔

مولاناؒ کے اس سفر کے وقت مجلس کے ماتحت شائع ہونے والا ایک رسالہ ’’الاصلاح‘‘ کے ایک اقتباس کا خلاصہ یہاں نقل کرنا مناسب ہے، جس میں مولانا کی خدمات پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

مخلص دوست اور محبوب کے فراق پر قلبی تکلیف ورنج، انسانی فطرت میں داخل ہے اگر وہ دوست ایسا ہو جس سے ایک قوم اور جماعت فیضیاب ہو رہی ہو تو اس کی جدائی کا غم تو مزید برآں۔

بدقسمتی کہئے کہ مجلس کو ایک ایسا ہی حادثہ پیش آگیا کہ اس کے ایک حقیقی خیر خواہ مخلص ومتحرک کارکن اور جنرل سیکریٹری جناب مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحبؒ ہم سے جدا ہو رہے ہیں جنھوں نے مجلس کی تعمیر وترقی اور اس باغ کو سبز وشاداب کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور آج جب مجلس اپنی ترقی کی راہ پر گامزن ہے تب ہم جیسے کمزوروں کے سپرد فرما کر دور دراز سفر اختیار فرما گئے یقیناً مجلس کے خداموں کے لئے یہ وقت ماتم کرنے کا ہے، اس موقعہ پر جتنا بھی اظہار افسوس کریں کم ہے۔

مجلس کی فلاح وبہبود کے لئے آپ کی انتھک کوشش ومحنت سے گجرات کے مسلمان بخوبی واقف ہیں، آپ کی اس محنت پر مجلس کے خدام ممنون ہے، مشکل سے مشکل اوقات میں جس کامیابی کے ساتھ آپ نے مفوضہ ذمہ داری کو سنبھالا، وہ قابل تحسین ومبارک بادی کے مستحق ہے، جزاكم الله عنا وعن جميع المسلمين آمين

مومن کے لئے تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے، مولانا کی اس ظاہری جدائی پر ہم صبر کرتے ہیں اور یہ امید بھی رکھتے ہیں آپ کے اس سفر سے مجلس کی خدمت کے تعارف سے بیرون ملک کے مقیم مسلمان بھی متعارف ہونگے۔

ہمیں امید ہے کہ حضرت مولاناؒ ہم سے دور رہتے ہوئے بھی اپنے قیمتی مشوروں سے دین حنیف کے اس گلشن کی جو حقیقتاً آپ ہی کا آباد کیا ہوا ہے آبیاری فرماتے رہینگے۔

حق تعالی آپ کے اس سفر کو سہل فرمائے۔ مقاصد میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے اور

آپ کی ذات سے مجلس کو ماضی کی طرح مستقبل میں فیض یاب فرمائے آمین۔

(الاصلاح گجراتی سے اردو رجب ۱۳۷۹ھ)

سپاس نامہ از انجمن اصلاح اللسان: مولاناؒ کے اس سفر کے وقت انجمن اصلاح اللسان جامعہ ڈابھیل کی طرف سے درج ذیل سپاس نامہ پڑھا گیا۔

بخدمت مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم

الحمد لله الذى خلق كل شيئى زوجين وخلق المشرقين والمغربين وجعل الصحبة والفرقة والاقامة والغربة والنور والظلمة وصلى الله تعالى على رسوله الذى بعث للعالمين رحمة وكانت رسالته عامة ليكون على الناس حجة تامة وعلى اهل السعادة الذين فضلوا بالصحبة۔

اما بعد۔ دنیا ایک عجیب پلیٹ فارم ہے، ایک آیا دوسرا گیا، کہیں ماتم کہیں شادی، کوئی مغموم تو مسرور، کہیں نامرادی کہیں کامرانی، کوئی اشکبار تو کوئی خنداں، ہر چیز کی خالق نے ایک ضد اور جوڑ پیدا کیا ہے رات کے ساتھ دن کو بنایا اور روشنی کے مقابل میں تاریکی پیدا کی۔

ہر ایک کو اس دوراہہ زندگی سے سابقہ پڑتا ہے، جہاں وصال ہوتا ہے وہاں فراق بھی ہوتا ہے، ملاقات میں خوشی اور جدائی میں غمی ہر ایک کو ہوتی ہے لیکن جدائی بہت سی قسم کی ہوتی ہے، حبیب کی محبوب سے، غلام کی آقا سے، بچے کی باپ سے، ایسی بہت سی جدائیاں ہیں۔

لیکن جدائی کا غم تعلق کی شدت وقلت پر مبنی ہے، ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ جب لگاؤ ہوتا ہے تو اس کی جدائی کا غم بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہ ہمارا ادارہ انجمن اصلاح اللسان اور اس کے ممبران آج ان کے چہرے پھیکے، پژمردہ اور بے نور معلوم ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں اشکیں بہاتی ہیں تو دل بحر قلق وحزن میں ڈوبے ہوئے ہیں، زبان ساکت پھر بھی نالاں اور حال سے بے حال اور پریشان نظر آتے ہیں کیونکہ معمول کے خلاف آج آفتاب انکے مطلع پر روشنی کی جگہ پر تاریکی لئے نمودار ہوا آج ہماری انجمن کے سرپرست محسن، منعم اور ایک ہر دل عزیز روحانی باپ جدا ہو رہے ہیں

آج ہم ان کی شفقتوں اور مہربانیوں سے یتیم ہو رہے ہیں اور سرپرستی کا سایہ اٹھتا ہوا پا رہے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحبؒ گو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا نہیں ہوئے لیکن آپ کی بردبار طبیعت طلبہ پر شفقت اور محبت انجمن کی ہر طرح امداد واعانت اور دیگر آپ کے انگنت اور بے شمار اوصاف کریمہ اور اخلاق شریفہ کی وجہ سے ہمارے دل میں اس طرح گھر کر لیا کہ چند سال تو کیا چند دن کے لئے بھی آپ کو چھوڑنا گوارہ نہیں۔

آپ کے بعد کون ہوگا جو ہماری فریاد سنے گا، مصیبت کے وقت ہم کس کے پاس جائینگے اور انجمن کی ضرورتوں کو اب کون دفع کریگا وہ قیمتی مشورے کس سے حاصل کرینگے، پھر بھی اپنی قسمت کے ہاتھوں مجبور ہو کر آج ہم آپ کو الوداع کہہ رہے ہیں اور ہم اپنے ادارہ کو ایک مدت کے لئے یتیم بنا رہے ہیں۔

آپ کے احسانات کا شکریہ کس طرح ادا ہو پھر بھی اپنے دل کی آواز کو اس سپاس نامہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور صمیم قلب سے بارگاہ ایزدی میں دعاء کرتے ہیں کے اللہ تعالی آپ کے دل کی مرادیں پوری کریں اور پھر ایک بار آپ ہم پر سایہ فگن ہوں۔ اور آپ جہاں بھی رہیں عزت واکرام ہو اور آپ کے ہاتھوں میں دین کی دولت آتی رہے آمین یارب العالمین

خدام انجمن اصلاح اللسان   جامعہ اسلامیہ تعلیم القرآن ڈابھیل

مڈگاسکر میں دینی خدمات: سفر مڈگاسکر میں مولاناؒ کے مطمح نظر دنیا نہیں تھی بلکہ وہاں آپ نے اپنی ذات کو دینی خدمات میں مشغول رکھا، تدریس کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کو بھی بحسن وخوبی پورا فرمایا، وعظ نصیحت سے امت کو فیض پہنچایا آپ کی اخلاص وللّٰہیت بھری محنت رنگ لائی اور حق تعالی نے آپ کو مرجع خلائق بنا دیا۔

سفر حج: ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں حق تعالی نے حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی اور مکہ معظّمہ تشریف لے گئے فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد روضۂ اقدس کی حاضری سے مشرف ہوئے

مدینہ منورہ کے قیام میں اپنے استاذ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ سے ملاقات ہوئی حضرتؒ نے بڑی شفقت فرمائی اور روانگی کے وقت اپنا مخصوص عصا ہدیۃ مرحمت فرمایا۔

حج سے فراغت پر دوبارہ ٹڈگا سکر تشریف لا کر دینی خدمت میں مصروف ہو گئے، مگر اب کی مرتبہ کئی امراض نے گھیر لیا، کافی علاج و معالجہ کیا مگر کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا اس لئے وطن واپس تشریف لائے یہاں بھی علاج کے باوجود بیماری میں کوئی خاص فرق نہ ہوا تو سفر کا ارادہ موقوف کر دیا۔

فلاح دارین ترکیسر میں: مولاناؒ نے بیماری کی وجہ سے وطن میں قیام کا ارادہ فرما لیا، اس دوران فلاح دارین ترکیسر کے ارباب اہتمام کی دعوت پر ترکیسر تشریف لے گئے اور صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

فلاح دارین کے ذمہ داروں کی طرف سے اہتمام کی پیش کش بھی کی گئی مگر مولاناؒ نے اسے قبول کرنے سے معذرت فرما دی کچھ عرصہ بعد ترکیسر سے استعفیٰ دیکر دوبارہ ڈابھیل تشریف لے آئے۔

سفر ریونین: ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں اہل ریونین کی دعوت پر ریونین تشریف لے گئے اور زندگی کے آخری لمحات تک دینی خدمات میں مشغول رہے۔

مختلف خدمات: تعلیمی فراغت کے بعد مولاناؒ نے اپنے وطن ڈابھیل میں ''بسم اللہ کتاب گھر'' کے نام سے ایک کتب خانہ ایک عرصہ تک چلایا، فلاح دارین سے مستعفی ہو کر بھی کچھ وقت اس مشغلہ میں گذارا۔

تصنیف و تالیف: اللہ تعالیٰ نے تحریر و انشاء کا بھی خاص سلیقہ بخشا تھا، چنانچہ قلم کے ذریعہ بھی انہوں نے دین کی بڑی خدمت کی، قیام ترکیسر کے دوران مولانا غلام نور گت صاحبؒ کے ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''تبلیغ'' میں مختلف موضوعات پر مضامین تحریر فرما کر شائع فرمائے حضرت مدنیؒ کی وفات پر ایک طویل مضمون ''الاصلاح'' کے لئے لکھا، حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوریؒ مولاناؒ کی اس تحریری صلاحیت سے واقف تھے یہی وجہ تھی کہ موصوفؒ نے آپ سے درخواست کی تھی کہ علماء گجرات کی سوانح اور ان کے علمی و عملی کارناموں پر قلم اٹھائیں، گرچہ مولاناؒ اپنی دوسری مشغولیات کی وجہ سے اس کام کے لئے وقت فارغ نہ فرما سکے۔

زیر نظر تعزیتی مضمون جسے مولانا نے حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوریؒ کے انتقال پر ان کے صاحبزادہ ''بھائی میاں مدظلہ'' کے نام تحریر فرمایا تھا۔

مکتوب گرامی

۲۸؍جون ۱۹۶۳ء

عزیز بھائی میاں صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! واضح ہو کہ بحمد اللہ خیرت سے ہوں امید کہ آپ بھی بخیر ہونگے زیارت حرمین شریفین سے فراغت پا کر جب یہاں پہنچا تو والد محترمؒ کے انتقال پُر ملال کی خبر وحشت اثر سن کر بڑا رنج اور صدمہ ہوا۔ موت العالم موت العالم، خطہ گجرات میں یوں بھی علماء حقانی بہت ہی خال خال تھے مگر اب تو بالکل خالی ہوتا جا رہا ہے، والد بزرگوارؒ بہت ہی پرانے اور اونچے طبقے کے علماء میں سے تھے اور اکابر علماء کی زندہ یادگار تھے، پرانے واقعات اور وہ بھی سن اور تاریخ وار ازبر تھے، اپنی عمر کے اکاسی سال پورے کئے مگر حافظہ میں ذرا فرق نہ آیا۔ مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا تھا میری عمر کبھی نہیں بھول سکتے ۱۳۰۰ھ کی پیدائش ہے اسی سے حساب لگا لیا کرو! علاوہ اس کے اور بھی چند فرمائشیں تھیں افسوس کہ میں پوری نہ کر سکا، علماء گجرات کی تاریخ لکھوانے کے متعلق مجھ سے ہمیشہ فرماتے رہتے تھے۔ مگر مشاغل ضروریہ سے فراغت نہ پا سکا اور تمنا پوری نہ ہو سکی! وائے افسوس۔ یہ گنجینۂ علوم ہمیشہ کے لئے دفینۂ زمین ہو گیا۔ یہاں آنے کے لئے جب میں رخصتی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا تب ان کی ایک کتاب جو موریشش کے ایک شخص کو انہوں نے غالباً رنگون میں دیکھنے کو دی ہو گی اس کی فرمائش کی تھی۔ یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص موریشش چھوڑ کر مکہ مکرمہ چلا گیا میں اب کے جب مکہ پہنچا تو ان صاحب سے ملاقات ہوئی آپ کے والد صاحب کا حال انہوں نے دریافت کیا میں نے کتاب کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے کہ اب تجارتی لائن میں منسلک ہونے کی وجہ سے نہ معلوم

کتابیں کہاں پڑی ہونگی۔ والد بزرگوارؒ کو اپنی کتابوں کی ہمیشہ فکر رہتی تھی! گو دیکھنے کے لئے ضرور دیتے مگر جب تک واپس نہیں کی جاتی ہمیشہ یاد دلاتے رہتے۔ اہل علم کے قدر داں تھے غرض مرحوم ومغفور صفات کثیرہ کے مالک تھے ایسی جامع ہستی کی جدائی سے صدمہ ضرور ہوتا ہے مگر کل نفس ذائقة الموت و كل من عليها فان خداوند قدوس کا اٹل قانون ہے اس کے پیش نظر ہمیں وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انالله وانااليه راجعون کا سبق سکھلایا گیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالی مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبراً جمیلاً کی توفیق نصیب ہو آمین ثم آمین۔ والدہ کی خدمت میں مضمون تعزیت کے لئے پیش کریں کار لائقہ ودعائے صالحہ میں ہمیشہ یاد فرماتے رہیں، فقط والسلام بندہ عبدالحی بسم اللہ عفی عنہ۔

اخلاق وعادات: مولانا سیدھے سادے تھے، مزاج میں نرمی تھی۔ اہل علم کے قدر داں تھے، اکابرین سے خدمت وعقیدت کا تعلق تھا، مشائخ کے صحبت یافتہ تھے، حضرت اقدس مولانا مدنیؒ سے گہری عقیدت اور انتہائی تعلق تھا، حضرتؒ کی وفات پر جو مضمون آپ نے تحریر فرمایا اس سے آپکے تعلق کا اندازہ ہوتا ہے، مہمان نوازی میں ضرب المثل تھے، قیام ریونین کے دوران اکابرین ومشائخ مثلا حضرت بنوریؒ، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ وغیرہم کی آمد پر میزبانی کا حق ادا فرماتے، چونکہ مولاناؒ کھانا پکانے میں بھی مہارت رکھتے تھے اس لئے ان اکابرین کی آمد پر بنفس نفیس اس خدمت کو انجام دیتے۔

حق تعالی نے صفت اخلاص سے بھی متصف فرمایا تھا اور اخلاص کا یہ عالم تھا کہ اپنے مضامین میں نام تک کا اظہار نہیں فرماتے۔

وعظ وتقریر کا بھی حق تعالی نے عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا، اظہار حق میں کسی کی پرواہ نہ فرماتے، یہی وجہ تھی کہ بعض مرتبہ اہل مال واہل عہدہ آپ کی حق گوئی پر ناراضگی کا اظہار کرتے، علماء کی مجلس میں عالمانہ مضامین بیان فرماتے، اردو، فارسی، عربی کے سینکڑوں اشعار مولانا کو یاد تھے، جس سے مجلس کی

دلچسپی میں اضافہ ہو جاتا۔

کلام پاک سے والہانہ بلکہ عاشقانہ تعلق تھا، بہت کثرت سے تلاوت فرماتے۔ تفسیر پر گہری وتحقیقی نظر تھی۔

نحو وصرف کی پختگی کا یہ عالم تھا کہ باوجود حافظ نہ ہونے کے تراویح میں حفاظ کی زیر زبر کی غلطیوں پر نشاندہی فرماتے، کبھی تغیر معنی کی وجہ سے اعادۂ صلوۃ کا حکم فرماتے، مولانا کی ایک عجیب صفت دنیا سے بے رغبتی کی تھی، ریونین جیسے مالدار ملک میں رہتے ہوئے بھی مال ودولت کی حرص وطمع انہیں فریفتہ نہ کرسکی اور آخر تک مجاہدانہ زندگی بسر فرماتے رہے۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خواب میں زیارت: حضرت مولاناؒ وسیع المطالعہ تھے، ایک مرتبہ ''سیرت الصدیق'' کے مطالعے کے دوران حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی زیارت منامی سے مشرف ہوئے، حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحبؒ کے نام ایک گرامی نامہ میں مولانا نے اس کا تذکرہ کیا ہے وہ مکتوب یہ ہے۔

بگرامی خدمت محترم المقام مخدومنا ومولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون عرض این کہ خیریت سے ہوں امید کہ مزاج قبلہ بخیر وعافیت ہوگا، گذشتہ ہفتہ آپ کی کتابیں بھیج دی تھیں، ملی ہونگی ''سیرت الصدیق'' کے مطالعہ سے بہت مسرور رہا۔ اور اس مطالعہ کے ایام میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خواب میں زیارت بھی نصیب ہوئی، فالحمد لله على ذلك (الاخفاء اولى من الاظهار)

عرض ہے کہ سنا گیا ہے کہ آپ نے ''مکتوبات شیخ الاسلام'' منگوایا ہے، اگر مطالعہ سے فارغ ہوں تو ارسال فرماویں گے۔ علاوہ اس کے دوسری کوئی قابل مطالعہ کتاب ہو تو عنایت فرمائیں۔ دعائے خصوصی کا ہمہ وقت طالب ہوں۔ فقط والسلام

سگ پائے بزرگاں۔ عبدالحی بسم اللہ عفی عنہ یکم ذوالقعدہ اےسمہ ھ

حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کے چند گرامی نامے دستیاب ہوئے۔ پہلا مکتوب مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام ہے جوانہوں نے نہی عن المنکر کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے مولانا دریابادی کے نام ایک رسم کے انسداد کے جذبہ سے تحریر فرمایا ہے۔

دوسرا مکتوب مست منگیرا صاحب کے نام ہے منگیرا صاحب نے سروارا (સરવાળા) نامی کتاب قصہ کہانیوں پر مشتمل گجراتی زبان میں لکھی تھی، کتاب کا ایک نسخہ مولانا کے نام ارسال کیا، یہ مکتوب شکریہ اور حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ ایک امر منکر کی نشاندہی پر مشتمل ہے۔

تیسرا مکتوب گرامی اپنے والد ماجد حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ کے نام ہے، ان کے دور اہتمام میں مدرسہ کے لئے حصول چندہ کی غرض سے بمبئی تشریف لے گئے تھے بمبئی سے تحریر کیا ہے۔

مکتوب (۱)

مکرمی ومرشدی جناب قبلہ مولانا صاحب دامت برکاتکم

تسلیم! عرض ایں کہ مدت سے دل میں ایک بات کھٹک رہی ہے۔ ہندوستان بھر میں قریب قریب یہ رواج عام ہوگیا ہے کہ کسی بڑی ہستی کے لئے ''ڈے'' منائے جاتے ہیں یا کسی تحریک کے ماتحت ''ڈے'' منائے جاتے ہیں۔ مثلاً اقبال ڈے۔ محمد علی ڈے۔ جناح ڈے۔ حسین ڈے۔ پاکستان ڈے۔ وغیرہ وغیرہ ہزاروں ڈے منائے جاتے ہیں۔ اس میں دینی ودنیوی دونوں مضرت پنہاں معلوم ہوتی ہے۔ دینی تو ظاہر ہے کہ برسی منانی بدعت ہے۔ اور یہ برسی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور دنیوی یہ کہ مسلمانوں کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں بلکہ بعضے اوقات لاکھوں روپئے فضول خرچ اور برباد ہوجایا کرتے ہیں۔ ابھی ۲۱/اپریل کو بمبئی سے ''اقبال ڈے'' کے سلسلہ میں مشاعرہ منعقد ہونے والا ہے۔ جس میں قریب قریب ہندوستان کے نامور مشہور شاعر تشریف لائینگے ظاہر ہے کہ شاعروں کی گزراوقات انہیں مشاعروں سے ہوتی ہے۔ بلا قیمت کے تو آئینگے نہیں۔ اور قیمت بھی معمولی نہ ہوگی۔ اور پھر ایسے مشاعروں میں جوش جیسے الحاد پرست شاعر کو اپنے ملحدانہ اقوال پیش کرنے کا اس سے بہتر موقع کونسا ہاتھ آسکتا ہے؟ غرض یہ کہ ساری خرابیاں ہی خرابیاں ہیں۔ اس قسم کے ڈے

منانے کی رسم کو مٹانے کی اگر کوشش کی جائے تو ممکن ہے مسلمانوں کی اخلاقی ومعاشرتی حالت درست ہوکر اسراف سے بھی بچ جائینگے۔ امید کہ اس کی خرابی کو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے عالی سے مشرف فرمائیں گے کہ میرے دل میں جو بات ہے آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ فقط والسلام طالب دعا

عبدالحی اسماعیل بسم اللہ از ڈابھیل ضلع سورت

۷۸۶

مکتوب (۲)

ہیڈ ماسٹر۔ ایڈیٹر وہوراسماچار مست منگیرا۔ عالی پور وایا: نوساری ضلع: بلساڑ

مہربان مست منگیرا صاحب!

بعد سلام مسنون! عرض اینکہ آپ کی بھلی دعاؤں اور خدا پاک کے فضل وکرم سے فی الحال ہم سب خیر وعافیت سے ہیں۔ آپ بھی بخیر وعافیت سے ہونگے اور دعا ہے کہ ہمیشہ خیر وعافیت سے رہو۔ آمین ثم آمین

بعدہ عرض اینکہ آپ کے مبارک ہاتھ سے لکھا ہوا خط اور ''سروارا'' کا تحفہ موصول ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ، سروارا پر آپ کی دستخط ہوتی تو محبت کی یادگار اور زیادہ نکھر جاتی پھر بھی ملاقات کے موقع پر انشاء اللہ دستخط کی امید رکھتا ہوں۔ کتاب ہاتھ میں لیتے ہی سروارا کی کہانی پڑھتے ہوئے آنکھوں سے آنسوں کے قطرے گرنے لگے، بعینہ حقیقت پیش کرنے میں قلم نے دماغ کا بھرپور ساتھ دیا ہے ؎ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

دور جدید میں تصویروں سے کتاب کو مزین کرنے کے دستور سے آپ بھی بچ نہ سکے اس عیب کے علاوہ کتاب کے بہترین ہونے میں شک نہیں ہے البتہ گمنام کے نام کو اجاگر کرنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا، اس کے باوجود گمنام کو کتاب میں یاد فرمایا اس کا شکریہ۔ الخ (گجراتی سے اردو)

مکتوب (۳)

قبلہ والد صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ
بعد التسلیم عرض ہے کہ خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں۔

چندہ کا کام اس سال بہت ہی مشکل سے ہو رہا ہے بہت سے لوگ یہ بہانہ تراشتے ہیں کہ اس سال چھ چھ آٹھ آٹھ مہینے تک دوکانیں بند رہیں۔ جس کی باعث بیوپار نہیں ہوسکا۔ اور کچھ لوگ کراچی جاچکے۔ غرض کہ آج تک صرف ایک ہزار تک ہوا اور محمد، احمد کے مال سے اگر مقررہ رقم مل جائے تو ڈیڑھ ہزار تک پہنچ سکے گا۔ جتنے پرانے تھے تمام کے پاس جاچکے، اب خیال ہے کہ یہاں سے اتوار یا پیر کو روانہ ہوجائینگے، پیسے منی آڈر سے بھیجنے والا تھا مگر موسی بھائی نے منع کیا انہوں نے فرمایا کہ میں گھر پہ کہکر آیا ہوں اب روپئے بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ ولی بھائی بھروچی سے ملاقات ہوئی انہوں نے چند حضرات سے گفتگو کی، مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ اور وہ اپنے مکان بھروچ چلے گئے۔ بس اور کیا عرض کروں۔ سب کو سلام اور دعا

داؤد کے لئے حافص خالہ سے ذکر کیا کہتی ہیں کہ رمضان کے بعد ہم خط لکھیں گے اس وقت داؤد کو بمبئی بھیج دیجیو۔ فقط والسلام بندہ عبدالحی بسم اللہ

وفات: زندگی کی پچپن منزلیں طے کرنے کے بعد قوم وملت کا یہ مخلص خادم غریب الوطنی ہی میں (ریونین سینت لوئیس۔ saint.lovis) ۱۰/رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۷/جولائی ۱۹۷۶ء کو کلمۂ شہادت کے ورد کے ساتھ اپنے محبوب حقیقی سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، حق تعالی اپنے اس مخلص بندہ کے ساتھ مغفرت ورحمت کا خصوصی معاملہ فرمائے اور ان کی جملہ خدمات کو شرف قبولیت سے نواز کر ترقئ درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

نوٹ: مولانا کے یہ حالات کچھ "تاریخ جامعہ" سے اوبزیادہ تر مولانا مفتی عباس صاحب مدظلہ کے مضمون سے مرتب کئے گئے ہیں۔

(ماہنامہ اذان بلال جنوری وفروری ۱۹۹۹ء از قلم مولانا مرغوب احمد لاجپوری۔ ڈیوزبری، یو۔ کے معمولی تغیر اور کچھ اضافہ کے ساتھ)

* * *

۲۸ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ

نام: حضرت مولانا محمد مالک صاحبؒ ابن حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (سابق استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل وشیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان)

ولادت وتعلیم: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک صاحبؒ قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی میں ۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ہی سے حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر ثانوی اور اعلی تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا، جہاں حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ کی شفقتوں اور عنایتوں سے خوب مالامال ہوئے، اس کے بعد اپنے والد ماجد کے حکم پر مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، آپ کے والد ماجد ان دنوں دارالعلوم میں شیخ التفسیر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے، دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث مولانا اعزاز علی امروہیؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، مفتئ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے اور دورۂ حدیث کی اعلی درجہ میں تکمیل کی اور سند فراغ حاصل کی۔

پھر ۱۳۶۲ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے مکرر دورۂ حدیث کی تکمیل کی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن امروہیؒ (تلمیذ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنیؒ سے استفادہ کیا۔

درس وتدریس: فراغت تعلیم کے بعد اس خیال سے دارالعلوم تشریف لے گئے کہ وہاں کچھ عرصہ اپنے اساتذہ کی نگرانی میں تصنیف وتالیف میں گزاریں گے، لیکن ان ایام میں بہاولنگر کے ایک مدرسہ جامع العلوم کے مہتمم صاحب دیوبند آئے ہوئے تھے، ان کے اصرار پر آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی رائے سے بہاولنگر تشریف لے گئے، اور درس وتدریس کا آغاز فرمایا، بعد میں اسی مدرسہ جامع العلوم کے لئے وہاں کے لوگوں کے تقاضے پر آپ کی کوششوں

سے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ بھی تشریف لے آئے، جامع العلوم میں تدریسی زندگی کا آغاز صحیح مسلم، ابوداؤد و تفسیر جلالین اور ہدایہ سے کیا اس کے علاوہ معقولات میں قاضی مبارک اور میر زاہد جیسی کتابیں بھی پہلے سال پڑھائیں۔

جامع العلوم بہاولنگر میں دو سال تدریسی خدمت کے بعد اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حکم پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل منتقل ہونے کا فیصلہ کیا، اور ۱۳۶۵ھ میں استاذ حدیث کی حیثیت سے جامعہ اسلامیہ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا اور اپنے اساتذہ کے پہلو بہ پہلو تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس زمانہ میں حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، جب حضرت علامہ افغانی قیام پاکستان کی وجہ سے ہندوستان واپس نہ جاسکے تو جامعہ اسلامیہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہمراہ آپ دورۂ حدیث کی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، ۱۳۶۵ھ تا ۱۳۶۹ھ یعنی چار سال جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں، تدریسی خدمات کے علاوہ جامعہ کے انتظام و انصرام میں بھی آپ کا حصہ ہے، ملک کی تقسیم کی وجہ سے اساتذہ اور طلبہ کی تعداد میں کمی ہوئی اس خلا کو پر کرنے میں بڑا تعاون رہا۔

۱۳۶۷ھ میں پاکستان تشریف لے گئے، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے حیدرآباد سندھ کے مضافات میں ٹنڈوالہ یار کے مقام پر ایک عظیم الشان مرکزی دارالعلوم قائم کیا، جس میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی خواہش اور فیصلہ کے مطابق اکابر مدرسین کو جمع کیا گیا، حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ دارالعلوم دیوبند سے اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے اصرار پر خاندان کے دوسرے افراد کے ہمراہ پاکستان پہلے ہی پہنچ چکے تھے، حضرت مولانا محمد مالک صاحبؒ نے بھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے حضرت شیخ الاسلام کے دارالعلوم کے لئے مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی دعوت پر پاکستان آنے کا فیصلہ کیا، اور ۱۳۶۷ھ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ہمراہ دہلی سے لاہور کا سفر کیا، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ آپ کو اپنے مدرسہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں استاذ حدیث مقرر کرنا چاہتے تھے، لیکن

آپ نے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں استاذ حدیث کی حیثیت سے خدمت حدیث میں گزارے۔

ہزاروں افراد کو اپنے فیض علمی و روحانی سے مستفیض و مستفید کیا، ملک و بیرون ملک میں آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مولانا ٹنڈوالہ یار کے دارالعلوم ہی میں علم حدیث کی خدمت جلیلہ انجام دے رہے تھے، کہ والد محترم شیخ المحدثین والمفسرین حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ کا انتقال ہوگیا اور پاکستان کے عظیم ادارہ جامعہ اشرفیہ لاہور کی عظیم مسند (مسند شیخ الحدیث) اجڑ گئی، جامعہ اشرفیہ لاہور کے ارباب حل وعقد کی نگاہ انتخاب اسی گوہر نایاب پر آکر ٹھہری، اور ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء میں عظیم بیٹا اپنے والد کی عظیم مسند کا صحیح جانشین قرار پایا، اور آخری سانس تک اس مسند کا صحیح اور بے مثال حق ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو الولد سر لأبيه کا مصداق ثابت کیا اور اسی مسند کی خدمت میں اعلاء کلمۃ اللہ کا پرچم تھامے اپنی جان کا نذرانہ دربار حقیقی میں پیش کردیا، اور من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهد وا الله عليه کا عملی نمونہ پیش کیا۔

آپ کا صحیح بخاری کا درس بڑا مقبول درس تھا، ہر سال تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ کی درس حدیث کی مسند کو سنبھالنا کوئی معمولی بات نہیں تھی لیکن حضرت مولانا نے ٹھوس علمی مذاق اپنے والد ماجدؒ سے وراثت میں پایا تھا، ذوق مطالعہ بھی خوب تھا چنانچہ آپ نے درس حدیث کے اس معیار کو بڑی حد تک برقرار رکھنے کی پوری کوشش فرمائی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دورۂ حدیث میں طلبہ کے رجوع و اقبال میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تصانیف: تدریس کے علاوہ اپنے والد ماجدؒ کی طرح مولانا کو تصنیف و تالیف کا بھی خاص ذوق تھا، آپ کی بہت سی ٹھوس علمی کتابیں آپ کے صدقۂ جاریہ کے طور پر باقی ہیں۔

(۱) تجرید صحیح مسلم ''دو جلد'' مولانا کی یہ کتاب صحیح مسلم کی اردو شروحات میں ایک بلند مقام رکھتی ہے کتاب کے بنیادی اور اساسی ماخذ میں صحاح ستہ، مشکوۃ المصابیح، شرح فقہ اکبر، التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے درس بھی

شامل ہیں، مسائل فقہیہ کو احسن اسلوب کے ساتھ آسان زبان اور مختصر عبارت میں بیان کیا گیا ہے، اختلاف ائمہ کی صورت میں ترجیح راجح کے بیان میں ائمہ کا ادب واحترام ملحوظ رکھا گیا ہے اور صرف علمی دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔

(۲) تکملۂ تفسیر معارف القرآن، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اپنی حیات میں تفسیر ''معارف القرآن'' کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے، مولانا نے ماشاء اللہ اس کی تکمیل کا بیڑ اٹھایا اور تفسیر میں اپنے والد ماجدؒ کے رنگ کو باقی رکھنے کی پوری کوشش فرمائی۔

(۳) ''منازل العرفان فی علوم القرآن'' بڑے پائے کی کتاب ہے، جس میں علوم قرآن کے موضوع پر بڑے گراں قدر مباحث اور معلومات جمع فرمائے ہیں، اور شاید اردو میں علوم القرآن پر اتنی ضخیم کتاب کوئی اور نہیں ہے۔

اسکے علاوہ آپ کی گراں قدر علمی یادگاریں ہیں، جو اپنے اپنے موضوع پر وقیع تصانیف کی حیثیت رکھتی ہیں وہ یہ ہیں (۴) سراج الہدایہ (۵) تاریخ حرمین (۶) پیغام مسیح (۷) اسلامی معاشرت (۸) پردہ اور مسلمان خاتون (۹) اسلام پر عیسائیت کے حملے اور ان کا جواب۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:

اللہ تعالی نے تدریس وتصنیف کے ساتھ ملت کے اجتماعی مسائل کا درد اور ان کے ساتھ خاص شغف بھی عطا فرمایا تھا، چنانچہ اس سلسلہ میں بھی آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ صدر ضیاء الحق صاحب شہید مرحوم کے دور میں مجلس شوری اور پھر اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی رکن رکین رہے، جامعہ اسلامیہ اسلام آباد اور متعدد تعلیمی اداروں کے ذمہ دار مجالس اور نصاب کمیٹیوں کے بھی رکن رہے، اور ان تمام حیثیتوں میں دین کی دعوت اور اشاعت کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

ایک ادارہ کا قیام: آپ کے ذہن پر مدت سے اس بات کا تقاضا تھا کہ دینی مدارس کے فضلاء میں ایسے حضرات کی ایک کھیپ تیار کی جائے، جو دعوت وارشاد کی لگن رکھتی ہو اور اس مقدس فریضے کی

انجام دہی کے لئے ان ہتھیاروں سے لیس ہو، جو اس دور میں ایک داعی حق کے لئے ضروری ہے، چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے شمالی ناظم آباد کراچی میں ایک مستقل ادارہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں قائم فرمایا۔ جس کا بنیادی مقصد فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت وارشاد کی تربیت دین اور اس سلسلے کی ضروری معلومات سے آراستہ کرنا تھا، افسوس ہے کہ ابھی یہ ادارہ اپنے ابتدائی مراحل ہی طے کر رہا تھا کہ وہ مولانا کی سرپرستی اور نگرانی سے محروم ہو گیا۔ (نقوش رفتگاں)

وفات: ایک عرصہ سے آپ ذیابطیس کے موذی مرض میں مبتلا تھے، ۸/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ بمطابق ۲۱/اکتوبر ۱۹۸۸ء جمعۃ المبارک کی بابرکت شب کو صبح صادق سے قبل ۳ بجے قال اللہ وقال رسول اللہ ﷺ کی صدا سے دھڑکنے والے دل کی حرکت بند ہو گئی، اور یہ عظیم محدث علمی دنیا سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد نماز جمعہ فقیہ العصر حضرت مولانا جمیل احمد تھانویؒ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں نماز جنازہ پڑھائی، ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی، اور ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں اچھرہ (پاکستان) کے قبرستان میں اپنے والد ماجدؒ کے قدموں میں پہلو کی جانب مدفون ہوئے، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ آفتاب علم وعمل غروب ہو گیا۔ (ماخوذ از نقوش رفتگاں وخطبات مالک کاندھلویؒ)

۲۹

مولانا سید ابرار احمد صاحب دھولیویؒ

(شیخ الحدیث فلاح دارین ترکیسر)

ولادت: مؤرخہ ۲۴/ذوالحجہ ۱۳۶۱ھ روز جمعہ مطابق یکم جنوری ۱۹۴۳ء کو نواپور ضلع دھولیہ میں حضرت مولانا سید شجاع الدین صاحبؒ کے یہاں ایک اور خورشید طلوع ہوا، وہ بچہ جس کو مستقبل میں واقعتاً صفِ ابرار میں شامل ہونا تھا بلکہ اپنے دور کا امام الابرار بننا تھا اس کا نام بھی الہامی طور پر والدین کی زبان سے ابرار احمد تجویز ہوا، پھر دنیا نے دیکھا کہ جیسا نام رکھا گیا ویسا ہی وہ اپنی شخصیت اور کردار کے آئینہ میں صف ابرار میں شامل ہی نہیں کامل بن کر نکلا۔

یتیمی کا شرف: مولاناؒ ۹/۱۰ سال ہی کے تھے کہ والد محترم نے اس دنیائے فانی کو الوداع فرمایا

(اور زندگی کے آخری لمحات میں کن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل کا نمونہ پیش فرمادیا) پھر کچھ عرصہ میں والدہ محترمہ بھی اللہ کی رحمت میں پہنچ گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون، اس طرح حضرت مولاناؒ کو غیر اختیاری طور پر سنت نبوی کے مطابق دونوں طرف سے یتیمی کا داغ برداشت کرنا پڑا اور اس طرح بچپن میں ہی حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ یک گونہ مشابہت ہوگئی، آپ کے والد صاحب کے انتقال کے بعد تربیت کی تمام تر ذمہ داری آپ کے چچا (حکیم سید رفیع الدین صاحب جیلانیؒ) اور بڑے بھائی (حکیم سید ضیاء الدین صاحب مدظلہ) اور بڑے بہنوئی (حضرت مولانا حکیم فخر الدین عثمانیؒ فاضل دارالعلوم دیوبند) کے سر آپڑی، چونکہ مولانا کا سارا ہی خاندان علمی تھا گھر میں علم ودین داری کا چرچا تھا اس لئے تعلیم میں محنت اور ذوق وشوق، توجہ وانہماک کے ساتھ مشغول رہے تا آنکہ شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے اعلیٰ نمبرات اور نہایت نیک نامی کے ساتھ فراغت حاصل کرلی۔

جامعہ ڈابھیل میں قیام اور اساتذہ: جامعہ ڈابھیل میں آپ کا قیام پانچ برس رہا اور درجۂ سوم سے دورۂ حدیث تک متعدد اساتذہ سے پورے ادب واحترام کے ساتھ کسب فیض کیا مگر جن اساتذہ کی آپ پر خصوصی توجہ رہی اور جن کی علمی عملی تابناکیوں سے آپ خوب مستفیض ہوئے ان میں حضرت اقدس مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تلمیذ حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ) اور حضرت مولانا عبد الغفور صواتی رحمۃ اللہ علیہ استاذ معقول ومنقول جامعہ ڈابھیل بہت نمایاں تھے۔

آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الحدیث جامعہ حضرت اقدس مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ سے، صحیح مسلم حضرت مولانا محمد آدم صاحب طالعپوریؒ (شاگرد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ) سے، ابوداؤد شریف، جلالین شریف، ہدایہ اولین حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پالنپوریؒ (شاگرد وخلیفۂ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ) سے، طحاوی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحبؒ (تلمیذ حضرت مدنیؒ) سے پڑھی۔

بقیہ کتب دورۂ حدیث انہی اساتذہ سے، ہدایہ آخرین، مختصر المعانی حضرت مولانا عبد الغفور صواتیؒ، مقامات اور شرح وقایہ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی مدظلہ، نور الانوار حضرت مولانا قمر الدین بڑودوی مدظلہ، ترجمۂ قرآن کریم حضرت مولانا ابراہیم صاحب اندوروی مدظلہ، اصول الشاشی حضرت مولانا یعقوب صاحب کاوی قاسمی مدظلہ سے پڑھیں، اسی دور میں مولانا خیر الرحمٰن صاحب بھی مدرس تھے اس لئے بقیہ کتب ان ہی اوپر مذکور اساتذۂ کرام میں تقسیم ہوں گی۔

اس دور کے تمام اساتذہ لائق وفائق اور ذی استعداد تھے اور آپ نے بہت ہی کامیابی اور عمدگی سے تعلیمی سلسلہ کو پورا فرمایا۔

فراغت کے بعد: فراغت کے بعد آپ نے سلف صالحین کے طرز پر اصلاح باطن کی طرف توجہ فرمائی اور مصلح الامت حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی ثم الٰہ آبادیؒ از ارشد خلفاء حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں سفراً وحضراً دو سال قیام فرما کر اپنے باطن کو جلا بخشی اور مجاز صحبت کے اعزاز سے مشرف ہوئے، رمضان ۱۳۸۷ھ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سفر حج کرتے ہوئے انتقال فرمایا تو آپ سہارنپور تشریف لے گئے اور برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا زکریا صاحب کاندھلوی ثم المدنیؒ کی خدمت میں چھ ماہ قیام فرما کر وطن تشریف لائے، سہارنپور قیام کے زمانہ میں مظاہر علوم میں متعدد کتابوں کی سماعت کے لیے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے ان میں خاص طور سے بخاری شریف حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے یہاں اور طحاوی شریف حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم وخلیفۂ حضرت تھانویؒ کے یہاں ہوتی تھی ان میں اہتمام سے سماعت فرماتے تھے اس زمانہ میں امام النحو علامہ صدیق احمد صاحب کشمیریؒ کے درس شرح جامی اور حضرت مولانا محمد یامین صاحبؒ کے درس سلم العلوم کی بڑی شہرت تھی کبھی کبھی ان اسباق میں بھی شرکت فرمائی ہے۔

بعد میں حضرت حکیم الاسلام فخر الاماثل حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند سے بیعت ہوئے اور مجاز بیعت ہوئے، آپ کو حضرت حکیم الاسلامؒ سے ایسا عشق وتعلق

نصیب ہوا کہ شکل وصورت اور تقریر وخطابت میں ''طیب ثانی'' کہلائے جانے لگے۔

تدریس جامعہ ڈابھیل: علوم ظاہرہ وباطنہ کی تکمیل کے بعد جب ان کی اشاعت کا وقت آیا تو مادر علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے ہی سبقت کی جس نے طالب علمی کے زمانہ کی علمی عملی صلاحیتوں کو دیکھ کر تابناک مستقبل کا پہلے سے اندازہ کرلیا تھا وہ بھلا اس جوہر منیر کو دوسروں کے حوالہ کیسے کردیتا، چنانچہ شوال ۱۳۸۸ھ سے حضرت مولاناؒ کا تقرر جامعہ اسلامیہ میں ہوگیا اور ابتدائی عربی سے لے کر متوسطات تک کتابیں مولانا کے سپرد کی گئیں، سال پورا نہیں ہوا کہ مولاناؒ کی محبوبیت ومقبولیت تمام طلبہ کے قلوب میں راسخ ہوگئی، جامعہ کے کرتادھرتا مدیر ومہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحبؒ پہلے ہی سے اس جوہر کے قدرشناس تھے دوسرے سال بھی متوسطات کی متعدد کتابوں کو قابلیت کے ساتھ پڑھا دینے پر درجۂ علیا کی کتابیں سپرد کرنے کا تہیہ کرلیا اور تیسرے سال آپ کو مدرس حدیث بنا کر مشکوۃ شریف دی گئی، مشکوۃ شریف کی یہ پہلی جماعت بھی قابل تھی اس میں کئی طلبہ نہایت ذہین اور محنتی تھے مولانا کو بھی پڑھانے اور حدیث شریف کے اسرار وحکم بتانے میں بڑا لطف آیا، حدیث وتفسیر میں آپ کے تحقیقی جوہر کھلے اور مولانا کی تدریس کی شہرت بلاتفریق تمام طلبہ ومنتظمین میں ہوگئی چوتھے سال دورۂ حدیث کی ایک اہم کتاب ابوداؤد شریف آپ کی طرف منتقل ہوئی اور اس طرح علمی ترقی کے سماء ہفتم پر بلامنازعت فائز ہوگئے۔

علمی حلقہ کے حضرات جانتے ہیں کہ کسی مضبوط قدیم عربی ادارہ میں جہاں قابل سے قابل اساتذہ موجود ہوں اور پھر وہ مادر علمی بھی ہو اتنی جلد ترقی کا ملنا اور امہات کتب حدیث کی تدریس کا شرف حاصل ہونا صرف اور صرف ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ کا مصداق ہی ہوسکتا ہے، پانچویں سال حدیث شریف کی ایک اور اہم کتاب صحیح مسلم آپ کے سپرد ہوئی اس طرح دورہ کے دو گھنٹے اور دو اہم کتابوں مسلم شریف اور ابوداود شریف کا درس دینے لگے اور آپ کا علمی شہرہ ثری سے ثریا تک جا پہنچا، چھٹے سال ابوداود شریف ایک نئے مدرس کی طرف منتقل ہوئی اور آپ کے پاس مسلم شریف کا درس رہا اور یوں جس مادر علمی سے چند سال پہلے فراغت ہوئی تھی اسی عظیم ادارہ کے مدرس اعلیٰ مدرس حدیث دوم کے اونچے منصب پر سرفراز ہوئے۔

اس عالم رنگ وبو میں عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخصیت علمی وعملی اعتبار سے خواہ دنیوی اعتبار سے ایک دم ترقی کرنے لگے تو نظر بد کا بھی بہت جلد شکار ہونے لگتی ہے، کہیں حسد، کہیں عداوت اپنا رنگ دکھاجاتی ہے، اللہ کی شان جل جلالہ کہ جس مہتاب سے جامعہ کے درودیوار روشن اور اس کی مہک سے مشام جان معطر تھے اچانک اسے گہن لگا اور جامعہ میں ایسا بحران آیا جو کئی اساتذہ کے جامعہ سے سبکدوش اور مستعفی ہونے پر منتج ہوا، اس لپیٹ میں ہمارے حضرت مولانا سیدابراراحمد صاحبؒ بھی آگئے، اور بالآخر ۱۳۹۴ھ میں جامعہ کی خدمات سے کنارہ کش ہونا پڑا، وللہ الأمر من قبل ومن بعد۔

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں تشریف آوری: جامعہ کے اس حادثہ کا اثر دور دور تک ہر خاص وعام پر پڑا اور یقیناً حضرت مولاناؒ پر بھی اس کا جو اثر ہونا چاہیے قدرتی بات تھی، اور شاید اسی میں درجات عالیہ کی ترقی اور رضا بالقضا کا سبق پوشیدہ ہو، گو آپ جامعہ سے علیحدہ ہوئے اور ایک اونچے منصب کو بادل ناخواستہ چھوڑا مگر فوراً ہی متعدد مدارس عربیہ سے شیخ الحدیث کے منصب پر تقرر کی دعوتیں آئیں انہی میں ایک دعوت آپ کے سابق استاذ محترم حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ (فاضل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) نے دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کے لیے استاذ حدیث کے لیے پیش کی۔

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گو تاسیس وبنا کے اعتبار سے زیادہ قدیم نہیں تھا مگر اس کے بانی اور منتظمین کی علو ہمت اور مالیات کی فراوانی اور اس کے مدیر ورئیس الجامعہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ کا تدبر اور حسن انتظام کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بہت جلد قبول نصیب ہوا اور تھوڑے عرصہ میں ہی گجرات کے معیاری مدارس میں اس کا شمار ہونے لگا۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اہل علم وفضل وکمال دارالعلوم فلاح دارین میں جمع ہوں، بعض مرتبہ ایک ایک مدرس کے لیے وہ یوپی کے دور دراز دیہات کے مدارس

میں بھی تشریف لے گئے اور وہاں سے قابل مدرس کو لے آئے ان کی نظر سے مولانا مرحوم کیسے چوک جاتے پھر مولانا کاپودروی مدظلہ مولانا مرحوم کے استاذ بھی ہوتے ہیں زمانۂ طالب علمی کی محنت جدوجہد، سلامت طبع وحسن ادب سے پوری واقفیت، پھر جامعہ ڈابھیل میں مولانا کی شہرت علمی وعملی خود جامعہ ہی انہیں کہاں چھوڑنے پر راضی وہ تو ایک بحرانی کیفیت تھی جس کا اثر تھا کہ مولانا استعفیٰ دینے پر مجبور اور ارباب جامعہ اس کے قبول کرنے میں معذور ہوئے۔

بہر حال حضرت مولاناؒ نے مدیر فلاح دارین کی پرزور دعوت قبول فرمالی اور شوال ۱۳۹۴ھ میں ترکیسر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشی، چونکہ فلاح دارین میں پہلے سے ہی دوتین قدیم معمر اساتذۂ حدیث درس حدیث پر فائز تھے اس لیے حضرت مولاناؒ کو ابوداود شریف دی گئی جس کو مولانا نے بہت ہی حسن وخوبی سے پڑھایا اور مسلسل چھ سال آپ کے پاس اس کا درس رہا اس کے علاوہ مشکوۃ شریف وجلالین کی ایک ایک جلد کا سبق بھی آپ کے پاس بدل بدل کر ہوا کرتا تھا۔

شوال ۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں دورۂ حدیث کے فضلاء کے لئے دورۂ تفسیر کا افتتاح ہوا اس وقت دورۂ حدیث کی کتابوں میں کچھ ترمیم ہوئی اور حضرت مولاناؒ کے نام مسلم شریف منتقل ہوئی (ساتھ ہی تفسیر ابن کثیر کا ایک حصہ اور تفسیر جلالین کی ایک جلد رہی) حضرت مولاناؒ نے دارالعلوم فلاح دارین میں مسلم شریف کا درس انتہائی ضبط واتقان اور تحقیق وتدقیق کے ساتھ متواتر دس سال دیا اور اس طرح صحیح بخاری کے بعد جس کتاب کا غایت صحت اور حسن صنعت میں مقام تھا اس کی تدریس سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

منصب شیخ الحدیث پر: حضرت مولاناؒ کے ذمہ جس کتاب کی تدریس متعلق ہوتی آپ اس کے لیے بھرپور مطالعہ فرماتے شروع حدیث کی تمام متعلق کتابوں پر تحقیقی نظر فرماتے پھر اسرار ومعارف اور رموز وحکم سے بھی آپ کو حظ وافر نصیب ہوا تھا اس پر مستزاد فطری ذکاوت وذہانت تدریس حدیث وتفسیر کے وقت ایسے جواہر ونکات بکھیرتے کہ طلبۂ علوم دینیہ کو ہر موضوع پر سیر حاصل بحث ملتی اور مکمل تشفی ہوجاتی، پھر آپ کے اخلاق کریمہ، رأفت ورحمت اور شفقت علی الطلبہ نے باوجود سکینہ

ووقار ظاہری وباطنی کے آپ کو طلبہ واساتذہ ومنتظمین میں انتہائی محبوب اور گرویدہ بنالیا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطابت ووعظ میں بھی ملکۂ تامہ عطا فرمایا تھا جس کی بنا پر فارغ اوقات میں مختلف دیہات وامصار میں تشریف لے جاتے اور خلق خدا کو وعظ ونصیحت فرما کر اللہ تعالیٰ سے جوڑتے، ان سب مجموعی محاسن وکمالات کی بنا پر ارباب نظم وانتظام کے دلوں میں مدت سے یہ خواہش تھی کہ حضرت مولاناؒ کو شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز کیا جائے اور تدریس بخاری شریف آپ سے متعلق کردی جائے مگر كل شيء مرهون بأوقاته شوال ۱۴۱۰ھ میں اس کا فیصلہ ہوا اور عمر کے آخری حصہ میں منصب شیخ الحدیث پر فائز ہوئے جس کو علمی ترقی کا ہمالیہ نشان کہا جاتا ہے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

آپ سے متعلق بخاری شریف جلد اول کی گئی اس کے لیے آپ کس قدر مطالعہ اور محنت فرماتے اور تحقیق سے پڑھاتے اس کا اندازہ مولانا محمد ایوب سورتی (رکن مجلس دعوۃ الحق یو۔ کے) کے نام ایک خط سے لگائیے جس میں تحریر فرماتے ہیں:

بخاری شریف گذشتہ ہفتہ تک رات میں بعد مغرب پڑھائی اور آخری سال میں بعد عشاء بھی پڑھائی ہے، ماشاء اللہ عجیب کتاب ہے، بڑا ہی مزہ آوے ہے، عینی، فتح الباری، فیض الباری، لامع الدراری، الخیر الجاری، قسطلانی اور نہ معلوم کون کونسی شرحیں کھنگالتا رہتا ہوں بہت ہی لطف آوے ہے ڈیپ اسٹڈی کرنا پڑتی ہے، اللہ پاک قبول فرمائے۔ (مکتوب ۱۱/ج ۱/ ۱۴۱۱ھ)

بخاری شریف جلد اول کا درس وفات تک اسی طرح جاری رہا اس طرح صحیح بخاری جلد اول پانچ مرتبہ پڑھائی چھٹی مرتبہ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ میں شروع کرائی مگر علالت اور ضعف ونقاہت کا دور شروع ہوچکا تھا مختلف وقفوں سے دوتین مرتبہ پڑھا سکے کہ ۱۷/ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ کو آپ نے اس عالم فانی کو خیرباد کر کے عالم بقا کی راہ لی، رحمة الله رحمة الابرار الصالحين۔

کل زمانۂ تدریس: دیکھا جائے تو حضرت مولاناؒ کا کل زمانۂ تدریس ۲۷/برس ہے جس میں ابوداود شریف ۸/مرتبہ، مسلم شریف ۱۲/مرتبہ، بخاری شریف ۵/مرتبہ، اور مشکوۃ شریف اور جلالین

شریف ۲۵ / سال میں تقریباً ہر سال دونوں یا کسی ایک کی کوئی نہ کوئی جلد ضرور رہی بالخصوص آخری برسوں میں جلالین اول کا درس آپ سے زیادہ متعلق رہا، اس طرح آپ بلاتکلف ”شیخ الحدیث والتفسیر“ کے موزوں لقب سے بہرہ ور ہوئے۔

وعظ وخطابت: اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو وہبی طور سے طلاقت لسانی اور فصاحت وبلاغت بیانی عطا فرمائی تھی، گھر اور خاندان میں صاف اور شستہ اردو بولی اور پڑھی جاتی تھی، بچپن میں اردو کی سینکڑوں کتابیں پڑھ لی تھیں، جب عربی میں لگے تو اس فن میں بھی مہارت حاصل کی عربی کہنے بولنے پر کافی قدرت حاصل ہوگئی، طالب علمی کے زمانہ ہی سے مدارس میں تقریر کی مشق انجمنوں کے ذریعہ کرائی جاتی ہے، حضرت مولانا بچپن ہی سے اس میں نمایاں رہے اور جب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخل ہوئے تو اور زیادہ شستہ اور سلجھی ہوئی تقریر کرنے لگے تمام طلبہ میں آپ کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔

آپ کی طالب علمی کے ایک بے تکلف رفیق حافظ سلیمان جوگیات صاحب کے والد نے ان سے کہا کہ جامعہ سے کسی استاذ کو ہمارے گاؤں میں تقریر کے لیے ساتھ لانا وہ چھٹی لے کر مولانا کو ہی اپنے ساتھ کھروڈ لے آئے، والد صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ تو طالب علم ہیں تو ان پر برہم ہوئے کہ طالب علم کیا تقریر کرے گا مگر رات کو جب مولانا نے جوش وخروش سے بیان کیا تو ان کے والد نہایت حیران ہوئے اور خوش، اور کہا کہ اس طالب علم کا مستقبل انشاء اللہ بہت تابناک ہوگا پھر تو وہ مولانا کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ آخر عمر تک مولانا ہی کو ہر خوشی وغمی کے موقعہ پر بلوا کر وعظ کہلواتے۔

یہ تو طالب علمی کے دور کی بات تھی پھر تو جوں جوں علم میں جلا اور ترقی ہوتی گئی اور ارباب قلوب صافیہ کے مناہل علم وعرفان سے سیرابی ہوتی گئی اسی قدر آپ کی خطابت علم وحکمت کے آبدار موتیوں سے مزین ہونے لگی اور سامعین آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہونے لگے، آپ کے خطابت کا باقاعدہ سلسلہ جامعہ کے دور تدریس سے ہی شروع ہوتا ہے اور قرب وجوار میں عموماً شب جمعہ اور تعطیلات میں تشریف لے جاتے۔ (حیات ابرار ص/۱۱۹ تا ۱۳۰)

واضح ہو کہ آپ کے مواعظ کا مجموعہ ”فیض ابرار“ کے نام سے طبع ہو چکا ہے، تادم تحریر اس کی دس جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

۳۰

مولانا رشید احمد موٹا صاحب

آپ کی پیدائش ۱۹۵۰ء میں ایک بستی میں ہوئی جس کی علمی گلشن کی خوشبو دنیا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ڈابھیل کے مکتب میں حاصل کی اس کے بعد تراج مدرسہ مفتاح العلوم میں حفظ قرآن کے لئے داخل ہوئے وہاں آپ کے مشفق استاذ حضرت مولانا یوسف ماما پٹیل صاحب مدظلہ العالی اور حضرت مولانا ابراہیم ایمجی صاحب مدظلہ العالی تھے مگر آپ نے حفظ کی تکمیل مدرسہ جامعہ ڈابھیل میں حضرت حافظ گورا صاحبؒ سے کی اسی مدرسہ سے سند فراغت ۱۳۹۹ھ میں حاصل کی، آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب اعظمیؒ سے پڑھی جو امام العصر خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے مایۂ ناز شاگرد تھے، دوسرے اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا سید ابرار احمد دھلیویؒ، حضرت مولانا ابراہیم پالنپوریؒ، حضرت مولانا سید حمد اللہ صاحب کے اسمائے گرامی خاص ہیں، اس دوران آپ ڈابھیل کی جامع مسجد میں اذان بھی دیتے تھے اور اسی مسجد میں آپ نے تین سال امامت بھی کی تھی پھر اونچا محلّہ مسجد میں اسی طرح اذان کی خدمت انجام دی اور اس مسجد میں بھی تین سال تقریباً امامت کی خدمت انجام دی، عالم ہونے کے بعد مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا سعید احمد بزرگ صاحبؒ نے حفظ کلاس پڑھانے کی دعوت دی۔ اسی دوران رمضان المبارک میں ایک سال تراویح پڑھاتے تھے اور ایک سال رمضان المبارک میں تبلیغی جماعت میں جاتے تھے۔ یہ معمول آپ کا دس سال تک رہا۔ تلك عشرة كاملة، نیز آپ اونچا محلّہ مسجد کے متولی بھی رہے تھے، اور مجلس خدام الدین سملک کی شوری کے آپ ممبر بھی تھے۔

محنت وخدمت کا یارب انہیں صلہ عطا کر ::: درس، اذان وامامت کی بیحد جزا عطا کر

اس کے بعد ۱۹۸۷ء میں برطانیہ تشریف لائے، کاونٹری میں آپ کے بڑے بھائی حافظ قاسم صاحب

موٹا مقیم تھے، اسی سال مسجد میں تراویح پڑھائی پھر ڈیوز بری حاجی اسماعیل پٹیل صاحب کے یہاں تشریف لائے، اور ہوپ اسٹریٹ مسجد الٰہی (باٹلی انگلینڈ) میں امامت و مدرسہ کی خدمت شروع کی، آپ نے ۱۷/سال استقامت کے ساتھ امامت و مدرسہ کی خدمت انجام دی، بسا اوقات اذان بھی دیتے تھے، نیز وضوخانہ کی صفائی کا بھی خیال کرتے تھے، بالخصوص فجر کی نماز میں بہت جلدی جا کر اذان دینے کا معمول تھا، ایک عرصۂ دراز تک مرحوم مولانا نے جو خدمت دین کی ہے ان کی اس خدمت کو انشاء اللہ العزیز یاد رکھا جائیگا۔

تھی زندگی میں سادگی پابند وقت کے تھے   معمول میں بھی اپنے یکتا وہ وقت کے تھے
کی ہے محنت اور انہوں نے دی ہے قربانی بہت   انہوں نے کی ہے مسجد الٰہی کی نگہبانی بہت
ان کی یہاں آمد کے فیض و اثر سے   کہ چمکا ہے ہوپ اسٹریٹ ان کی نظر سے

ہمیشہ عوام اور مسجد الٰہی کی کمیٹی اور مصلی حضرات اور علمائے کرام آپ کے ساتھ محبت سے پیش آتے تھے، بالخصوص ہیزی اسٹریٹ جامع مسجد کے امام حضرت مولانا عبدالرؤف صوفی صاحب دامت برکاتہم سے تو ایک خاص تعلق تھا اور بے تکلف دوست تھے، مولانا مرحوم میں ایک نمایاں صفت یہ تھی کہ آپ تبلیغی جماعت میں نکلتے تھے، دوسروں کو ترغیب بھی دیتے تھے (۲۹/دسمبر ۲۰۰۳ء بروز پیر باٹلی انگلینڈ میں انتقال ہوا)۔

(ماہنامہ اذان بلال، مارچ ۲۰۰۴ء ، مأخوذ از مضمون مولانا محمد یوسف صوفی لاجپوری باٹلی برطانیہ)

تمّت وبالفضل عمّت

بحمد اللہ تعالیٰ آج بروز پنجشنبہ بعد العصر ۱۷/ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۵/ اگست ۲۰۰۵ء ''فضلائے جامعہ'' کی قسط اول کا کام پورا ہوا، خدا کرے یہ تحفۂ صد سالہ امت کے لیے عموماً اور ابنائے جامعہ کے لیے خصوصاً مژدہ صد بہار اور نافع ثابت ہو، اللہ تعالیٰ مرتب کے والدین، اساتذہ، محسنین، مربیین اور معاونین کے لیے آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

عبدالقیوم راجکوٹی
معین مفتی، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل۔ سملک

مراجع ومصادر

تاریخ دارالعلوم دیوبند	مولانا سید محبوب رضویؒ
تاریخ جامعہ	مولانا فضل الرحمٰن اعظمی
نقوش رفتگاں	مولانا محمد تقی عثمانی
بیس مردان حق	مولانا عبدالرشید ارشد
مشاہدات وتأثرات	مولانا سلمان منصور پوری
قصائد بنوریہ	مرتب ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ
بصائر وعبر	//
انوار الباری (مقدمہ)	مولانا سید احمد رضا بجنوری
مقدمہ درس حدیث	مولانا عبدالوحید صدیقی فتحپوریؒ
مقدمہ فتاوی عبدالغنی	مولانا احمد دیولوی
لالہ وگل	مولانا سید انظر شاہ صاحب
شخصیات وتأثرات	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
اکابرین گجرات (گجراتی)	مولانا عبدالحی کفلیتویؒ
نقوش بزرگاں	مرتب
خطبات مالک	حافظ محمد اکبر شاہ بخاری
حیات مالک	//
حیات ابرار	مولانا محمد یونس قاری بندہ الٰہی
تذکرۂ علمائے مبارکپور	قاضی اطہر مبارکپوریؒ

تذکرۂ علمائے پنجاب	مولانا اختر راہی
حسن خاتمہ کے ۵۰۰ واقعات	مولانا محمد یونس قاری بندہ الٰہی
مجلّہ مولانا شفیع احمد کی خدمات۔ کارنامے	ادارہ ترجمہ وتالیف کلکتہ
سوانح حیات مولانا عبدالصمد ایرانی (غیر مطبوعہ)	مولانا اسعد اللہ ایرانی ادگاؤں
〃 مولانا جمال الدین مالیگانوی 〃	خودنوشتہ

رسائل وجرائد

بینات (خصوصی اشاعت بیادگار مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ)	کراچی
ماہنامہ ضیاء الاسلام قاضی اطہر نمبر	مدیر ضیاء الحق خیرآبادی
ماہنامہ حرا کا پیغام	سہارنپور
ماہنامہ اذان بلال	آگرہ
ماہنامہ صوت القرآن	احمد آباد
ماہنامہ دارالعلوم	دیوبند
ماہنامہ ترجمان دارالعلوم	نئی دہلی
تعلیم القرآن	راولپنڈی
الفرقان	لکھنؤ
ندائے وقت رمضان نمبر	جامعہ حسینیہ شریوردھن
الاصلاح (گجراتی)	سملک
وہوراویلفیر (گجراتی)	سورت
روئداد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل	جامعہ ہذا